25., 1980

آندھرا پردیش

جنوری و فبروری
سنہ ۱۹۸۰ ع
۵۰ پیسے

آندھرا پردیش

ایڈیٹر

ملک محمد علی خان

★

ماہ جنوری ، فبروری سنہ ۱۹۸۰

کارتک ۔ اگھن راین ۱۹۰۱

جلد نمبر ۲۵

شمارہ نمبر ۱ — ۲

★

سرورق کا پہلا صفحہ

ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی

سرورق کا دوسرا صفحہ

پوتو راجو رقص

سرورق کا تیسرا صفحہ

سرکاری آشرم اسکول ۔ بوڈی گوڈم ضلع مغربی گوداوری

تصویر ۔ نند گوپال نائیڈو

سرورق کا چوتھا صفحہ

جہاں نما چرچ حیدرآباد کا ایک اندرونی منظر

تصویر ۔ پی ۔ این ۔ کمار

ترتیب

پتہ

گرہا کلپا کامپلکس مکرم جاهی روڈ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱

ٹیلیفون ۴۵۷۰۴ - ۴۵۷۰۱

اس شمارہ میں اہل قلم نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ۔

(ادارہ)

آندھراپردیش اردو ماہنامہ

زرسالانہ چھ روپئے فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی ۔ پی ۔ بھیجنے کا قاعدہ نہیں ہے ۔

زرسالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھراپردیش نے شائع کیا ۔

PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CEN L PRESS, HYDERABAD.
PUBLISHED BY THE DIRECTOR GENERAL OF INFORMATION PUBLIC RELATIONS, CULTURAL AFFAIRS AND EXHIBITIONS

اداریہ

(ملک محمد علی خان)

ماہ نامہ '' آندھرا پردیش ،، اپنی اشاعت کے ۲۰ ویں سال میں داخل ہوا ہے اور ان ۲۰ سالوں میں اردو زبان و ادب کی خدمت و سرپرستی سرکاری سطح پر ہوتی رہی ہے ۔ ماہنامہ '' آندھرا پردیش ،، واحد اردو رسالہ ہے جسکی قیمت برائے نام ہے ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ آندھرا پردیش کے خریداروں میں ہندوستان کے ممتاز ادبا و شعرا بھی شامل ہیں ۔ قومی یک جہتی ایڈیشن کو ادبی حلقوں میں کافی سراہا گیا جسکے لئے ہم اپنے قارئین ، خریداروں اور قلمی معاونین کے ممنون ہیں ۔ چند فنی مجبوریوں کی وجہ پرچہ کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی ہے امید ہے کہ آئندہ چند ماہ میں ان مشکلات پر قابو پا لیا جائے گا — !

ہماری وزیر اعظم مسز گاندھی اور ریاستی وزیر اعلیٰ ڈاکٹر یم ۔ چنا ریڈی کی رہنمائی و قیادت میں ہماری ریاست ترقی کی منزلیں طئے کرتی جا رہی ہے اور نہ صرف پسماندہ طبقات ، ہریجن ، قبائل بلکہ معاشی طور پر پسماندہ طبقات کو وزیر اعظم مسز گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام کی روشنی میں ترقی کے مواقع فراہم کئے گئے ہیں ۔ زرعی ، تعلیمی و صنعتی محاذ پر بھی شاندار پیش رفت ہوئی ہے ۔ غریبوں و بے گھر افراد کے لئے مکانات ، بے زمین کسانوں کو زمین ، بیروزگاروں کیلئے روزگار کی فراہمی کے لئے مختلف اقدامات جاری ہیں ۔ پرانے شہر کی ترقی کے لئے '' سٹ ون ،، کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا اور '' حڈا ،، کی سرگرمیاں بھی قابل ستائش ہیں ۔ آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کی سرگرمیوں سے اردو بولنے والی اقلیت نے اطمینان کا اظہار کیا ہے ۔ اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے اقلیتی کمیشن قائم کیا گیا ہے جو ریاستی حکومت کا ایک جرأت مندانہ قدم ہے ۔

آیئے ہم سب مل کر اس بات کا عہد کریں کہ ہم اپنی ریاست کی ترقی ، قومی یکجہتی کے استحکام اور امن و آمان کی برقراری میں حکومت سے تعاون کریں گے اور ایک خوش حال ریاست کے خوش حال شہری کی ذمہ داریوں کو پورا کرینگے ۔

آندھرا پردیش میں خواتین اور بچوں کے لئے بہتر لیل و نہار

جواہر لال نہرو نے کیا خوب کہا ہے کہ عوام میں بیداری اور جاگرتی لانے کے لئے پہلے خواتین میں شعور پیدا کرنا اور انہیں بیدار کرنا ضروری ہے۔ اگر عورت ایک مرتبہ متحرک ہوجائے تو اس کے ساتھ ساتھ پورا گھر، گاؤں اور ملک حرکت میں آجاتا ہے اور نتیجتاً بچے بھی اس حرکت میں شامل ہوجاتے ہیں انہیں صحت مند زندگی اور بہتر تربیت کے مواقع خود بخود همدست ہوجاتے ہیں۔ اس طرح ہم آج بچوں کی صحیح طور پر نشونما کر کے کل کے ہندوستان کی تعمیر کا کام انجام دے رہے ہیں۔ حکومت آندھرا پردیش اوپر بیان کئے ہوئے بلند وبالا خیالات کی روشنی اور رہبری میں خواتین اور بچوں کو بہتر حالات زندگی سے ہمکنار کرنے کی خاطر انتھک مساعی اور عظیم اقدامات رو بعمل لا رہی ہے۔

حکومت آندھرا پردیش نے عورتوں اور بچوں کی زندگی کو بہتر اور خوب تر بنانے کے لئے متعدد اسکیمات شروع کی ہیں۔ ان اسکیمات کی عمل آوری کے لئے خدماتی اداروں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے۔ جن کی رسائی دور سے دور افتادہ مواضعات تک ہے اور جن کی بدولت ضرورتمندوں اور محروموں کو درکار امداد فراہم ہورہی ہے۔ ریاست آندھرا پردیش شائد ملک کی ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے۔ جہاں خواتین اور اطفال کی فلاح و بہبود کے لئے ایک علحدہ اور مکمل محکمہ قائم ہے۔ حکومت کا ہمیشہ سے یہ مطمع نظر رہا ہے۔ اور آئیندہ بھی رہیگا کہ گھروں میں خوشیوں اور مسرتوں کا دور دورہ ہے خاندانوں میں مضبوط رشتے قائم ہو۔ بچوں کو صحت و تندرستی قائم ہو اور ان کو صیحح نشونما اور ترقی کے مواقع همدست ہوں۔

اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے حکومت نے مصیبت زدہ خواتین کی سماجی اور معاشی طور پر بحالی اور باز آباد کاری کی خاطر اقامت گاہیں قائم کی ہیں۔ صحتمند اور تعلیم یافتہ خواتین کو ضروری تربیت کی فراہمی کے لئے اور انہیں اپنی روزی آپ کمانے کے لائق بنانے کے لئے مختلف خدمات آغاز کی ہیں خانہ زاد خواتین کو گھروں میں ان کا جائز مقام دلانے کے لئے اور انہیں اپنے سیاسی و معاشی حقوق اور سماجی ذمہ داریوں سے واقف کرانے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

ریاست میں فی الوقت چار اسٹیٹ ہومس،، اور پانچ ''سرویس ہومس،، قائم ہیں۔ جن میں تقریباً ایک ہزار مصیبت زدہ خواتین کو تربیت دی جاری ہے تاکہ وہ معاشی طور پر خود مکتفی بن سکیں اور ان میں سماجی طور پر خود اعتمادی پیدا ہوسکے۔ پیشہ وارانہ تربیتی مراکز ۲ علاقہ جاتی سلائی مرکز اور ۸ یونیفارمس کی تیاری کے مراکز کے ذریعہ خواندہ اور نیم خواندہ صحتمند خواتین کو عام پسند کی حرفتوں اور مہارتوں کی تربیت دی جاری ہے اور انہیں اپنی روزی آپ کمانے کے قابل بنایا جارہا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں میں اخلاق بے راہ روی کے انسداد کے لئے اور اس سلسلہ میں بنائے ہوئے قانون کی عمل آوری و نفاذ کے لئے دو ''ریسکیو ہومس،، قائم ہیں علاوہ ازیں ملازم پیشہ عورتوں کے لئے دو اقامت خانے اور عمر رسیدہ خواتین کے لئے دو ہومس بھی قائم کئے گئے ہیں۔ ۹۰ کمیونٹی سروس سنٹرس، جنہیں عام طور پر بہبودی خواتین کی خدماتی شاخیں بھی کہا جاتا ہے کہ ذریعہ خواتین کو ان کے گھروں پر پہونچ کر خانہ داری، بچوں کی تربیت تعلیم بالغان اور اسی طرح کے دوسرے مفید موضوعات پر ضروری مشورے اور رہبری بہم پہونچائی جاتی ہے۔ یہ مراکز خواتین کے لئے فرصت کے اوقات میں ایک جگہ مل بیٹھنے کے مقامات کی حیثیت سے بھی کام آتے ہیں۔ جہاں انہیں دستکاریاں وغیرہ سیکھنے کے مواقع حاصل ہوجاتے ہیں اور اس طرح

وہ اپنی خاندانی آمدنی میں کچھ اضافہ کرلینے کے قابل ہوجاتی ہیں ۔ تقریباً ۳۳۴ توسیعی افسران برائے بہبودی خواتین و اطفال (مکھیہ سیویکائیں) اور اس سے تقریباً دو گنی تعداد میں ترقیاتی افسران برائے مواضعات (گرام سیویکائیں) دیہاتوں میں گھوم پھر کر خواتین تک بیداری کا پیام پہونچاتی ہیں اور ان میں قیادت کی صلاحیتیں اجاگر کرتی ہیں ۔ ان افسران کی کوششوں کے نتیجے میں آج ریاست کے اندر ۶۳۸۸ رجسٹر شدہ اور ۱۱۰۸۸ غیر رجسٹر شدہ مہیلا منڈل قائم ہیں اور ان کے تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے ۔ یہ مہیلا منڈل مختلف نوعیت کی معاشی سرگرمیاں روبہ عمل لارہے ہیں ۔ جن کے بدولت یہ منڈل ایک دن متاثر کن اور عظیم معاشی قوت بن جائینگے ۔

چلڈرن ہوسس (بیت الاطفال)

حکومت ۶ سال تک کی عمر والے بچوں کے لئے ترقیاتی خدمات کی فراہمی کے سلسلہ میں بال واڑیوں، بال وہاروں اور "کریچیس" کے ذریعہ کافی زور صرف کررہی ہے اور قابل لحاظ مساعی روبعمل لارہی ہے اور ۴۹ کی تعداد پر مشتمل چلڈرنس ہوسس کے ایک جال کے ذریعہ ۵ تا ۱۸ سال کی عمر والے بچوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال کا کام انجام دے رہی ہے ۔ ان چلڈرن ہوسس میں سے ۴ ہوسس جذامی والدین کے صحت مند بچوں کے لئے ہیں ۔ حالیہ برسوں میں تین ہوسس ایسے بچوں کے لئے کالج کی تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے شروع کئے گئے ہیں ۔ جو چلڈرنس ہوسس سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں ۔

آندھرا پردیش نے سال سنہ ۱۹۶۵ء میں ایک رہنمایانہ اقدام کیا ہے یعنی یہ کہ پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کی عام آمدنی کا ۵ فیصد حصہ بہبودی خواتین و اطفال کی اسکیمات کی عمل آوری کے لئے مختص کردیا گیا ہے ۔ اس اقدام کی بدولت دیہی محاذ پر خواتین و اطفال سے متعلق سرگرمیوں کو معقول بڑھاوا حاصل ہوا ہے ۔ فی الوقت ریاست میں فلاحی سرگرمیوں میں مصروف ادارے یہ ہیں ۔ سروس ہوس برائے مصیبت زدہ خواتین ، اسٹیٹ ہوسس ، پیشہ ورانہ تربیتی ادارے برائے خواتین سکریٹریٹ نصابات کی تربیت دی جاتی ہے ۔ ۲ علاقہ واری سلائی مراکز، ۸ مراکز برائے تیاری یونیفارم ، ۳ سلائی مراکز ، ۴ عدالتوں میں پیش شدہ مقدمات کے لئے ۔ ۲ ۔ ریسکیو ہومز ، عمر رسیدہ خواتین کے لئے ، ۲ ہوسس اور کام کاج کرنے والی خواتین کے لئے ۲ اقامت خانے ۔

بہبودی اطفال کی اسکیمات کے تحت کام کرنے والے ادارے یہ ہیں ۔ پانچ سال تک کی عمر والے بچوں کے لئے ۱۳۸ کریچ س ۲۸ بال وہار ۶۶ بال واڑیاں اور ۴۹ چلڈرن ہوسس یتیموں اور مصیبت زدہ بچوں کے لئے اور ۳ ہوسس کالج کی تعلیم پانے والی لڑکیوں کے لئے ۔

سرویس ہوسس

بہبودی خواتین شاخوں کی منتظمین گرام سیویکائیں اور بہبودی خواتین و اطفال کے توسیعی افسران گھروں کے دوروں اور خاندانی حالات کے مطالعہ کے دوران مجبور خواتین کا پتہ چلا کر اور حالات کا جائزہ لے کر انہیں سرویس ہوسس میں داخل کرتے ہیں ۔ یہ خواتین عام طور پر ۳ زمروں سے تعلق رکھتی ہیں ۔ جو یہ ہیں ۔ (۱) چھوڑی ہوئی بیویاں (۲) بیوائیں اور بےبس و مصیبت زدہ خواتین،

خواتین کو سرویس ہوسس میں عام طور پر ۳ سال کے لئے رکھا جاتا ہے ۔ اور انہیں عام تعلیم اور متعدد حرفتوں کی تربیت فراہم کی جاتی ہے ۔ انہیں فنی اور غیر فنی دونوں قسم کے سرکاری امتحانات کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اس طرح انہیں روزگار کے حصول کے لائق بنایا جاتا ہے ۔ یا کم سے کم انہیں کسی حرفت میں اس قابل بنادیا جاتا ہے ۔ کہ وہ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہوجائیں ۔ ان ہوسس میں تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ پیداوری یونٹس بھی ہوتے ہیں

خواتین کو اپنے ایسے بچے ساتھ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے ۔ جن کی عمر ۵ سال سے کم ہو ۔ ہر سرویس ہوسس میں بچوں کے لئے ایک شعبہ بھی ہوتا ہے ۔

ہر سرویس ہوم کی صدر ایک رہائشی سپرنٹنڈنٹ اور اس کی مدد کے لئے ایک رہائشی میٹرن متعین ہوتی ہے ۔ مقیمن کو عام تعلیم کی فراہمی اور جلد سازی چرمی سامان کی تیاری بنیانوں اور پاتابوں وغیرہ کی بنائی کی تربیت دینے کے لئے اساتذہ مقرر ہوئے ہیں ۔

حکومت کی جانب سے چلائے جانے والے ایسے پانچ سرویس ہوسس ریاست میں قائم ہیں جن میں فی ہوم ۵۰ تا ۱۰۰ خواتین کو رکھنے کی گنجائش موجود ہے ان کے علاوہ دو امدادی ادارے بھی ہیں ، ایک ضلع مشرق گوداوری میں کستوربا گاندھی نیشنل میموریل ٹرسٹ چلاتا ہے اور ایک ضلع کرنول میں مہیلا منڈلی کے زیر انتظام ہے ۔

اسٹیٹ ہوسس

یہ ادارے ابتداً سماجی و اخلاق صحت کے پروگرام کے تحت ۱۹۵۸ میں بری طاقتوں کا شکار ہوجانیوالی خواتین کے بچاؤ اور دیکھ بھال کے لئے شروع کئے گئے تھے ۔ حکومت ہند ان کی کفیل تھی ۔ لیکن مختلف وجوہ کے باعث ان کی ابتدائی نوعیت کو برقرار نہیں رکھا جاسکا اور کچھ برسوں سے یہ زیادہ تر مصیبت زدہ خواتین کے لئے ہوسس بن گئے ہیں جو نوعیت میں سرویس ہوسس کے مماثل دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے ختم پر ان کے لئے ملنے والی مرکزی حکومت کی امداد بند ہو گئی اور اب یہ ریاستی حکومت کی ذمہ داری ہے ۔

آندھرا پردیش میں خواتین اور بچوں کے لئے بہتر لیل و نہار

جواھر لال نہرو نے کیا خوب کہا ہے کہ عوام میں بیداری اور جاگرتی لانے کے لئے پہلے خواتین میں شعور پیدا کرنا اور انہیں بیدار کرنا ضروری ہے۔ اگر عورت ایک مرتبہ متحرک ہوجائے تو اس کے ساتھ ساتھ پورا گھر، گاؤں اور ملک حرکت میں آجاتا ہے اور نتیجتاً بچے بھی اس حرکت میں شامل ہوجاتے ہیں انہیں صحت مند زندگی اور بہتر تربیت کے مواقع خود بخود ھمدست ہوجاتے ہیں۔ اس طرح ہم آج بچوں کی صحیح طور پر نشو نما کر کے کل کے ہندوستان کی تعمیر کا کام انجام دے رہے ہیں۔ حکومت آندھرا پردیش اوپر بیان کئے ہوئے بلند وبالا خیالات کی روشنی اور رہبری میں خواتین اور بچوں کو بہتر حالات زندگی سے ہمکنار کرنے کی خاطر انتھک مساعی اور عظیم اقدامات رو بعمل لا رہی ہے۔

حکومت آندھرا پردیش نے عورتوں اور بچوں کی زندگی کو بہتر اوز خوب تربنانے کے لئے متعدد اسکیات شروع کی ہیں۔ ان اسکیات کی عمل آوری کے لئے خدماتی اداروں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے۔ جن کی رسائی دوریے دور افتادہ مواضعات تک ہے اور جن کی بدولت ضرورتمندوں اور محروموں کو درکار امداد فراہم ہورہی ہے۔ ریاست آندھرا پردیش شائد ملک کی ان چند ریاستوں میں سے ایک ہے۔ جہاں خواتین اور اطفال کی فلاح و بہبود کے لئے ایک علحدہ اور مکمل محکمہ قائم ہے۔ حکومت کا ہمیشہ سے یہ مطمع نظر رہا ہے۔ اور آئیندہ بھی رھیگا کہ گھروں میں خوشیوں اور مسرتوں کا دور دورہ ہے خاندانوں میں مضبوط رشتے قائم ہو۔ بچوں کو صحت و تندرستی قائم ہو اور ان کو صحیح نشو نما اور ترقی کے مواقع ھمدست ہوں۔

اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے حکومت نے مصیبت زدہ خواتین کی سماجی اور معاشی طور پر بحالی اور باز آباد کاری کی خاطر اقامت گاہیں قائم کی ہیں۔ صحتمند اور تعلیم یافتہ خواتین کو ضروری تربیت کی فراھمی کے لئے اور انہیں اپنی روزی آپ کمانے کے لائق بنانے کے لئے مختلف خدمات آغاز کی ہیں خانہ زاد خواتین کو گھروں میں ان کا جائز مقام دلانے کے لئے اور انہیں اپنے سیاسی و معاشی حقوق اور سماجی ذمہ داریوں سے واقف کرانے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔

ریاست میں فی الوقت چار اسٹیٹ ہومس،، اور پانچ ''سروس ہومس،، قائم ہیں۔ جن میں تقریباً ایک ہزار مصیبت زدہ خواتین کو تربیت دی جاری ہے تاکہ وہ معاشی طور پر خود مکتفی بن سکیں اور ان میں سماجی طور پر خود اعتمادی پیدا ہوسکے۔ پیشہ وارانہ تربیتی مراکز ۲ علاقہ جاتی سلائی مرکز اور ۸ یونیفارمس کی تیاری کے مراکز کے ذریعہ خواندہ اور نیم خواندہ صحتمند خواتین کو عام پسند کی حرفتوں اور مہارتوں کی تربیت دی جاری ہے اور انہیں اپنی روزی آپ کمانے کے قابل بنایا جارہا ہے۔۔ عورتوں اور لڑکیوں میں اخلاقی بے راہ روی کے انسداد کے لئے اور اس سلسلہ میں بنائے ہوئے قانون کی عمل آوری و نفاذ کے لئے دو ''ریسکیو ہومس،، قائم ہیں علاوہ ازیں ملازم پیشہ عورتوں کے لئے دو اقامت خانے اور عمر رسیدہ خواتین کے لئے دو ہوس بھی قائم کئے گئے ہیں۔ ۹۰ کمیونٹی سروس سنٹرس، جنہیں عام طور پر بہبودی خواتین کی خدماتی شاخیں بھی کہا جاتا ہے کہ ذریعہ خواتین کو ان کے گھروں پر پہونچ کر خانہ داری، بچوں کی تربیت تعلیم بالغان اور اسی طرح کے دوسرے مفید موضوعات پر ضروری مشورے اور رہبری بہم پہونچائی جاتی ہے۔ یہ مراکز خواتین کے لئے فرصت کے اوقات میں ایک جگہ مل بیٹھنے کے مقامات کی حیثیت سے بھی کام آتے ہیں۔ جہاں انہیں دستکاریاں وغیرہ سیکھنے کے مواقع حاصل ہوجاتے ہیں اور اس طرح

وہ اپنی خاندانی آمدنی میں کچھ اضافہ کرلینے کے قابل ہوجاتی ہیں۔ تقریباً ۴۴۳ توسیعی افسران برائے بہبودی خواتین واطفال (مکھیہ سیویکائیں) اور اس سے تقریباً دو گنی تعداد میں ترقیاتی افسران برائے مواضعات (گرام سیویکائیں) دیہاتوں میں گھوم پھر کر خواتین تک بیداری کا پیام پہونچاتی ہیں اور ان میں قیادت کی صلاحیتیں اجاگر کرتی ہیں۔ ان افسران کی کوششوں کے نتیجے میں آج ریاست کے اندر ۶۴۸۸ رجسٹر شدہ اور ۱۱۰۸۸ غیر رجسٹر شدہ، مہیلا منڈل قائم ہیں اور ان کے تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ یہ مہیلا منڈل مختلف نوعیت کی معاشی سرگرمیاں روبہ عمل لارہے ہیں۔ جن کے بدولت یہ منڈل ایک دن متاثر کن اور عظیم معاشی قوت بن جائینگے۔

چلڈرن ہوس (بیت الاطفال)

حکومت ۶ سال تک کی عمر والے بچوں کے لئے ترقیاتی خدمات کی فراہمی کے سلسلہ میں بال واڑیوں، بال وھاروں اور ''کریچیس،، کے ذریعہ کافی زور صرف کررہی ہے اور قابل لحاظ مساعی روبہ عمل لارہی ہے اور ۴۹ کی تعداد پر مشتمل چلڈرنس ہوس کے ایک جال کے ذریعہ ۵ تا ۱۸ سال کی عمر والے بچوں کی نگہداشت اور دیکھ بھال کا کام انجام دے رہی ہے۔ ان چلڈرن ہوس میں سے ۴ ہوس جذامی والدین کے صحت مند بچوں کے لئے ہیں۔ حالیہ برسوں میں تین ہوس ایسے بچوں کے لئے کالج کی تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے شروع کئے گئے ہیں۔ جو چلڈرنس ہوس سے کامیاب ہوکر نکلتے ہیں۔

آندھرا پردیش نے سال سنہ ۱۹۶۵ء میں ایک رہنمایانہ اقدام کیا ہے یعنی یہ کہ پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کی عام آمدنی کا ۵ فیصد حصہ بہبودی خواتین و اطفال کی اسکیمات کی عمل آوری کے لئے مختص کردیا گیا ہے۔ اس اقدام کی بدولت دیہی محاذ پر خواتین و اطفال سے متعلق سرگرمیوں کو معقول بڑھاوا حاصل ہوا ہے۔ فی الوقت ریاست میں فلاحی سرگرمیوں میں مصروف ادارے یہ ہیں۔ سروس ہوس برائے مصیبت زدہ خواتین، اسٹیٹ ہوس ، پیشہ ورانہ تربیتی ادارے برائے خواتین سکریٹریٹ نصابات کی تربیت دی جاتی ہے۔ ۲ علاقہ واری سلائی مراکز، ۸ مراکز برائے تیاری یونیفارم، ۳ سلائی مراکز، ۴ عدالتوں میں پیش شدہ مقدمات کے لئے ۔ ۲ ۔ ریسکیو ہومز، عمر رسیدہ خواتین کے لئے، ۲ ہوس اور کام کاج کرنے والی خواتین کے لئے ۲ اقامت خانے۔

بہبودی اطفال کی اسکیمات کے تحت کام کرنے والے ادارے یہ ہیں۔ پانچ سال تک کی عمر والے بچوں کے لئے ۱۳۸ کریچس ۲۸ بال وھار ۶۶ بال واڑیاں اور ۴۹ چلڈرن ہوس یتیموں اورمصیبت زدہ بچوں کے لئے اور ۳ ہوس کالج کی تعلیم پانے والی لڑکیوں کے لئے۔

سروس ہوس

بہبودی خواتین شاخوں کی منتظمین گرام سیویکائیں اور بہبودی خواتین و اطفال کے توسیعی افسران گھروں کے دوروں اور خاندانی حالات کے مطالعہ کے دوران مجبور خواتین کا پتہ چلا کر اور حالات کا جائزہ لے کر انہیں سروس ہوس میں داخل کرتے ہیں۔ یہ خواتین عام طور پر ۳ زمروں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو یہ ہیں۔ (۱) چھوڑی ہوئی بیویاں (۲) بیوائیں اور بےبس و مصیبت زدہ خواتین،

خواتین کو سروس ہوس میں عام طور پر ۳ سال کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور انہیں عام تعلیم اور متعدد حرفتوں کی تربیت فراہم کی جاتی ہے۔ انہیں فنی اور غیر فنی دونوں قسم کے سرکاری امتحانات کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور اس طرح انہیں روزگار کے حصول کے لائق بنایا جاتا ہے۔ یا کم سے کم انہیں کسی حرفت میں اس قابل بنادیا جاتا ہے۔ کہ وہ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہوجائیں۔ ان ہوس میں ترقی پروگراموں کے ساتھ ساتھ پیداواری یونٹس بھی ہوتے ہیں

خواتین کو اپنے ایسے بچے ساتھ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ جن کی عمر ۵ سال سے کم ہو۔ ہر سروس ہوس میں بچوں کے لئے ایک شعبہ بھی ہوتا ہے۔

ہر سروس ہوم کی صدر ایک رہائشی سپرنٹنڈنٹ اور اس کی مدد کے لئے ایک رہائشی میٹرن متعین ہوتی ہے۔ مقیمین کو عام تعلیم کی فراہمی اور جلد سازی چرمی سامان کی تیاری بنیانوں اور پاتابوں وغیرہ کی بنائی کی تربیت دینے کے لئے اساتذہ مقرر ہوئے ہیں۔

حکومت کی جانب سے چلائے جانے والے ایسے پانچ سروس ہوس ریاست میں قائم ہیں جن میں فی ہوم ۵۰ تا ۱۰۰ خواتین کو رکھنے کی گنجائش موجود ہے ان کے علاوہ دو امدادی ادارے بھی ہیں، ایک ضلع مشرق گوداوری میں کستوربا گاندھی نیشنل میموریل ٹرسٹ چلاتا ہے اور ایک ضلع کرنول میں مہیلا منڈلی کے زیر انتظام ہے۔

اسٹیٹ ہوس

یہ ادارے ابتداً سماجی و اخلاقی صحت کے پروگرام کے تحت ۱۹۵۸ میں بری طاقتوں کا شکار ہوجانیوالی خواتین کے بچاؤ اور دیکھ بھال کے لئے شروع کئے گئے تھے۔ حکومت ہند ان کی کفیل تھی۔ لیکن مختلف وجوہ کے باعث ان کی ابتدائی نوعیت کو برقرار نہیں رکھا جاسکا اور کچھ برسوں سے یہ زیادہ تر مصیبت زدہ خواتین کے لئے ہوس بن گئے ہیں جو نوعیت میں سروس ہوس کے مماثل دوسرے پانچ سالہ منصوبے کے ختم پر ان کے لئے ملنے والی مرکزی حکومت کی امداد بند ہوگئی اور اب یہ ریاستی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

آسرے اور امداد کی ضرورتمند مصیبت زدہ خواتین یا تو خود رضاکارانہ طور پر داخلہ لے لیتی ہیں یا محکمہ کا میدانی عملہ ان کے داخلہ کے لئے سفارش کرتا ہے داخل شدہ خواتین " ہوم " میں تین سال کے عرصہ کے لئے مقیم رہتی ہیں اور وہ عام تعلیم اور مفید حرفتوں کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ چار اسٹیٹ ہومس میں سے تین میں تیار ملبوسات ، چٹائیوں کی بنائی ، نواڑ کی بنائی شیشے اینبولس اور چوڑیاں بنانے کے یونٹس موجود ہیں ۔ اپنی تین سالہ قیام کی مدت کے ختم پر یہ خواتین یا تو اقل ترین تعلیمی قابلیت حاصل کر لیتی ہیں یا کسی ایک حرفت میں درکار صلاحیت کی حامل ہو جاتی ہیں۔ ہر اسٹیٹ ہوم میں ایک رہائشی سپرنٹنڈنٹ اور ایک میٹرن ہوتی ہے اور ان کی امداد کے لئے تدریسی و فنی عملہ متعین رہتا ہے۔ چار اسٹیٹ ہومس میں فی ہوم ۷۵ تا ۱۰۰ مقیمین کی گنجائش ہے۔ گھریلو عملے کی تربیت سے متعلق ایک اسکیم اسٹیٹ ہوم حیدر آباد میں رائج کی گئی ہے جس کے تحت لڑکیوں کو خانہ داری کے عصری طریقوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

پیشہ ورانہ تربیتی مراکز :

یہ مراکز ، کم آمدنی والے خاندانوں کی پڑھی لکھی بےروزگار لڑکیوں کے لئے ہیں جو اپنے طور پر اعلی تعلیم یا فنی قابلیت حاصل کرنے کے قابل نہیں ہیں تاکہ وہ روزگار کے حصول کے لائق ہو سکیں ۔ ان مراکز میں ایس - ایس - سی - ایچ - ایس - سی یا میٹرک کی تعلیمی قابلیت رکھنے والی لڑکیوں کو داخل کر کے انہیں ٹائپ رائیٹنگ . شارٹ ہینڈ اور محاسبی کی تربیت دیکر سرکاری ٹکنیکل امتحانات میں شریک کرایا جاتا ہے۔ سات پیشہ ورانہ تربیتی مراکز میں سے ہر ایک مراکز میں (۳۰) امیدواروں کے لئے گنجائش ہے جنمیں سے ۲۰ کو وظائف دیئے جاتے ہیں اور انہیں اقامتی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ ہر مراکز میں ایک منیجر ، دو ٹیوٹر اور ایک میٹرن متعین ہوتی ہے۔

علاقہ واری تربیتی مراکز :

ان مراکز میں غریب خاندانوں کی خواندہ نو جوان خواتین کو سلائی کی تربیت دیجاتی ہے تاکہ وہ اس فن کو پیشے کی حیثیت سے اختیار کر سکیں ۔ ہر مراکز میں ۵۰ ، امیدواروں کو شریک کرنے کی گنجائش ہے اور یہ تمام ایک متصلہ اقامت خانے میں قیام پذیر ہوتی ہیں۔ مراکز کا عملہ سند یافتہ انسٹرکٹروں اور ایک انسٹرکٹریس - کم - میٹرن پر مشتمل ہوتا ہے۔

یونیفارم تیاری کا مراکز :

خصوصی تلنگانہ ڈیولپمنٹ فنڈز سے سنہ ۱۹۷۰ ع میں قائم کردہ یہ مراکز تلنگانہ کے مستقر شہروں میں ضرورتمند خواتین کو سلائی کی تربیت فراہم کرنے کے لئے ہیں ۔ ان مراکز میں مختلف محکموں کے ملازمین کے یونیفارمس تیار کرنے کا کام انجام دیا جاتا ہے اور اسطرح مقامی خواتین کو روزگار مل جاتا ہے جو ان کی ذیلی آمدنی کیلئے ذریعہ بنتا ہے ۔

سلائی مرکز :

یہ مراکز توام شہروں حیدر آباد و سکندر آباد کے جھونپڑ پٹی علاقوں میں قلیل آمدنی والے خاندانوں کی خواتین کو تربیت اور روزگار فراہم کرنے کی خاطر شروع کئے گئے ہیں ۔

ریسکیو ہومس :

خواتین میں انسداد قحبہ گری کے قانون بابت سنہ ۱۹۵۶ کے دفعات کے تحت پولیس قحبہ خانوں اور بدنام گھروں پر دھاوے کرتی ہے اور عدالت میں مقدمات دائر کرتی ہے۔ جن خواتین کو عدالتیں تحویل میں دیتی ہیں اور ریمانڈ کرتی ہیں انہیں پولس کی جانب سے ضروری وارنٹ کے ساتھ ان ریسکیو ہومس میں داخل کیا جاتا ہے ۔ ان اداروں کا مقصد ایسی عورتوں کی اصلاح اور بازآبادکاری اور ساتھ ہی ساتھ انکی بنیادی ضروریات جیسے غذا ، آسرا اور لباس وغیرہ کی فراہمی ہے۔ اس قسم کے ہومس سنہ ۱۹۷۳-۷۵ ع کے دوران حیدر آباد اور وجئے واڑہ میں ۵۰ لاکھ روپیوں کے خرچ سے آغاز کئے گئے ہیں۔

معمر خواتین کے لئے ہوم :

پہلا ہوم سنہ ۱۹۷۱-۷۲ ع میں چتور میں شروع کیا گیا تھا ۔ یہ ایسی معمر اور مصیبت زدہ خواتین کے لئے جنہیں ایک پر سکون اور آرامدہ بڑھاپے کے سوا زندگی سے کوئی اور توقعات نہیں ہیں۔ پچاس بوڑھی خواتین جنکا نہ کوئی ذریعہ آمدنی ہے اور نہ ہی کوئی خبر گیری کرنے والا ۔ اس ہوم میں رکھی گئی ہیں اور ان کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے۔

کاجی خواتین کا اقامت خانہ :

گذشتہ دہے کے دوران میں تعلیم نسواں کو کافی فروغ ہوا ہے اور حالیہ برسوں میں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی قیمتوں کے باعث بہت سے گھرانوں کی خواتین کے لئے کام کاج کر کے خاندان کی آمدنی میں کچھ اضافہ کرنا ایک ضروری امر ہو گیا ہے۔ بڑے شہروں کے اطراف و اکناف میں صنعتوں کے ابھار اور

ملازمتوں کی موجودگی کی بدولت روزگار کی متلاشی بہت سی خواتین شہروں کو منتقل ہو گئی ہیں ۔ ان خواتین کو کسی ایسے ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے جو انکے رہنے کے لحاظ سے موزوں اور ان کے شخصی تحفظ کا ضامن ہو اس ضرورت کی پابجائی موزوں اور ان کے شخصی تحفظ کا ضامن ہو اس ضرورت کی پابجائی کے لئے سنہ ۷۵-۱۹۷۴ ع کے دوران حیدر آباد اور وجئے واڑہ میں کامی خواتین کے لئے دو اقامت خانے قائم کئے گئے ۔

درگا بائی دیشمکھ ٹکنیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ :

ویمنس ٹکنیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا قیام خواتین کے بین الاقوامی سال سنہ ۱۹۷۵ ع کا نتیجہ ہے تیز رفتاری کیساتھ ملک کی ترقی پذیر فضا کے باعث یہ امر وقت کا ایک تقاضہ بن گیا تھا کہ خواتین کو ان کا اپنا مقام حاصل ہو ۔ مذکورہ بالا سال منانے کے لئے تشکیل دی ہوئی کمیٹی نے یہ سفارش پیش کی کہ خواتین کو انتظامیہ ، فروخت اور فنی شعبوں سے متعلق ترقیاتی سرگرمیوں کی تربیت بہم پہنچائی جانی چاہئے تا کہ انہیں روزگار کے مواقع اور خود روزگار اسکیمات سے استفادہ کی گنجائش فراہم ہو سکے ۔ ان دور اندیش خواتین کے ذہنوں میں ابھرنے والا تصور و خاکہ حیدر آباد میں اسی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے قیام کی صورت میں عملی جامہ پہن کر جلوہ گر ہوا جسکی بدولت تعلیم یافتہ بے روزگار خواتین کو فنی مہارتوں کی تعلیم کے حصول کی سہولتیں ہمدست ہوئیں ۔

خواتین میں خود اعتمادی کا احساس پیدا کرنے تا کہ وہ چھوٹی صنعتوں کے قیام کے لئے آگے بڑھیں اور روزگار کے حصول کے سلسلہ میں درکار صلاحیتوں اور ضرورتوں کو فراہم کرنے کے دوسرے مقصد کے تحت ماہرین کی کمیٹی نے (۷) نصابات منظور کئے جو ان موضوعات پر مشتمل ہیں ۔ (۱) ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی درستگی و دیکھ بھال (۲) چھپائی اور انگریزی (۳) جلد سازی اور ہینڈ کمپوزنگ (۴) ٹیلی ٹون ٹپریٹر ۔ کم ۔ ریسپشنسٹ (۵) زر دوری (۶) سائنس مین شپ اور مارکیٹنگ او (۷) ٹکسٹائل اور کاسٹیوم ڈیزائننگ ۔

محکمہ صنعت کے ایک عہدہ دار کو انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا تا کہ نصاب کی تیاری ، عمارت کی تعمیر کا کام اور داخلہ کے لئے قواعد کی تدوین وغیرہ جیسی مصروفیات کا آغاز کیا جائے ۔ حکومت نے ناظم فنی تعلیم اور ناظم فراہمی روزگار و تربیت کے مشورے سے ایسے پانچ نصابات کے آغاز کے احکامات جاری کئے جنمیں روزگار کے حصول کے لئے وسیع گنجائش اور اپنے ذاتی کاروبار چلانے کے لئے بڑے مواقع موجود ہیں ۔ نصابات یہ ہیں ۔ (۱) ریڈیو اور ٹیلی ویژن میکانزم (۲) ڈرافٹسمین سیول (۳) گھڑی سازی (۴) چھپائی ، رنگوائی اور کیمیائی دھلائی اور (۵) کشیدہ کاری و سوزن کاری ۔

نصابات اگسٹ سنہ ۱۹۷۸ ع میں شروع کئے گئے اور اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ وسیع تشہیر کر کے انسٹی ٹیوٹ میں داخلوں کے لئے درخواستیں طلب کی گئیں تشہیر کے نتیجے میں ان نصابات کے لئے موجود کل ۶۴ نشستوں کے لئے ۵۶۱ درخواستیں وصول ہوئیں ۔ مقررہ قواعد کے مطابق یونیورسٹیوں کے متعلقہ علاقائی امیدواروں ایس ۔ سی — ایس ۔ ٹی — بی ۔ سی امیدواروں اور سابق فوجیوں کے زیر پرورش امیدواروں کے لئے تحفظ فراہم کرتے ہوئے داخلوں کے لئے امیدواروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا ۔

انسٹی ٹیوٹ میں طالب علموں کی موجودہ تعداد ۵۲ مقیم اور ۱۲ غیر مقیم طلباء پر مشتمل ہے ۔ ایسے مقیم طلباء کے لئے جسکی خاندانی آمدنی سالانہ ۶,۰۰۰ روپئے سے کم ہے قیام و طعام کا انتظام مفت ہے ۔ ایسے غیر مقیم طلباء جنکی خاندانی آمدنی سالانہ ۶,۰۰۰ روپیوں سے زیادہ ہے ماہانہ ۲ روپئے تعلیمی فیس ادا کرتے ہیں اور اگر وہ اقامت خانے کی سہولت حاصل کرنا چاہیں تو ان سے مزید ۸۰ روپئے ماہانہ وصول کئے جاتے ہیں جملہ ۶۴ طلباء میں سے ۸ طلباء تدریسی فیس ادا کرتے ہیں اور ۲ طالب علم اقامت خانے کے اخرجات دیتے ہیں ۔

اس طرح لڑکیوں کو خالصتاً ایسی فنی مہارتوں سے آراستہ کرنے کی شروعات کردی گئی ہے جنکی کہ زیادہ مانگ ہے اور جو روزگار کے حصول میں زیادہ ممد و معاون ہو سکتی ہے ۔ تجویز ہے کہ انسٹی ٹیوٹ میں موجود آلات و اوزار اور انفرااسٹرکچر سے بھرپور استفادہ کرنیکی خاطر تربیتی نصابات کی تعداد میں مزید اضافہ عمل میں لایا جائے ۔ چھپائی اور رنگوائی کے نصاب کا ۱۶ طالبات پر مشتمل پہلا گروہ کامیابی کے ساتھ اپنی ایک سالہ تربیت و تعلیم سے فراغت حاصل کر چکا ہے ۔

جاریہ مالی سال کے دوران میں تین نئے نصابات شروع کرنے کی تجویز ہے جو یہ ہیں ۔ (۱) ڈپلوما ان فارمیسی برائے ۳۰ طالبات ، مدت ۲ سال ، (۲) لائسینس سیول انجینیرنگ برائے ۳۰ طالبات مدت ۲ سال (۳) لائسینس آرکیٹکچر اینڈ اسسٹینس شپ برائے ۳۰ طالبات مدت ۲ سال ۔

ایک ویمنس ٹکنیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نیلور میں کھولنے کی تجویز ہے جس کے لئے جاریہ سال میں ایک لاکھ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔

آندھرا پردیش کو یہ ایک منفرد و امتیاز حاصل ھے کہ یہاں عورتوں کا امداد باھمی مالیاتی کارپوریشن قائم کیا گیا ھے جو خواتین کو خود روزگار اسکیمات چلانے کے لئے قرض کی سہولتیں فراھم کرتا ھے ۔ یہ کارپوریشن حکومت کی جانب سے فراھم کردہ (۱۰) لاکھ روپیہ اصل سرمایہ حصص سے خواتین کے بین لاقوامی سال ۱۹۷۵ میں شروع کیا گیا تھا ۔ ماھرین کی ایک کمیٹی نے شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں خواتین کے لئے موزوں اور مناسب اسکیمات مدون و مرتب کیں ۔ کارپوریشن کی جانب سے اس کی اضلاعی شاخوں کے ذریعہ ۲۰ فیصد حاشائی رقم اجراء کی جاتی ھے اور اسکیم کی لاگت کا باقی ۸۰ فیصد سرمایہ قومیائی ھوئی بینکیں بطور قرض منظور کرتی ھے ۔ دیہاتوں میں زیادہ یہ پیشے اور اسکیمات اختیار کی جاتی ھیں ۔ ڈیری ، مرغبانی ، ترکاریوں ، میوں اور مچھلیوں کی فروخت کاروبار اور کرانہ کا بیوپار جبکہ شہری علاقوں میں درزی کا کام ، چھوٹے کاروبار ، کرانے کی دکانیں ، بال واڑیاں ، اچار سازی وغیرہ کے پیشے زیادہ پسندیدہ ھیں ۔ قرضوں کی واپسی کارپوریشن اور بینکس دونوں کو آسان اقساط کی جاتی ھے ۔ کارپوریشن کی جانب سے رقومات عدم واپسی شدنی امداد کے طور پر نہیں دی جاتی ھیں ۔ بلکہ یہ واپس شدنی قرض ھوتے ھیں ۔ اور ان سے مستفید ھونے والوں میں زیادہ تعداد کمزور طبقات کی ھوتی ھے ۔

کارپوریشن کو اپنی تین سالہ سرگرم زندگی میں اب تک ۲،۱ کروڑ روپے سرمایہ حصص کے طور پر وصول ھوئے ھیں ۔ اس کی جانب ۲۶۰۰۰ خواتین کو قرض کی سہولتیں فراھم کی گئی ھیں جن میں ۱۹ فیصد درج فہرست اقوام ، ۷ فیصد درج فہرست قبائیل ، ۳۳ فیصد سہ ماندہ طبقات اور ۴۱ فیصد دوسرے معاشی طور پر کمزور طبقات کی خواتین ھیں ۔ پوری ریاست کے لئے قرضوں کی واپسی کی شرح ۹۰ فیصد ھے ۔ بعض اضلاع میں صدفی صد قرضے واپس ھوچکے ھیں جبکہ بعض دوسرے اضلاع میں ۶۳ تا ۹۵ فیصد واپسی عمل میں آئی ھے ۔

یہ کارپوریشن ریاستی اور ضلعی دونوں سطحوں پر ممکنہ حد تک اقل ترین عملہ سے کام کرتا ھے ۔ اور بڑی حد تک اس کا دار ومدار محکمہ بہبودی خواتین و اطفال کے عملہ کے اراکین پر ھے جنھوں نے اس کارپوریشن کو ترقی کی موجودہ سطح تک پہنچانے میں عظیم کارگذاری اور کارکردگی کا مظاھرہ کیا ۔ (اس کارپوریشن کے قیام اور اس کی حاصل کی ھوئی ترقی نے قومی پیمانے پر توجہ اور دلچسپی کو اپنی جانب مبذول کرا ھے ۔ اور آندھرا پردیش میں قائم شدہ اس منفرد مثال کو تقلید کی خاطر منصوبہ بندی کمیشن نے ملک میں دوسری ریاستوں کے سامنے ستائش و سفارش کے ساتھ پیش کیا ھے ۔ انڈین کونسل آف سوشیل سائنس ریسرچ نے انسٹی ٹیوٹ آف پبلک انٹرپرائز کے ذریعہ اس کارپوریشن کی سرگرمیوں اور طریقے کار کا مطالعہ کرایا جس نے حال ھی میں اپنی مطالعاتی رپورٹ شائع کی ھے ۔ اور کارپوریشن کے کارناموں کی ستائش کرتے ھوئے قابل قدر اور بیش قیمت تجاویز پیش کی ھیں ۔ اسکے علاوہ حیدر آباد میں واقع ادارہ SIET بھی اس کارپوریشن کے ھے پروگراموں کا مطالعہ کررھا ھے ۔ ۱۹۷۵ کے نمایندوں ڈاکٹر میریامین ،، اور مسز اینڈریا منفر سنگھ نے بھی اس کارپوریشن کی جانب سے خواتین کو فراھم کئے ھوئے کاروباروں کا مطالعہ کیا یونیف کی جانب سے اس سال ۱۱ بلاکوں اور ۲ شہری علاقوں میں جہاں اطلاقی اغذیہ پروگرام اور بچوں کی ترقی کی مخلوط اسکیمات روبہ عمل ھیں ۔ کاروباری خواتین کو ترغیبات کی منظوری کیلئے ۱۰۰۰۰ پونڈز کی گنجائش رکھی ھے ۔

کارپوریشن نے کھادی اینڈ ولیج انڈسٹریز کمیشن اور محکمہ صنعت کی شراکت اور تعاون سے تعلیمیافتہ بے روزگار خواتین کے لئے قلمکاری کپڑوں کی چھپائی تاڑ کے پتوں سے نمائشی اشیاء کی تیاری اشیا پر روغن چڑھانے کا کام ، کھلونا سازی اور دیا سلائی کی صنعت سے متعلق تربیتی پروگرام شروع کئے ھیں ۔

بچوں کا بین الاقوامی سال —

ھم سب بچوں سے محبت کرتے ھیں اور ان کی مناسب نگہداشت ، انہیں غذا ، تعلیم اور موزوں مواقع فراھم کرنے کے لئے وہ سب کرتے ھیں جو ھمارے مقدور میں ھے ۔ بچے ھمارا سب سے قیمتی اثاثہ ھیں اور ان کے صحیح طور پر نشو و نما میں قوم کا مستقبل پوشیدہ ھے لیکن اس ملک میں اور دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ھیں جو اپنے بچوں کو بنیادی ضرورتیں فراھم نہیں کر سکتے چنانچہ غربت اور لاعلمی کے باعث اگر والدین کچھ کرنے کے موقف میں نہیں ھیں یا پھر والدین ھی موجود نہیں ھیں تو مملکت کو ان کے فرائض انجام دینے پڑتے ھیں ۔

اقوام متحدہ نے ۱۹۷۹ ع کے سال کو بچوں کا سال قرار دیا ھے ۔ اس لئے کہ ھم ایسے نقطہ کو پہنچ چکے ھیں جہاں ھم بچے کی ضروریات سے لاپرواھی یا روگردانی نہیں کر سکتے ۔ سنہ ۱۹۷۹ ع کو بچے کا بین لاقوامی سال منسوب کرنے سے ایک بچے کی ضروریات پوری دنیا کی نظروں کا مرکز توجہ بن گئی ھیں ۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اس سال کے جو مقاصد دنیا کے سامنے رکھے ھیں وہ یہ ھیں ۔ بچوں کے حقوق کی وکالت کے لئے ایک لائحہ عمل کی فراھمی ، فیصلوں کے مجاز اشخاص اور عوام میں بچوں کی خصوصی ضروریات کے متعلق آگاھی اور

واقفیت میں اضافہ اور اس حقیقت کو تسلیم کرنا کہ بچوں کے تعلق سے تمام پروگراموں کو کسی بھی طرح کے معاشی اور سماجی ترقیاتی منصوبوں کا ایک لازمی جز ہونا چاہئے تاکہ قومی اور بین لاقوامی سطح پر بچوں کے لئے فائدہ مند اور مستحکم سرگرمیاں جاری رہیں ۔

خود ہمارے اپنے ملک میں دستور ہند کا دفعہ ۳۹ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ مملکت کو اپنی حکمت عملی میں یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مزدوروں، آدمیوں اور عورتوں کو صحت و قوت حاصل رہے اور بچوں کی کم عمری کا ناجائز استحصال نہ ہونے پائے اور بچے معاشی ضرورت کے تحت ایسے پیشوں میں مصروف کرنے پر مجبور نہ کئے جائیں جو ان کی عمر اور طاقت کے لحاظ سے غیر موزوں اور نامناسب ہیں ۔ اقوام متحدہ کی جانب سے بچوں کے معلنہ حقوق اور دستور ہند کی دفعہ کی مطابقت میں حکومت ہند نے ۱۹۷۴ ع میں بچوں کے لئے ایک ۱۰ نکاتی قومی حکمت عملی تدوین و اختیار کی ۔ ہندوستان میں بچے کا بین الاقوامی سال ،، کا اہم موضوع اور مقصد بچوں کے مسائل تک رسائی اور ان کے حل کی دریافت ہے حکومت کی جانب سے بچوں کی صحت، تعلیم اور ان کی بہبود کے پروگرام تیار اور روبعمل لانے کی خاطر پر زور اقدامات کرنے کے لئے مساعی کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے جو صرف سال سنہ ۱۹۷۹ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس صدی کے باقیماندہ حصے تک جاری و ساری رہے گا ۔ ان مساعی میں زور کمزور طبقات کے بچوں پر دیا جائیگا اور ترجیحی اساس پر چھ سال سے کم عمر والے بچے حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کی ضروریات کی تکمیل عمل میں لائی جائے گی ۔

آندھرا پردیش میں بچوں کا بین الاقوامی سال ——

حکومت آندھرا پردیش نے بچوں سے متعلق قومی حکمت عملی کی مطابقت میں سنہ ۱۸۷۵ ع میں ایک '' بچوں کا بورڈ،، تشکیل دیا اور اس موضوع پر ستمبر سنہ ۱۹۷۹ ع میں ایک سمینار بھی منعقد کیا گیا جس میں سابق صدر جمہوریہ مرحوم جناب فخرالدین علی احمد صاحب بھی شریک تھے ۔ اس اہم سمینار کے بعد سے ریاستی حکومت نے سماجی طور پر محرومی و ناداری کے شکار بچوں کیلئے بھلائی کی خدمات میں اضافے کی خاطر انتھک کوشش و سعی سے کام شروع کردیا اور بال واڑیاں کریچیس اور چلڈرن ہومس کے قیام کے ذریعہ اس سعی کو تقویت پہونچائی گئی ۔ حکومت ہند کی جانب سے فراہم کردہ رقومات سے رضاکارانہ فلاحی تنظیموں کی مدد کیجا رہی ہے تاکہ وہ بچوں کے تحفظ اور ان کی نگہداشت کے لئے اسی طرح خدمات بہم پہنچائیں ۔ چنانچہ ۱۷ تنظیموں کو ۱۰٫۳۹ لاکھ روپئے قدر امداد کے طور پر فراہم کئے جا رہے ہیں ۔

چلڈرنس بورڈ :

بچوں کا بین الاقوامی سال سنہ ۱۹۷۹ ع منانے کی تیاری کے سلسلہ میں ایک بلند حوصلہ لائحہ عمل سنہ ۱۹۷۸ ع میں منایا گیا ۔ چیف منسٹر کی صدارت میں چلڈرنس بورڈ نے جسمیں رضاکارانہ فلاحی تنظیموں کو اچھی خاصی نمائندگی حاصل تھی اس لائحہ عمل پر غور و خوص کیا اور بچوں کی صحت اور اسکولوں میں داخلوں سے قبل ان کی تعلیم و تربیت سے متعلق ترجیحات کا تعین عمل میں لایا گیا ۔

بچوں کے بین الاقوامی سال پر ورکشاپ کا انعقاد :

محکمہ بہبودی خواتین و اطفال نے آندھرا پردیش زرعی یونیورسٹی کے ہوم سائینس کالج کے اشتراک و تعاون سے نومبر سنہ ۱۹۷۸ ع میں بچوں کے بین الاقوامی سال سے متعلق ایک ورکشاپ منعقد کیا اس ورکشاپ نے طبابت و صحت کی خدمات، اغذیہ تعلیم، قانون، سماجی بھلائی اور دماغی و جسمانی طور پر معذور بچوں کی بہبود کے سلسلہ میں متعدد پروگراموں کے آغاز کے لئے مفید و دوررس سفارشات پیش کیں ۔

بال واڑیوں کے متعلق ماہرین کی کمیٹی :

ریاستی حکومت نے بال واڑیوں کی تنظیم کے مسائل کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ عرصہ قبل ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی ۔ اس کمیٹی نے اپنی کارروائی مکمل کر کے دسمبر سنہ ۱۹۷۸ ع میں رپورٹ پیش کردی ہے جو اب پوری سرگرمی اور توجہ کے ساتھ حکومت کے زیر غور ہے ۔

موازنہ میں اضافہ :

ریاست میں بچوں کے فلاحی کاموں کے لئے چلڈرنس ہومس، بال واڑیوں بال وہاروں اور کریچیس جیسے اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے جن سے ۲۰,۰۰۰ سے زاید تعداد کو فائدہ پہنچ رہا ہے ۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے ۔ لیکن پھر بھی ضرورت مند بچوں کی تعداد کے مقابلہ میں ان اداروں کی جانب سے فراہم کی جانیوالی خدمات قطعی طور پر ناکافی ہیں ۔ اس لئے ریاستی حکومت نے موجودہ خدمات میں اضافہ کی نیت سے مختلف اسکیمات کے لئے موازنہ میں ۲۵ لاکھ روپئے کا اضافہ کیا ہے ۔

بال واڑیاں اور کریچیس :

بچوں کے بین الاقوامی سال سنہ ۱۹۷۹ ع کا پہلا دن کمزور طبقات کے بچوں کے فائدے کیلئے ریاست کے ہر ضلع میں ۲

بال‌واڑیاں اور ۲ کریچیس افتتاح کے بعد شروع کیا گیا۔ضلع کلکٹروں نے جو ڈسٹرکٹ چلڈرنس بورڈز کے چیر مین بھی ہیں ان اداروں کے لئے مناسب و موزوں مقامات کے انتخابات میں کافی توجہ اور غور و فکر سے کام لیا ۔ سری ہری کوٹہ کے مجموعہ جزائر کے جزیرے '' پینا بکم ،، میں مچھیروں کے بچوں کےلئے ایک کریچ کا قیام کلکٹر ضلع نیلور کا ایک قابل قدر اقدام ہے ۔ اس سلسلہ میں '' شار ،، پروجیکٹس میں کام کرنے والوں اور پروجکٹس کے عہدہ‌داران مجاز نے جو تعاون دیا ہے وہ خاص طور پر ستائش کے لازمی ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۷۹ ع کے ختم تک ریاست میں مزید ۲۲ کریچیس اور بال‌واڑیوں کا اضافہ کیا گیا ۔

بچوں کی فلاحی اسکیمات کیلئے جو لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے اس پر عاید ہونے والے اخراجات کا تخمینہ ۱۰۰ کروڑ روپیوں سے زیادہ ہے۔ اخراجات کے لئے درکار اس تخمینی رقم سے ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے اس عظیم ہئیت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ اتنی خطیر رقم کے لئے وسائل کی فراھمی تنہا حکومت سے نہیں ہو سکتی اور عوام کی جانب سے اس معاملے میں فیاضانہ تعاون انتہائی ضروری و لازمی ہے۔ اس میں عوام کے خیال و توجہ کو اس جانب مبذول کرنے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کے لئے سرمایہ جمع کرنے کی مہمیں چلانے کی ضرورت ہے اس سمت پہلے قدم کے طور پر ریاستی صدر مقام اور ضلع مستقروں کی اکثریت میں ایک رقص و موسیقی پر مشتمل پروگرام '' کرشنا نیلا ،، کے انعقاد کا اہتمام کیا گیا جو عوام میں کافی پسند کیا گیا اس پروگرام سے تقریباً ۶ لاکھ روپئے جمع کئے گئے ۔

چیف منسٹر کے زیر صدارت مئی سنہ ۱۹۷۹ ع میں ایک میٹنگ منعقد کی گئی جس میں حسب ذیل پروگرام منظور کئے گئے ۔

۱ - نیچے لکھے ہوئے ذرائع سے رقومات اکٹھا کر کے آندھرا پردیش چائلڈ ویلفیر فنڈ میں ۱۰ لاکھ روپیوں کا اضافہ عمل میں لایا جائے ۔(الف) لاٹریوں کا انعقاد (ب) سینما کے ٹکٹوں پر سرچارج (ج) اسکول کے بچوں سے سالانہ ۸۰ پیسے خصوصی فیس کی وصولی اور(ھ) بلدیات کی آمدنی میں سے ۱۰ فیصد حصہ علیحدہ نکال کر اس میں سے ۵ فیصد حصہ کی بچوں کی بہبود کے لئے فراھمی ۔

۲ - تمام ضلع مستقروں پر چلڈرنس کامپلکس کی تعمیر ۔

۳ - تمام ضلع مستقروں ۷۵ء۳ لاکھ روپیوں کے خرچ سے بال بھونوں کا قیام ۔

۴ - تمام کتب خانوں میں بچوں کے شعبہ کا قیام ۔

۵ - '' یونیسیف ،، اور '' کیر ،، کی امداد سے ۴۰۰ بال واڑیوں کا قیام ۔

دونوں شہروں میں کمزور طبقات کے بچوں کو حال ہی میں سات روز تک اہم مقامات کو تفریح کے لئے لے جایا گیا ۔ اس تفریح میں روزآنہ پانچ سو بچے شریک تھے اس قسم کی تفریح کا انتظام اضلاع میں بھی کیا جا رہا ہے ۔

یونیسیف کی جانب سے حیدر آباد میں ۳۰ - جولائی سنہ ۱۹۷۹ ع سے ۳ - اگسٹ سنہ ۱۹۷۹ ع تک ایک کے تصویری نمائش منعقد کی گئی جس میں '' بچوں کے بین لاقوامی سال ،، سے متعلق سرگرمیوں کو پیش کیا گیا ۔

رضاکارانہ مساعی :

سماجی فاؤنڈین ، رضاکارانہ خدماتی تنظیمیں جنمیں نمایاں اهمیت کے حامل روٹری اور لائنس کلب هیں اور مہیلا منڈلیاں وغیرہ کی جانب سے پوری ریاست میں بچوں کی فلاح کے پروگرام بڑے جوش و خروش کیسانھ رو بعمل لائے جا رہے ھیں۔

اس طرح بچوں کے بین لاقوامی سال سنہ ۱۹۷۹ ع کی شروعات آندھرا پردیش میں بڑے اچھے انداز میں ہوئی ہے ۔ اس سلسلہ میں اب جس طرح کا جوش اور جذبہ کارفرما ہے اسے نہ صرف اس سال کے دوران بلکہ موجودہ صدی کے باقی ماندہ زمانہ میں برقرار رکھا جانا چاھئے تاکہ بچوں کے لئے اقوام متحدہ منشور میں جو مقاصد مقرر کئے گئے ھیں انہیں مکمل طور پر حاصل کیا جائے ۔

بچوں کے لئے مخلوط ترقیاتی خدمات :

بچوں کے لئے مخلوط ترقیاتی خدمات کی اسکیم کے تحت ایسے پروگرام روبعمل لائے جارہے ھیں جن میں کئی اقسام کی خدمات شامل ھیں جیسے امراض کا انسداد ، صحت کی جانچ ، رجوعی خدمات، تغذیہ و صحت کی تعلیم، اضافی غذاوں کا استعمال غیر رسمی تعلیم اور بالغ خواتین کے لئے اجرائی کار کے لائق تعلیم وغیرہ ۔ ہر گاؤں میں ان خدماتی سرگرمیوں کے جاری ہونے مرکز '' آنگن واڑی ہے۔ ،، اسکیم کے تحت ۳ قبائلی ، ۲ شہری اور ایک دیہی ، اسی طرح ۶ پراجکٹ مرکزی امداد سے اور ۳ پراجکٹ ریاستی شعبہ میں شروع کئے جائیں گے ۔

موجودہ ۶ زیر عمل‌آوری پراجکٹوں میں ۶۰۵ آنگن واڑیاں ھیں اور سال رواں کے دوران میں شروع کئے جانے والے ۶ پراجکٹوں کے آغاز سے مزید ۶۰۰ آنگن‌واڑیاں قائم ہوجائینگی۔ موجودہ ۶ پراجکٹوں کے تحت مختلف پروگراموں سے مستفید ہونے والوں کی تعداد یہ ہے ۔ اضافی تغذیہ پروگرام سے ۶ سال تک

کی عمر والے بچے(۱۵۶۶۷) حاملہ عورتیں(۱۰۱۵) دودھ پلانے والی مائیں ۱۵۷۹ کم اور خراب غذا سے بری طرح متاثر بچے، ۱۴۶۶ غیر رسمی تعلیم سے مستفید ہونیوالے بچے، (۶۱۸۲) اجرائی کار کے لائق پڑھائی لکھائی سے مستفید ہونے والی ۱۵ تا ۴۴ سال کی عمر کی عورتیں(۲۰۵۰) انسداد امراض پروگرام اور صحت کی جانچ اور معائنہ کی خدمات سے ۵۷ فیصد آبادی مستفید ہوئی نئے ۶ پراجکٹوں کے آغاز کی بدولت مستفید ہونے والوں کی تعداد بھی توقع ہے کہ موجودہ پراجکٹوں کے مستفید کے مساوی ہوگی۔ ان نئے پراجکٹوں پر ۳۴۸۰ء۰ لاکھ روپئے خرچ ہوں گے۔

ریاست میں موجود ۹۵ ویمنس ویلفیر برانچوں کو ''یونیسیف اور ''کیر،، کی مدد سے بچوں کے لئے مخلوط ترقیاتی خدمات کے چھوٹے پراجکٹوں میں مبدل کردینے کی تجویز ہے۔ حکومت اس پروگرام پر سنہ ۸۰-۱۹۷۹ ع کے دوران میں گیارہ لاکھ روپئے خرچ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اطلاقی تغذیہ پروگرام :

اطلاقی تغذیہ پروگرام بنیادی طور پر ایک تعلیمی پروگرام ہے جس کا مقصد دیہی عوام خصوصاً چھ سال تک کی عمر والے بچوں، حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کی غذا اور صحت کے معیار کو تغذیہ تعلیم اضافہ پیداوار اور حفاظتی غذا کے ذریعہ بلند کرنا ہے۔ اس پروگرام کے تحت ۹۰۷ مواضعات پر محیط ۹۷ بلاکوں میں اضافی غذا پروگرام روبہ عمل ہے اور بال واڑیاں چلائی جا رہی ہیں جن سے ۹۰۰۰ عورتوں اور ۵۰۰۰۰ بچوں کو فائیدہ پہونچ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں خرچ ہونیوالی رقم کی مقدار ۲۶،۰۲ لاکھ روپئے ہے سال ۸۰-۱۹۷۹ کے دوران میں یہ اسکیم ۲ لاکھ روپیوں کے خرچ سے مزید چار بلاکوں میں شروع کی جارہی ہے۔

اس طرح یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوگئی کہ حکومت آندھرا پردیش عورتوں اور بچوں کے حالات بہتر بنانے کے لئے بھر پور مساعی عمل میں لارہی ہے اور سماج کے ان اہم طبقات کے لئے خوب‌تر مستقبل کا حصول ایک یقینی امر ہوتا جارہا ہے ان مساعی کے نتیجہ میں بہت سے گھر خوشیوں اور مسرتوں کی آماجگاہ بن گئے ہیں۔

* * *

''قارئین کے لئے ضروری اعلان،،

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح با خبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سرکاری پالسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے مشورے بخوشی قبول کئے جائیں گے۔
پتہ نوٹ فرمالیں :-

ایڈیٹر ''آندھرا پردیش'' اردو
دفتر اطلاعات و تعلقات عامہ - ثقافتی امور و نمائش گرھا کلیا -
چھٹی منزل مکرم‌جاہی روڈ —
حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۱ (اے۔ پی)

آندھرا پردیش میں آبپاشی و برقی قوت

آندھرا پردیش ، جسے قدرت نے اپنے عطیوں سے فیاضی کے ساتھ نوازا ہے پانی اور کوئلے کے عظیم وسائل سے مالامال ہے۔

بارہ مہینے بہنے والی خوش خرام ندیاں رداست کے وسیع میدانوں میں پگھلی ہوئی چاندی بہاتی ہوئی دیہی علاقوں کو سرسبز و شاداب بنا رہی ہیں -

آندھرا پردیش جنوب مغربی اور شمال مشرق دونوں موسمی ہواؤں سے فیض یاب ہے۔

دو عظیم الشان دریائی نظاموں سے سیراب ہونے والی ریاست آندھرا پردیش والحال ایک زرعی ریاست ہے۔ اس کے بعض آب پاشی نظام صدیوں کی قدامت رکھتے ہیں۔ آب پاشی کی قدیم تعمیریں راماپا ، کمم اور کانی گری میں پائی جاتی ہیں اور دو عظیم دریاؤں گوداوری اور کرشنا پر بنے ہوئے دو بڑے آنی کٹ موجود ہیں -

پانی اور بجلی سے ہماری معیشت کا فروغ :

آب پاشی اور برق قوت کی ترقی کے لئے ہماری ریاست ہر دم تازہ رہنے والے وسائل اور کوئلے کے تقریباً لازوال ذخائر سے مالا مال ہے جو برقی قوت کی پیدائش کیلئے درکار خام مال بکثرت مہیا کرتے ہیں - ان کی بدولت اس ریاست میں صنعتی اور زراعتی میدانوں میں عظیم الشان اقدامات کے امکانات موجود ہیں - سنہ ۱۹۵۱ ع میں پہلے پانچ سالہ منصوبے کے آغاز کے بعد سے آب‌پاشی وسائل کے نظام میں تیز تر اور نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ آب پاشی کے چھوٹے پروجکیٹس کی بجائے بڑے اور اوسط پیمانے کے پروجیکٹس پر زیادہ زور دیا جانے لگا -

پانچویں منصوبے کے اختتام تک آب پاشی میں بڑے اور اوسط پیمانے کے پروجیکٹس کا حصہ ۷۳ فیصد ہو گیا جو پہلے منصوبے کے آغاز پر سنہ ۱۹۵۱ ع میں نصف سے بھی کم (۴۳ فیصد تھا)

ریاست کے دو بڑے دریائی نظام ، گوداوری اور کرشنا جن میں تنگبھدرا بھی شامل ہے ریاست میں ۸۴ فیصد کے تناسب میں قابل استعمال پانی فراہم کرتے ہیں -

دریائے گوداوری ، مہاراشٹرا ، کرناٹک ، مدھیا پردیش اور اڑیسہ کی ریاستوں میں سے بہتا ہوا آندھرا پردیش میں داخل ہوتا ہے اور دولیشورم ، انی کٹ پر دریا کا بہاؤ ۸۵ ہزار مکعب فیٹ فی سکنڈ کی انتہائی شرح اختیار کرتا ہے -

دریائے کرشنا مہاراشٹرا اور کرناٹک میں سے بہتا ہوا اس ریاست میں پہنچتا ہے اور اس کے بہاؤ کی انتہائی شرح وجئےواڑہ پر ۴۵۳۰۰ مکعب فیٹ فی سکنڈ ریکارڈ کی گئی ہے -

ریاست میں سطح زمین پر بہنے والے پانی کا ۳۶۵ فی صد حصہ پنارندی بہا کر لاتی ہے جو کرناٹک سے بھی گذرتی ہے۔ ریاست میں مزید ۹ بین ریاستی ندیاں بہتی ہیں جو اڑیسہ ، تامل ناڈو اور کرناٹک سے بھی گزرتی ہیں اور ریاست میں مزید ۳۶۵ فیصد پانی فراہم کرتی ہیں -

ریاست کے اندر ۲۸ دریائی نظام واقع ہیں۔ جن سے سطح زمین پر بہنے والا پانی ساری آبی مقدار کے ۹ فیصد کے تناسب میں حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح گوداوری نظام ۵۵ فیصد ، بشمول تنگبھدرا کرشنا دریائی نظام ۲۹ فیصد پنار اور دوسرے بین الریاستی دریائی نظام ۷ فیصد پانی فراہم کرتے ہیں جنکا مجموعی تناسب ۹۱ فیصد ہوتا ہے -

بین الریاستی معاہدوں اور دوسرے سمجھوتوں کے تحت ریاست دریاؤں کے مجموعی بہاؤ ۲۷۰۰۰ ملین کیوزکس کے منجملہ ۲۰۰۰۰ ہزار ملین کیوزکس پانی حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے ۔

پولاورم پروجیکٹ کی بلندی سے متعلق اڑیسہ سے جورالا اسکیم اور سنگور پروجیکٹ سے متعلق کرناٹک سے نیز گوداوری کے پانی کی تقسیم کے بارے میں متعلقہ ریاستوں سے جو نزاعات چلی آ رہی تھی اب ان کے تصفیے ہو چکے ہیں ۔

گوداوری آبی ٹریبونل کا فیصلہ اس سال اکٹوبر کے بعد حاصل ہوجائے گا ۔

پڑوسی ریاستوں کے ساتھ جو سمجھوتے ہوئے ہیں ان کے نتیجے میں آندھرا پردیش طویل مدتی پروجکٹس تیزی کیساتھ شروع کرسکتا ہے ۔

وشاکھا پٹنم کے فولاد ساز کارخانہ کو پانی کی سربراہی کا تیقن حاصل ہے ۔ گوداوری پر اچم پلی اور پولاورم پروجکٹس اور دوسرے پروجکٹس بھی جو اسکی معاون ندیوں پر واقع ہوں گے اب شروع کئے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً پین گنگا ، پرانیتا ، نیل کوٹا بیریج اور لنڈی پروجکٹ ، دھان کے علاوہ ریاست کی اہم فصلیں جوار مکئی اور دالیں ہیں ۔ تجارتی فصلوں میں مونگ پھلی ، ارنڈی ، کپاس ، تمباکو ، مرچ اور گنا شامل ہیں ۔ بارش کے پانی کے علاوہ پانی کی ضرورت اوسطاً فی ایکڑ ۹۰ سنٹی میٹر ہے ۔

ناگارجن ساگر :

عظیم ترین دریائی پروجکٹس میں ناگارجنا ساگر بھی شامل ہے ۔ جو دریائے کرشنا پر اضلاع نلگنڈہ اور گنٹور کے درمیان واقع ہے ۔ اس کا پختہ بند جس کی اونچائی ۱۲۴٫۷ میٹر ہے ساری دنیا کا بلند ترین بند ہے ۔ اس کے آبی ذخیرے کا پھیلاؤ ۲۸۴٫۹ مربع کیلو میٹر ہے اور اس کی بدولت فی الوقت ۹٫۴۵ لاکھ ہیکٹر کی آب پاشی کے امکانات حاصل ہیں ۔ اس پروجکٹ کیلئے سنہ ۱۹۶۰ ع میں ۹۱ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا تھا جو اب بڑھکر ۴۶۰ کروڑ روپئے تک پہنچ گیا ہے اور یہ جون سنہ ۱۹۸۲ ع تک مکمل ہوجائیگا ۔

سری رام ساگر پروجکٹ :

دریائے گوداوری پر سری رام ساگر پروجکٹ یا پوچم پہاڑ پروجکٹ کا افتتاح سنہ ۱۹۷۳ ع میں کیا گیا تھا ۔ اس بند پر ذخیرہ آب میں ۳٫۱۷ ہزار ملین کیوزکس میٹر پانی کی گنجائش ہوگی اور اس پروجکٹ سے ۶٫۷ لاکھ ہیکٹر زمینات سیراب ہو سکیں گی ۔ عالمی بینک بھی ناگارجنا ساگر اور سری رام ساگر دونوں پراجکٹوں کو مدد دے رہا ہے ۔

ہمارے پروجکٹس :

تنگبھدرا پروجکٹ ہمارے ملک کے اولین پروجکٹوں میں شامل ہے یہ سنہ ۱۹۰۶ ع میں شروع کیا گیا تھا اور سنہ ۱۹۰۹ ع میں پہلی دفعہ آب پاشی کیلئے اس سے پانی چھوڑا گیا ہماری ریاست میں اس پروجکٹ کے تحت ۱۷۲۶۰ ہیکٹر تری اور ۲۶۲۰۰ ہیکٹر خشکی کی زمینات واقع ہیں ۔

جزیرہ نمائے ہند کی قدیم ترین نہر کڑپہ کرنول سے سے خریف کی فصل میں ۳۷۲۰۷ ہیکٹر اور ربیع کی فصل میں ۴۲۰۹۰ ہیکٹر زمینات سیراب ہوتی ہیں ۔

تنگبھدرا کی اونچی سطح کی نہر سے اس کے پہلے مرحلے میں ۴۸۱۶۰ ہیکٹر زمینات سیراب ہوتی ہیں جو ۱۲۵ مواضعات کے تحت واقع ہیں ۔ دوسرے مرحلے کے تحت توقع کیجاتی ہیکہ ۵۰۰۰۰ ہیکٹر زمینات سیراب ہو سکیں گی ۔

راجمندری کے قریب گوداوری بیریج جو ۴٫۲ کیلو میٹر لمبی انی کٹ کی جگہ لیگا ۔ سنہ ۱۹۸۱ ع میں مکمل ہوجائیگا ۔

ضلع سری کاکولم میں ومسادھرا پروجکٹ کے دو مرحلوں میں ۲۰۰۰۰۰ ایکڑ زمینات کی آب پاشی ہوگی ۔

سوما سیلا پروجکٹ :

سوماسیلا پروجکٹ ضلع نیلور میں واقع ہے جو ۱٫۶ لاکھ ہیکٹر اراضیات کو پانی سربراہ کریگا ۔

دریائے گوداوری پر پولاورم بند سے توقع کیجاتی ہے کہ دو مرحلوں میں ۶٫۲۰ لاکھ ہیکٹر آراضیات سیرآب ہونگی جو اضلاع مشرقی گوداوری ، وشاکھا پٹنم ، مغربی گوداوری ، کرشنا اور کچھ سری کاکلم میں واقع ہونگی ۔ اس پروجکٹ کے دو مرحلوں پر اندازاً ۸۴۵ کروڑ روپئے کا خرچ آئے گا ۔

سری سیلم کی دائیں سمت کی نہر سے توقع کیجاتی ہے کہ ہیکہ اضلاع کرنول و کڑپہ میں ۷۷۰۰۰ ایکڑ زمینات سیرآب ہوں گی ۔

اس وقت ریاست میں بڑی آب پاشی کے گیارہ نظام سرگرم کار ہیں جب کہ ایسے آٹھ نظام زیر تعمیر اور پندرہ زیر منظوری یا زیر تحقیق ہیں ۔

اوسط آبپاشی کے ۷۰ نظام سرگرم کار ۳۰ زیر منظوری اور ۱۸ زیر تحقیق ھیں ریاست میں جملہ ۱۰ء۷۵ ملین ھیکٹر زمینات قابل کاشت ھیں بڑی اوسط اور چھوٹی آبپاشی کے تحت نیز نفٹ اریگیشن ذرائع سے ۱۱ ملین ھیکٹر زمینات کی آبپاشی کے امکانات موجود ھیں۔ نہ صرف سطح زمین پر بلکہ زیر زمین پانی کے بھی شاندار وسائل موجود اور استفادہ کے منتظر ھیں۔

بارش کا سالانہ اوسط ۳۷ انچ ہے آبپاشیدہ رقبے کا تناسب دوسری بہت سی ریاستوں کے مقابلے میں یہاں بڑھا چڑھا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں دستیاب بڑے آبی وسائل کا یہ صرف ایک چھوٹا سا جز ہے ۔

'' نئی اسکیمیں ''

ماہ مارچ سنہ ۱۹۷۴ ع کے اختتام تک ۴۳۴ ھیکٹر زمینات کو آبپاشی کے تحت لا ایا گیا۔ جس کے لئے بڑے آبپاشی کی ۶ اور اوسط آبپاشی کی ۱۵ اسکیموں پر ۹۹٫۰۸ کروڑ روپیہ کا خرچ آیا تھا ۔ بڑی آبپاشی کی اسکیمیں یہ تھیں۔ تنگبھدرا کی اونچی سطح کی نہر (پہلا اور دوسرا مرحلہ) تنگبھدرا کی نیچی سطح کی نہر ۔ کرنول کڑپہ نہر کی مرمت ، کڑم پروجکٹ اور وسمادھرا پروجکٹ (پہلا مرحلہ) ۔

ریاست کے پانچویں پنج سالہ منصوبہ میں ۴ ء ۲ لاکھ ھیکٹر زمینات کی آبپاشی کو ممکن بنانے کے لئے بڑی آب پاشی اور اوسط آبپاشی کے اسکیموں کے لئے ۱۱۶٫۳۰ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا تھا۔ منصوبہ کے پہلے ۳ سال میں ۱۹۷۶-۷۷ تک ۱۶٫۷۴ کروڑ روپئے خرچ سے ۳۰۴۲۸ ھیکٹر زمینات کی آبپاشی کرلی گئی۔ خشک سالی کی زد میں آنے والے رقبوں کے ترقیاتی پروگرام کے تحت بھی اوسط آبپاشی کی دو اسکیمیں شروع کی گئیں جن کا خرچ ۳٫۲۸ کروڑ روپئے تھا ۔

منصوبے کے چوتھے سال سنہ ۱۹۷۷-۷۸ ع کے دوران ۳۷۸۲ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا تھا ۔ اس کے علاوہ سوما سیلا پروجکٹ کے لئے ایک کروڑ روپئے اور اوسط آبپاشی اسکیموں کے لئے دو کروڑ روپئے مختص کرلئے گئے تھے جنھیں شامل کرتے ہوئے جملہ خرچ ۴۰۶۸۲ کروڑ روپئے کارہا جس سے ۵۸۱۶۰ ھیکٹر زمینات کی آبپاشی کے امکانات پیدا کرلئے گئے ۔

چھٹے منصوبے کے پہلے سال سنہ ۱۹۷۸-۷۹ ع کے ۴۵٫۴۰ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کرلیا گیا اور اس سے ۱۱۴۷۹۰ ھیکٹر آراضیات کی آبپاشی کے امکانات پیدا کرلئے گئے چھٹے پانچ سالہ منصوبے میں جو اسکیمیں شامل کی گئی ھیں وہ یہ ھیں ۔

'' بڑی آب پاشی کی اسکیمیں ''

وسما دھرا پروجکٹ ۔ پہلا اور دوسرا مرحلہ (ضلع سریکاکلم) نظام ساگر کی مرمت و بہتری (چھٹے منصوبہ کی باقی ماندہ اسکیم) ضلع نظام آباد ، سوما سیلا پروجکٹ ، پہلا مرحلہ (ضلع نیلور) ایلورو ریزروائر (ضلع مشرق گوداوری) سنکور پروجکٹ (ضلع نظام آباد) ٹی ۔ بی ۔ پی ۔ یچ ۔ ایل ۔ سی (مرحلہ دوم) اننت پور)

'' اوسط آبپاشی کی باقی ماندہ اسکیمیں ''

وونی گڈہ پروجکٹ (ضلع سری کاکلم) تھنڈاوا ریزروائر (ضلع وشاکھا پٹنم) کنو پور کنال (ضلع نیلور) گنڈی پالم پروجکٹ (ضلع نیلور) پلی وندلا کینال (ضلع کڑپہ) کاجولی دینے پروجکٹ (ضلع کرنول) گنٹور چیانل اسکیم (ضلع گنٹور) سوارنا پروجکٹ (ضلع عادل آباد) اوگا چٹی واگو پروجکٹ (ضلع محبوب نگر) ۔

'' اوسط آبپاشی کی نئی اسکیمیں ''

رائے واڑہ پروجکٹ (ضلع وشاکھا پٹنم) جنجھاوتی پروجکٹ (ضلع سریکاکلم) کوتم پروجکٹ (ضلع وشاکھا پٹنم) پدنگانم پروجکٹ ، مدوولسا پروجکٹ ، ونگالارایا ساگرم ، سوارنا مکھی اور گومکھی یا ڈنڈیگم پروجکٹ (ضلع سریکاکلم) چیرو پروجکٹ (ضلع کڑپہ) ملارو واگو پروجکٹ (ضلع ورنگل) مکا مامڑی پروجکٹ (ضلع کھمم) وونی واگو پروجکٹ (ضلع عادل آباد) بگولا واگو پروجکٹ (ضلع کریمنگر) پریرو پروجکٹ پہلا مرحلہ (ضلع چتور) یراکالوا پروجکٹ (ضلع مغربی گوداوری) وردا راجہ سوامی گڈی پروجکٹ (ضلع کرنول) ۔

'' خشک سالی علاقوں کے پروگرام کے تحت اسکیمیں ''

ونگالا رایا لفٹ اریگیشن اسکیم (ضلع محبوب نگر) کرشنا پورم پروجکٹ (ضلع چتور) ۔

'' قبائلی ذیلی منصوبے کی اسکیمیں ''

پدا واگو ریزروائر اور تالی پڈو پروجکٹ (ضلع کھمم) کنڈالا واگو پروجکٹ (ضلع کھمم) ست نالا پروجکٹ (ضلع عادل آباد) جیلرو پروجکیٹ (ضلع مغربی گوداوری) مدی گڈہ پروجکٹ (ضلع مشرقی گوداوری) ۔

۱ شامل کوٹا سمر اسٹوریج ریزر وائر کا کام بھی شروع کر دیا گیا تاکہ ناگارجنا فرٹیلائیزس کو پانی کی سربراہی کا انتظام ہو سکے ۔

"متحرک منصوبہ"

اپنے پانچ سالہ پروگرام کے ساتھ سنہ ۷۹-۱۹۷۸ ع کے آغاز سے شروع ہوا جس میں ریاست کی بڑی اور اوسط آبپاشی کی اسکیموں کے لئے ۲۶۱ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا تھا۔ ناگارجن ساگر، سری رام ساگر اور گوداوری بیریج پر عاید ہونے والا خرچ اس میں شامل نہیں ہے۔

رواں سال میں ۱۶۰۰۰ ہیکٹر زمینات کی آبپاشی کے امکانات پیدا کرنے کیلئے ۳۱٫۵۴ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا ہے۔ جس میں یہ پروجکٹ شامل ہیں ومسادھرا کے دو مرحلے (۳٫۰۰ کروڑ روپئے) تنگبھدرا کی اونچی سطح کی نہر، دوسرا مرحلہ (۳ کروڑ روپئے) مرمت نظامساگر (۱٫۰۵ کروڑ روپئے) اور سوما سیلا پراجکٹ پہلا مرحلہ (۷ کروڑ روپئے) اوسط آب پاشی کی ۹ باقی ماندہ اسکیموں کے لئے ۳٫۴ کروڑ روپئے کی گنجائش مہیا کی گئی مزید ۲۲ اسکیموں کیلئے جو پانچویں منصوبے میں باقی رہ گئی تھیں ۱۴٫۹۵ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔

ڈرینیج اور انسداد سیلاب کی اسکیموں کے لئے سنہ ۷۹-۱۹۷۸ سے سنہ ۸۳-۱۹۸۲ ع تک پانچ سال کی مدت کے لئے ۲۰ کروڑ روپئے کا خرچ تجویز کیا گیا۔ اس کے منجملہ دس فیصد کی شرح سے انسداد سیلاب کی اسکیموں کے لئے سالی گنجائش ۲ کروڑ روپئے ہوتی ہے سنہ ۷۹-۱۹۷۸ ع میں ڈرینیج کی اسکیموں کے لئے ۴۵۰ لاکھ روپئے اور انسداد سیلاب کی اسکیموں کیلئے ۳۵ لاکھ روپئے مختص کئے گئے اور اس سال بھی ۳۵ لاکھ روپئے مختص کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ (۱۹) جدید اسکیمیں جن پر ۱۸۰٫۳۸ لاکھ روپئے کا خرچ آئیگا منظور کی گئی ہیں مزید دو اسکیموں کی عمل آوری شروع ہونیوالی ہے جن پر ۸۰ لاکھ روپئے کا خرچ آئے گا۔

"چھوٹی آب پاشی"

مقامی آبی وسائل سے چھوٹے سرمائے اور خرچ کے ساتھ استفادہ کرنے میں چھوٹی آبپاشی اہم حصہ لے سکتی ہے۔ ان ذرائع میں تالاب آبی ذخیرے اور زیر زمینی پانی بھی شامل ہے۔

اس سال چھوٹی آبپاشی کیلئے ۶٫۸۰ کروڑ روپئے کا خرچ مختص کرلیا گیا ہے۔ تجویز ہے کہ چھوٹی آبپاشی کے تحت اس سال مزید ۶۳۰۰ ہیکٹر کے رقبے کا زائد اباکٹ تیار کرلیا جائے۔

قبائیلی علاقوں میں ۳٫۸۲ کروڑ روپئے کے خرچ سے ۲۷۳ اسکیمیں مکمل کرلی گئی ہیں۔ چھٹے منصوبے میں قبائیلی علاقوں کے لئے ۱۹۳٫۶۲ لاکھ روپئے مختص کئے گئے ہیں جن میں سے ۵۲٫۷۱ لاکھ روپئے ریاست کی ذیلی منصوبے سے اور ۰۱٫۵۴ لاکھ روپئے (I.T.D.A.) (آئی۔ٹی۔ڈی۔اے) کی گنجائش سے خرچ کئے گئے اور ۴۵ اسکیمیں مکمل کرلی جا چکی ہیں جس سے ۵۴۴٫۵ ایکڑ زمینات کی آب پاشی کے امکانات پیدا ہو گئے۔

توقع کیجاتی ہیکہ مرکزی حکومت ریاست کے قبائیلی علاقوں میں چھوٹی آبپاشی کے لئے ۴ کروڑ روپئے مہیا کریگی۔ ۱۹۸، اسکیمیں زیر تحقیق ہیں جن پر ۸۸٫۳ کروڑ روپئے کا خرچ آئیگا اور ۲۲۷٫۱۴ ایکر زمینات سیرآب ہو سکیں گی۔

آئی۔ڈی۔اے۔ پراجکٹوں سے متعلق ایک معاہدہ کے تحت ریاست میں زیر زمین پانی کی تلاش اور تحقیق کیلئے سنہ ۱۹۷۱ میں زیر زمین پانی کا ایک محکمہ قائم کیا گیا۔ شروع میں اس کام کا آراضی اور آبی مطالعہ تک محدود رہا۔ سنہ ۱۹۷۴ ع میں اس محکمہ نے آرضیاتی طریقوں سے ڈرلنگ کا کام شروع کیا اور اس کے علاوہ یہ سرکاری محکموں اور سرکاری شعبے کے اداروں کو توسیعی، مشاورتی خدمات بھی فراہم کرنے لگا۔

۹۰۶۰۰ مربع کیلو میٹر کے رقبے میں زیر زمین پانی کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا جس کے بعد جہاں کہیں ضروری پایا گیا ارضیاتی سروے کا کام بھی انجام دیا گیا۔

اس محکمہ کی خدمات چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسی، خشک سالی کے علاقوں کے ترقیاتی پروگرام اور ہریجن ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو مستعار دی گئیں۔ اس محکمہ نے ۱۱۴۰۰ قطعات زمین کی جانچ کی ۶۰۰۰ قطعات زمین کنوؤں کے لئے منتخب کئے گئے۔

اننت پور کے گرینائیٹ والے علاقوں اور ضلع پرکاشم کے فلائٹ والے رقبوں کی اندرونی سطحوں کی تصاویر کی تعبیروں کی مدد سے اوسط اور اعلی گنجائش والے کنویں کھدوائے گئے۔ ۲۰ ترائی کے علاقوں کو زیر زمین پانی کے نکمیلے کی غرض سے پانی کے ذخائر کی جانچ کی گئی۔ محکمہ نے کرشنا گوداوری ڈیلٹا کے جزائر سے بہنے والے پانی کا بھی امتحان کیا۔ اضلاع کھمم، اننت پور، کرنول، ورنگل اور کڑپہ کے چونے کے پتھر والے قبائیلی علاقوں اور خشک سالی کی زد میں آنے والے علاقوں نیز اضلاع مشرق و مغربی گوداوری کے ریتیلے پتھر والے علاقوں میں بھی مطالعہ اور تحقیق کا کام انجام دیا۔ محکمہ نے ۳۰۴ آزمائشی نل، کنویں کھدوائے جن میں سے ۲۸۰ نل کنویں کارآمد ثابت ہوئے اور ان سے ۳۰۰۰ ہیکٹر خشکی زمینات کی آبپاشی ممکن ہوسکی۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ اریگیشن کارپوریشن

قائم کی گئی اس میں دریاؤں ، ندیوں ، تالوں اور نہروں پر لفٹ اریگیشن کی اسکیمیں شروع کیں اور زیر زمین پانی کی تلاش بھی شروع کی - کارپوریشن نے ۹۷٫۵ کروڑ روپئے کے خرچ سے ۶۱ اسکیمیں مکمل کیں اور ۳۳۴۴۰۰۲ ہیکٹر زمینات کی آبپاشی کے امکانات پیدا کردیئے - نل کنوں کو برقیانے کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے جس سے ۱۰۲۹۲ ہیکٹر زمینات کو پانی سربراہ ہو سکے گا - کارپوریشن نے ۲۱۸ لفٹ اریگیشن کی اسکیمیں اور ۱۸۰۰ نل کنوؤں کی اسکیمیں مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جس پر ۶۷ روپئے کا خرچ آئے گا اور خریف کے موسم میں ۱۰۳۸۶۳ ہیکٹر اور ربیع کے موسم میں ۱۰۰۰۰۰ ہیکٹر زمینات کی آب پاشی ہو سکے گی -

کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ

کسی بھی پراجکٹ میں متعلقہ عوام کا اشتراک اس کی کامیابی کے لئے ایک لازمی امر ہے خاص طور پر چھوٹے اور غریب کسانوں کو جو کسی بھی پراجکٹ کے رقبے کی آبادی کا بڑا جزو ہوتے ہیں - تیز تر ترقی کے لئے حقیقی کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے - ہر نئے آبپاشی پراجکٹ کے تحت سیراب ہونے والے علاقے میں چھوٹے اور غریب کسان بھاری تعداد میں پائے جاتے ہیں عاجلانہ ترقی کے لئے پچھلے تجربے کی روشنی میں اور تیاری کے لئے درکار عرصے کو مختصر کرنے کے لئے تری زمینات اور آب پاشیدہ خشکی زمینات کے لئے مقامی فصلوں کے تعین اور پانی کی سربراہی کے انتظام کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی گئی -

اس ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر پراجکٹ سے مستفید ہونے والے علاقے کے لئے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی بورڈ کے نام سے ایک مقتدر مجلس تشکیل دی گئی جس کے صدرنشین متعلقہ وزیر اور اس علاقہ کے متعلقہ ارکان پارلیمنٹ، ارکان اسمبلی، ارکان لیجسلیٹیو کونسل اور صدور محکمہ جات ارکان ہوتے ہیں -

کمانڈ ایریا ڈیولمنٹ پروگرام ۱۹۷۴-۷۵ء میں شروع کیا گیا تھا جس سے آب پاشی کے نئے پیدا شدہ وسائل کے استعمال سے کسان کو کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ فاعدہ پہنچانے میں بڑی مدد ملی ہے - اس سے پراجکٹس کی تعمیر اور ان کے تحت آنے والے علاقوں کی ترقی کے درمیان عرصہ کو گھٹانے میں سہولت حاصل ہو گی - اس پروگرام نے پیدا شدہ امکانات اور عملی طور پر استعمال شدہ امکانات کے فرق کو گھٹا دیا -

ناگارجن ساگر ، سری رام ساگر اور تنگبھدرا پراجکٹوں میں ۱۴ لاکھ ہیکٹر زمینات کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ہیں

پانی کے منصفانہ ، مساویانہ اور کارکرد استعمال اور اس کی گذرگاہ تک پانی کے بہاؤ کی برقراری کے لئے کمانڈ ایریا ، کی طرز کی کوشش ضروری ہے - اس پروگرام سے کسان کے عملی تعاون و اشتراک کے ساتھ کھیتوں کی نالیاں بنانے مدد ملتی ہے - اس میں پانی کے اخراج کے مسائل کا خیال رکھا جاتا ہے - نیز پانی کی ترسیل و تقسیم میں نیز میلانی بہاؤ میں واقع ہونے والے پانی کے نقصان کو گھٹا کر کم سے کم رکھا جاسکتا ہے -

اس طریقہ کار سے زمین اور پانی کے انتظام کے لئے واحد یونٹ کی حیثیت سے کمانڈ ایریا میں زمین کی مناسب اصلاح و ترقی میں مدد ملتی ہے -

اس اسکیم کے تحت زمین کی ترقی اور بہتری کے لئے کسانوں کو قرضے مہیا کئے جاتے ہیں -

اس طریقہ کار میں تربیت اور دوسرے کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے زراعت میں توسیعی کام کی تقویت بھی مہیا کی جاتی ہے - اس سے فصلوں کی پیداوار میں زرعی ضروریات اور قرضہ جات کے حصول میں بھی آسانی پیدا ہوجاتی ہے -

اس طریقہ کار سے کسانوں کے لئے مویشی کی پرورش ، اندرون ملک ماھی گیری اور دودھ کی پیداوار جیسے امدادی پیشے فراہم کرنے میں بھی سہولت ہوجاتی ہے - اس سے ضروری مواصلاتی نظام بھی وجود میں آجاتا ہے - مثلاً آیاکٹ روڈ، مارکٹنگ اور گوداموں کی سہولتیں -

پانی کے غیر موثر انتظام کی وجہ سے نئے پراجکٹوں کے تحت آنے والے رقبوں کی تیز تر ترقی میں رکاوٹیں پیش آتی رہی ہیں اور خاص طور پر چھوٹے اور غریب کسانوں کو ہمہ جہتی تنظیم کی غیر موجودگی کے باعث پورے فواعد نہیں پہنچ رہے تھے - کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ پروگرام میں ان نقائص کو دور کردیا گیا ہے - اور کسانوں کے ان کمزور طبقوں کو پانی اور دیگر سہولتوں کا حصول یقینی ہو گیا ہے -

وارا بندی سسٹم

یقینی آب پاشی اور فصلوں کی مناسب تنظیم کی خاطر وارابندی سسٹم کا احیاء کیا گیا - عملی طور پر اب کمانڈ ایریا کسانوں کو آب پاشی کیلنڈر حاصل ہے جو آخری اور اختتامی مرحلے تک بھی ان کی رہبری کرسکتا ہے -

اس نظام نے آب پاشی کے غیر قانونی استعمال پر کافی روک لگادی ہے اور پانی کے استعمال میں نظم وضبط پیدا کردیا ہے -

وارا بندی سسٹم میں کسان خود ہی آب پاشی کاروائیوں کی خاکہ بندی اور نگرانی کراتے ہیں - حکومت کی جانب سے له

صرف پائپ کے پاس پانی کے منصوبہ بند اخراج کی نگرانی کی جاتی ہے اور آب پاشی کا پروگرام مرتب کردیا جاتا ہے۔

اس نظام پر سب سے پہلے سری رام ساگر پراجکٹ کے تحت ۷۰۵ ایکڑ کے رقبے میں اس سال تجربتاً عمل کیا گیا - جس سے ۵۵۶ کسان متعلق تھے - اس تجربے کی کامیابی اتنی حوصلہ افزا رہی کہ حکومت نے چار منتخب کمانڈ ایریا زمین ۲۵ ہزار ایکر زمینات تک اسے توسیع دی جس سے ۱۲ ہزار کسان اس کے فیض کے دائرے میں آگئے - آئندہ برسوں میں اسے بتدریج بڑھا وا دیا جائے گا -

کمانڈ ایریا کا طریقہ کار اختیار کرنے کے لئے اب تک ۱,۳۶,۷۱۸ ہیکڑ اراضیات کا سروے کرلیا گیا اور ۹۸,۸۱۷ ہیکڑ زمینات کے لئے اس کے منصوبے مرتب کرلئے جا چکے ہیں۔ اس طریقہ کار کے ذریعہ ۴۷,۱۷۸ ہیکڑ اراضیات کو ترقی دے لی گئی ہے -

ان علاقوں میں زرعی ترقیاتی بنکوں کے علاوہ تجارتی بنک بھی قرضہ جات کی امداد فراہم کرتے ہیں - ریاستی حکومت نے ان کسانوں کو قرضوں کے حصول میں مدد دی ہے جن کی حقیقت وملکیت میں کچھ نقص تھا یا جو مقبول ضمانت مہیا کرنے سے قاصر تھے یا چھوٹے باقی دار تھے - حکومت نے انہیں ترقیاتی کاموں کے لئے رقمیں حاصل کرنے کے قابل بنایا ہے۔ ایک خصوصی مد قرضہ قائم کیا گیا ہے جس میں مرکزی حکومت ریاستی حکومتیں اور اگریکلچرل ریفینانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن ۲۵-۲۵-۵۰ کے تناسب میں مالیہ مہیا کرتے ہیں -

ان علاقوں میں چھوٹے کسانوں اور غریب کسانوں کو بھی اراضیات کی ترقی کے لئے ترتیب وار ۲۵ فیصد اور ۳۳٫۳ فیصد امداد دی جاتی ہے۔ تکیلی اور ملوثی زمینات کو قابل کاشت بنانے نیز باولیوں کی کھدائی کے لئے بھی امداد منظور کی جاتی ہے۔

زمینات کی ھمواری اور سہواری کا کام پہلی دفعہ وسیع پیمانہ پر شروع کیا گیا ہے اور کام انجام دینے والوں کو خصوصی تربیت بھی دی جارہی ہے -

سری رام ساگر کمانڈ ایریا میں موضع چلکال میں ایک ٹریکٹر ٹریننگ سنٹر بھی کام کررہا ہے۔ درج فہرست ذاتوں ، قبائل اور پسماندہ طبقوں کے افراد کومعقول اور منصفانہ تناسب میں نمائندگی دی گئی ہے -

ٹی - اینڈ وی سسٹم (تربیت و دورہ سسٹم)

منتخب کمانڈایریا زمین تربیت اور دورے کا ایک طریقہ بھی شروع کیا گیا ہے جس کے تحت آئندہ سال تک ۳۶،۰۱ لاکھ ہیکڑ زمینات کو ترقی دے دی جائیگی اور ۸ لاکھ زراعت پیشہ خاندان فیض یاب ہوں گے -

وسیع زرعی توسیع پروگرام (آئی اے ای پی) کے مفید اثرات و نتائج اضافہ پیداوار اور فصلوں کی کٹائی کے تجربوں کی شکل میں نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

آب پاشی اور فصلوں کے امکانات میں اضافے کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ضروری بنیادی سہولتوں مثلاً سڑکوں ، مارکٹ احاطوں نیز کیڑا مار دواؤں ، اعلی پیداواری بیجوں اور فرٹلائزرز جیسی زرعی ضروریات کی فراھمی کو بھی اولیت دی جاتی ہے -
سری رام ساگر پراجکٹ کے علاقے میں سنہ ۱۹۷۳ ع میں ۲٫۷۵ لاکھ ایکڑ آراضیات پر حاوی ۳۶۰ کیلو میٹر طویل سڑک کا منصوبہ بنایا گیا تھا - جسکا تقریباً نصف حصہ مکمل ہو چکا ہے -

اسی طرح ناگارجن ساگر کمانڈ ایریا میں بھی ۱۵۷۵ کیلو میٹر طویل سڑکوں کی تعمیر ۱۶۴۳۵ کروڑ روپئے کے مجوزہ خرچ سے شروع کی گئی ہے۔ ان کی منصوبہ بندی اس طرح کیجاتی ہے کہ کوئی موضع کسی بھی بڑی سڑک سے چار کیلو میٹر سے زیادہ فاصلے پر نہ رہے۔ آرمور ، مٹ پلی ، کورٹلہ ، کریم نگر اور پدا پلی میں جو سری رام ساگر سے فیض یاب ہونے والے علاقے میں شامل ہیں اور اسی طرح ناگارجن ساگر کے علاقے میں مریال گوڑہ ، کوداڑ ، حضور نگر ، جگیا پیٹھ ، نندی گاما ، گنٹور ، نرسا راؤ پیٹ ، ماچرلہ ، پلہ گورال اور وینو کونڈہ میں مارکیٹ یارڈ قائم کئے جا رہے ہیں جو پلاٹ فارموں ، سڑکوں اور دفاتر کی عمارت سے لیس ہیں -

مویشی کی بیماریوں کی روک تھام اور ان کے چارے اور خوراک میں بہتری پیدا کرنے کیلئے مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں تاکہ ان علاقوں کے چھوٹے اور غریب کسانوں کو مدد ملے -

" بجلی "

صنعتی ترقی کے لئے بجلی ایک بنیادی ضرورت ہے نیز زراعت کی ترقی اور اسکی ضمنی سرگرمیوں کے لئے بھی یہ اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگرچہ آندھرا پردیش میں کوئلے کے وسیع ذخائر کی موجودگی کی وجہ سے برق قوت کی پیدائش کے وسیع امکانات حاصل ہیں اور یہاں برقابی قوت کی پیدائش بھی وسیع پیمانے پر ممکن ہے۔ لیکن پہلے پانچ سالہ منصوبے کے آغاز پر یہاں صرف ۴۳،۱

میگاواٹ برق کی پیدائش کی صلاحیت حاصل تھی اور برق کا فی کس اوسط صرفہ صرف ۲۰ء۲ کیلوواٹ تھا۔ ریاست میں صرف ۶۲۰ زرعی برق سلسلے قائم تھے اور صرف ۱۹۷ دیہات اور قصبے برق قوت سے مستفید ہو رہے تھے۔

چوتھے منصوبے کے دوران برق صلاحیت میں صرف ۶۲٫۵ میگاواٹ کا اضافہ کیا جا سکا جسکے بعد برق قوت کی صلاحیت مارچ سنہ ۱۹۷۴ ع تک بڑھ کر ۶۶۸ میگاواٹ ہو گئی۔

برق صلاحیت میں نمایاں ترقی پانچویں منصوبے کے دوران ہوئی جو مارچ سنہ ۱۹۷۹ ع تک بڑھ کر ۱۶۷۸ میگاواٹ تک پہنچ گئی۔

سنہ ۱۹۷۴ ع کے بعد سے برق صلاحیت میں ۱۰۱۰ میگاواٹ کا اضافہ کر لیا گیا۔ یہ ترقی حسب ذیل تین برق قوت گھروں کے چالو ہوجانے سے ممکن ہو سکی۔

کتہ گوڑم، تیسرا اور چوتھا مرحلہ۔(۴۴۰) میگاواٹ

اپر سیلرو۔ پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا یونٹ (۴۶۰ میگاواٹ)۔

ناگرجنا ساگر کا پہلا یونٹ۔(۱۱۰ میگاواٹ)۔

پچھلے پانچ سال کے دوران یہ ترقی ۱۵۰ فیصد رہی۔ ریاست میں حراری یونٹوں اور برقابی یونٹوں کے ذریعہ برق قوت کی پیدائش تقریباً مساوی یا متوازن ہے جب کہ حراری یونٹوں سے ۸۴۰ میگاواٹ اور برقابی یونٹوں سے ۸۳۸ میگاواٹ برق قوت حاصل ہو رہی ہے۔

اس ماہ کے اختتام تک وجئے واڑہ تھرمل اسٹیشن کا پہلا یونٹ کام شروع کردیگا اس اسٹیشن کی صلاحیت ۲۱۰ میگاواٹ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ناگرجن ساگر پہلے مرحلے پر اس سال ۱۰۰ میگاواٹ برق قوت پیدا ہو گی۔

وجئے واڑہ تھرمل اسٹیشن کے جزو یونٹوں ناگرجن ساگر کے پمپ شدہ ذخیرے کے پہلے یونٹ سے اس سال کے اختتام سے پہلے ترتیب وار ۲۰۴ میگاواٹ اور ۱۰۰ میگاواٹ برق قوت حاصل ہونے لگے گی۔

سنہ ۸۱ - ۱۹۸۰ ع کے دوران ناگرجن ساگر کے پمپ شدہ ذخیرے کے دوسرے اور تیسرے یونٹوں سے مزید ۲۰۰ میگاواٹ برق قوت مہیا ہو گی سنہ ۸۲ - ۱۹۸۱ ع میں سری سیلم ھائیڈرو الکٹرک اسکیم سے ناگرجن ساگر کے پمپ شدہ ذخیرے چوتھے یونٹ سے بالی میلہ پر واقع آندھرا پردیش پاور ھاؤس سے اور ڈونکارائی کنال کے پاور ھاؤس سے بھی مزید ۴۰۰ میگاواٹ برقی قوت کا اضافہ ہو گا۔

۱۹۸۲-۸۳ع کے دوران سری سیلم اسکیم کے تیسرے اور چھوتھے یونٹ اور اس کا دوسرا مرحلہ اور ناگارجن ساگر کے دائیں کنارے کا قوت گھر اپنے دو یونٹوں کے ساتھ مزید ۵۰۰ میگاواٹ کا اضافہ کردیگا۔ اس طرح برق قوت کی پیدائش کے مجموعی صلاحیت ۳۲۳۵ میگاواٹ ہوجائیگی۔

مرکزی شعبہ میں رام گنڈم سوپر تھرمل اسٹیشن کے پہلے مرحلے سے ۱۱۰۰ میگاواٹ برق قوت پیدا ہو گی جس سے ریاست میں تقریباً ۴۰۰ تا ۵۰۰ میگاواٹ برق قوت پیدا ہو گی جس سے ریاست کو تقریبا ۴۰۰ تا ۵۰۰ میگاواٹ برق حاصل ہونے کی توقع کی جاتی ہے۔

چھٹے منصوبہ میں برق قوت کی ترقی پر ریاست کا خرچ ۷۹۲ کروڑ روپیے تک پہنچ جائیگا جو پچھلے منصوبہ کے مقابلہ میں دگنا ہے۔

ریاست میں اس وقت برق قوت کی مانگ ۱۰۶۰ میگاواٹ کی ہے جس کے مقابلے میں نصب شدہ صلاحیت ۱٫۶۷۸ میگاواٹ کی ہے توقع کی جاتی ہے کہ ۱۹۸۲-۸۳ع تک یہ مانگ ۱۹۰۷ میگاواٹ تک پہنچ جائے گی اور اس وقت تک نصب شدہ گنجائش بھی بڑھ کر ۳٫۲۳۵ میگاواٹ ہوجائیگی اس طرح بہت سی نئی صنعتوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فاضل برق قوت وافر مقدار میں حاصل ہوسکے گی۔

بھدرا چلم پاور اسٹیشن کے پہلے مرحلے (۴۲۰ میگاواٹ) ناگرجوناساگر کے پمپ شدہ ذخیرے کے تیسرے مرحلے (۳۰۰ میگاواٹ اور پوچم پاڈ ھائیڈرو الکٹرک اسکیم (۲۷ میگاواٹ) سے متعلق پراجکٹ رپورٹیں زیر منظوری ھیں

برق قوت کی پیدائش کی صلاحیت میں اضافہ کرلینا ھی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ برق قوت کی ترسیل اور تقسیم کی سہولتوں کو بھی ترقی دینا ہوگا۔

جاریہ سال میں ۱۷۳ کروڑ روپیہ برق کی پیدائش کی اسکیموں پر خرچ کئے جائینگے جبکہ ترسیلی لائنوں پر ۳۰ کروڑ روپیہ اور برق کی تقسیم اور دیہات کی برق کی فراھمی پر ۲۵٫۶۵ کروڑ روپیہ صرف کئے جائینگے۔

عظیم الشان برق آبی پراجکٹوں اور حراری برق قوت گھروں کی تعمیر سے ایک قومی برقی حلقہ کی بنیاد پڑے گی جس سے پیداشدہ برق قوت کارکردگی کے ساتھ استعال کی جاسکے گی۔

اس مقصد کے تحت ریاستی برق بورڈ نے رام گنڈم اور منوگورو کے درمیان نیز کتہ گوڑم اور وجئے واڑہ کے درمیان ۴۰۰ کیلوواٹ کی دو لائین تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

نیشنل تھرمل/ کارپوریشن ۴۰۰ کیلو واٹ کی چار لائنس رام گنڈم تا حیدرآباد حیدرآباد تو ناگارجن ساگر ، ناگارجن ساگر تا کڑپہ تا اور کڑپہ بنگلور تعمیر کریگی ۔

حیدرآباد ، رام گنڈم ، منوگورو اور ناگارجن ساگر پر ۴۰۰ کیلو واٹ کے ذیلی اسٹیشنوں کی تعمیر کا منصوبہ بھی بنایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ چار بین ریاستی ترسیلی لائنوں کی تعمیر کی بھی تجویز ہے جو حیدرآباد تا شاہ آباد لوئر سیرو تا برسور (مدھیا پردیش) رام گنڈم تا چندرا پور (۲ سرکٹ) اور وجئے واڑہ نیلور ،مدراس لائنس ہوں گی ۔

۲۲۰ کیلوواٹ اور ۱۳۲ کیلوواٹ کی ترسیلی لائنس چوطرف پھیلی ہوئی ہیں جن کی مجموعی لمبائی ۵۰۳۰ کیلو میٹر ہے۔ آئیندہ منصوبے میں ان میں قابل لحاظ اضافوں کی تجویزیں ہیں ۔ جاریہ سال کے لئے ۳۰ کروڑ روپیہ کی گنجائش فراہم کی گئی ہے جب کہ ۱۹۷۸ع سے ۱۹۸۳ع تک کے پانچ سالہ ریاستی منصوبے میں ۱۷۷ کروڑ روپیے کا خرچ تجویز کیا گیا ہے۔

ریاست کے دیہات میں برق قوت کی فراہمی ایک سماجی ذمہ داری کی حیثیت سے بڑے پیمانے پر عمل میں آرہی ہے۔ ۱۹۵۱ع میں ریاست کے ۲۷۲۳۱ مواضعات میں صرف ۱۹۷ مواضعات اورقصبے برق قوت سے مستفید ہورہے تھے اور اب ۱۵۰۴۹ مواضعات اور ۶۳۰ قصبوں میں برق قوت پہنچ چکی ہے ۔ اس وقت برق قوت سے مستفید دیہات کا تناسب ۵۶٫۹ فیصد اور دیہی آبادی کا تناسب ۸۲ فیصد ہے ۔

برقائے ہوئے کنوؤں کی تعداد جو ۱۹۵۱ع میں صرف ۶۲۰ تھی اب ساڑھے تین لاکھ ہے۔ اس میدان میں مہاراشٹرا اورتاملناڈو کے بعد ریاست آندھرا پردیش کو تیسرا مقام حاصل ہے۔

دیہات میں برق قوت کی فراہمی کے لئے مالیہ میں تیزی کےساتھ اضافہ کیا جارہا ہے۔ اور توقع کی جاتی ہے کہ اس سال ۴۴ کروڑ روپیے خرچ کئے جائینگے ۔

دیہی برق اسکیموں میں سرمایہ کاری کا بدل بہت تھوڑا حاصل ہورہا ہے جو متوقعہ ۱۰ فیصد کے مقابلے میں ۲٫۵ فیصد ہے۔لیکن دیہی برق کارپوریشن (آر ۔ ای ۔ سی) نے اپنی سماجی ذمہ داری کو منافع سے بالاتر رکھا ہے۔

دیہات میں برق

دیہات میں برق قوت کی فراہمی کے لئے دیہی برق کارپوریشن اور زرعی و دیہی ترقیاتی کارپوریشن کی رقوم ریاستی حکومت معقول مالیہ فراہم کرتی ہے ۔

اس سال ۱۰۲۰ سے زیادہ مواضعات اور ۹۰۳ قرضہ جات ۴۰ ہزار زرعی پمپ سٹیون کو برق قوت مہیا کردی جائے گی۔

اوسط مدتی منصوبے میں ۳۳۴۷ مواضعات کو برق قوت سے مستفید کیا جائے گا ۔ اور دو لاکھ پمپ سٹیون کو برق قوت مہیا ہو گی ۔ اس مقصد کے لئے ۲۴۴ کروڑ روپیہ خرچ کئے جائینگے اور مارچ ۱۹۸۳ع تک ۱ [illegible] د مواضعات برق سے فیض یاب ہوں گے۔

دیہی برق کارپوریشن نے مارچ ۱۹۷۹ع تک ۲۰۸ ، اسکیمیں منظور کی ہیں جو ۶۸۸۰ مواضعات ، ۲۵۷۷ قرضہ جات اور ۱۰۳۸۵۷ پمپ سیٹوں پر حاوی ہیں ان پر ، ۹۲٫۷۵ کروڑ روپیے خرچ آئے گا ۔

اقل ضرورتوں کے پروگرام کے تحت قبائیلی علاقوں کو برق قوت سے بتدریج مستفید کیا جارہا ہے۔ قبائیلی علاقوں سے متعلق پانچویں منصوبے میں آندھرا پردیش کے لئے ۵ کروڑ روپیہ مختص کئے گئے تھے۔ ریاست ۱۱٫۹۵ کروڑ روپیہ کے خرچ سے ۲۶ اسکیمیں روبہ عمل لائی جارہی ہیں۔ جو ۵۰۳ قبائیلی مواضعات اور ۱۵۲۹ پمپ سیٹوں پر حاوی ہیں ۔

ریاست آندھرا پردیش خصوصی زرعی پروجکٹ اسکیم (ایس ۔ پی ۔ اے) سے بھی استفادہ کررہی ہے۔ اس منصوبہ کے تحت ۱۸٫۵۹ لاکھ روپیہ کے خرچ سے ۴۷ اسکیمیں منظور کی جاچکی ہیں جو ۱۵۰۱ مواضعات اور ۳۴۹۱۷ پمپ سیٹوں پر حاوی ہیں مزید ۳۶ اسکیمیں زیر منظوری ہیں جو ۱۱۹۷ مواضعات اور ۱۹۲۷۸ پمپ سیٹوں پر حاوی رہیں گی منصوبے کے مالیہ کے علاوہ ریاست نے ۱۹۷۷-۷۹ع کے دوران ۶ نکاتی نارمولے کے تحت خصوصی امداد کے مالیہ سے ۱۶٫۷۱ کروڑ روپیہ خرچ کئے جس کے تحت ۷۹۳ مواضعات اور ۶۸۷۶ پمپ سیٹوں کو برق سلسلے مہیا کئے گئے اور ۵۰ ذیلی اسٹیشن کھولے گئے تاکہ وولٹیج کی سطح متوازن اور مستحکم رہے ۔

موجودہ پالیسی میں اصل مواضعات کے ساتھ ساتھ ہریجن واڑوں کو بھی برق قوت سے مستفید کرنے کی شرط رکھی گئی ہے۔ ۱۲۶۹۵ مواضعات کے منجملہ ۱۱۹۷۹ ہریجن واڑوں کو بھی برق قوت مہیا کی گئی بقیہ ہریجن واڑوں کو بھی مستفید کرنے کے لئے خصوصی مالی گنجائش مہیا کی گئی تاکہ اس کام کے لئے ایک پروگرام شروع کیا جاسکے ۔

دیہی برق کارپوریشن کے مالیہ سے جو پروگرام چلائے جارہے ہیں ان میں کمزور طبقوں کو بھی ان کا مناسب حصہ دیا جارہا ہے ریاستی منصوبہ میں مواضعات کو برق قوت مہیا کرنے کے لئے ۸۰ لاکھ روپیہ کی گنجائش مہیا کی گئی اور درجہ فہرست ذاتوں اور قبائیل کو مستفید کرنے کے لئے ۵۰ لاکھ روپیہ مختص کئے گئے ۔

اس سال تقریباً ۱۸۰۰ ھریجن واڑے برقی قوت سے فیض یاب ہونے لگیں گے۔ زرعی و دیہی ترقیاتی کارپوریشن کے قرضہ جاتی اسکیم سے حاصل کئے ہوئے قرضے ۷۰۰۰ ھ پمپ سیٹوں کو برقیانے کے لئے استعمال کئے گئے جس پر ۹۲ء ۱۸ کروڑ روپیہ کا خرچ آیا۔

آندھرا پردیش کے ریاستی برقی بورڈ نے مصیبت زدہ صارفین کو بھی امداد پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اضلاع کرشنا و گنٹور کے طوفان زدہ علاقوں میں تعمیر ہونے والی کالونیوں کو بھی معاوضہ کے بلالحاظ برقی قوت فراہم کی جارہی ہے۔

زیادہ برق اور بہتر خدمت

اس طرح ریاستی حکومت زیادہ برقی قوت مہیا کرتے ہوئے آندھرا پردیش اور اس کے دیہی عوام کی بہتر سے بہتر خدمت انجام دینے کی راہ پر ثابت قدمی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس کے علاوہ صنعتی اور زرعی شعبوں کے لئے بھی برقی قوت کی ترقی کے لئے عظیم اقدامات کے لئے ریاست ہر طرح تیار ہے۔ وشاکھا پٹنم کا اسٹیل پلانٹ رام گنڈم، وشاکھاپٹنم اور کاکناڈا کے کھاد سازی کے کارخانے کیمائی مرکبات اور سمنٹ کے کئی کارخانے، جست اور تانبہ پگھلانے کے کارخانے اور اسی قبیل کی بہت سی دوسری مہمیں ریاست کی روز افزوں معاشی ترقی کو یقینی بنارہی ہیں۔

* * *

ایم۔ طاہر رومانی

غزل

ظلم و بیداد کی بنیاد ہلادی جائے — جو بھی مجرم ہو اسے سخت سزاؑ دی جائے

عظمت زیست زمانے کو دکھا دی جائے — شمع اخلاص کی ہر سمت جلا دی جائے

ایک ہنگامہ ہے یا عالم نفسا نفسی — دوست ایسے میں بھلا کس کوصدا دی جائے

بات جب ترک روایات تک آ پہونچی ہے — کیوں نہ فرسودہ ہراک رسم مٹا دی جائے

پیار و اخلاص کے لہجے کا سہارا لیکر — دل کی آواز سے آواز ملادی جائے

درد تو درد ہے، اپنا ہو کہ بیگانوں کا — اپنے احساس کے شعلوں کو ہوا دی جائے

میں زمانے سے ہوں اور مجھ سے زمانہ طاہر
کیسے کم دوں کہ زمانے کو سزاؑ دی جائے

* * * *

ایس۔ ایم۔ عباس

مجاز اور ترغیب آزادی

ترقی پسند تحریک اور علی گڈھ آزادی کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں ہو سکتے ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر جو ہستیاں ادب کے افق پر ابھریں اور آسمان ادب پر چھا گئیں ان میں مجاز کا نام ادب و احترام سے لیا جائیگا۔

جب بھی آدمی کو آلام حیات نے گھیرا ہے، اس کے دل پر چوٹ پڑی ہے اس نے کچھ سوچا ہے۔ اس کے جذبات ابھرے ہیں اور آہیں چیخ بنکر آنکھوں سے ٹپک پڑی ہیں اور ان ہی آہوں ان ہی آنسوؤں سے ادب کی ابتداء ہوئی ہے۔ ہندی کے مشہور شاعر سمترا نندن پنتھ نے کہا ہے۔

بیوگی ہوگا پہلا کوی
آہ سے اونچا ہوگا گان
بہہ چلی ہوگی کویتا انجان !

یعنی شاعری جذبات کے اظہار کا آلہ بنی۔ اسی لئے شیلی نے "شعر کو تخیل کی زبان کہا"، ورڈس ورتھ کے لفظوں میں "شعر انسان اور فطرت کا عکس حسین ہے"، اور علامہ اقبال نے "معجزۂ فن کی نمود کو "خون جگر" سے بتایا ہے۔

اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فنکار کے مشاہدات، احساسات خیالات و نظریات کو اس کے فن سے گہری نسبت ہوتی ہے، ایسی ہی نسبت جیسی پھول اور خوشبو میں ہے۔ ادیب یا شاعر اپنے دور میں جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اسی کے ساتھ جن سماجی ضرورتوں اور مسائل زندگی کے بارے میں وہ غور کرتا ہے اسے بھی وہ ادب کے شہ پاروں میں سمو دیتا ہے۔ ادب کے دل کش پیکر میں وقت، حالات، اور واقعات کی نبضیں کبھی مدھم، کبھی تیز رفتاری سے سنائی پڑتی ہیں۔ عصر جدید کے شاعر نے دیکھا افلاس و غربت کا تماشہ، بھوک سے نڈھال جسم۔ اترے ہوئے چہرے۔ نمناک آنکھیں، اس نے سنا لامحدود دلوں کی آہ و بکا۔ غریبوں کی فریاد مظلوموں کے قلب و جگر سے اٹھتے ہوئے طوفانوں کا شور، اس نے محسوس کیا سرمایہ‌داری و افلاس کی کشمکش، نیچ اور اونچ، رنگ و نسل کے امتیازات، انسان پر انسان کا اقتدار۔ بڑوں کا چھوٹوں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک، اور وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ اس کا دل کچھ اور چاہتا ہے مگر حالات کچھ اور کہتے ہیں۔ یہ گھٹن یہ چبھن و کرب ملاحظہ ہو۔

کوئی نغمہ تو کیا اب مجھ سے میرا ساز بھی لے لے
جو گانا چاہتا ہوں آہ وہ میں گا نہیں سکتا !

گو رومانیت مجاز کے وجود میں رچی بسی ہے۔ وہ فطرت کے رنگین و پر شوق نظاروں میں کھو جانا چاہتا ہے۔ چشم مخمور کے چھلکتے جام اسے دعوت دیتے ہیں اور وہ ان تقاضوں پر جھک جاتا ہے لیکن پھر بھی وقت اور حالات کے تقاضے اس سے فراموش نہیں ہوتے۔ نیاز فتح پوری کے لفظوں میں —

رومانیت کی روح دنیا سے کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور پائی جائیگی . . . اگر ایسا نہ ہوتا تو عمر خیام کی رباعیاں، شیلے، کیٹس کی نظمیں، شکسپیر کا "رومیو جیولیٹ"، کالی داس کا "شکنتلا"، اور میگھ دوت اور حافظ و غالب کی غزلیات کبھی کی اس دنیا سے ناپید ہو جاتیں —— محبت بھی اور حقیقتوں کی طرح ایک زندہ اور نا قابل فراموش حقیقت ہے اور دنیا کی ہر زبان عالیہ کا موضوع عموماً محبت ہی رہا ہے۔

—— یہ کہنا غلط ہے کہ رومانیت زندگی سے فرار کا نام ہے رومانیت بجائے خود ایک حقیقت زندگی ہے تو پھر زندگی سے فرار کیا معنی؟ عصر حاضر کی شاعری خواہ وہ انقلابی ہو یا رومانی حقیقتوں کے انمول رتن کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔

یوں مجاز کو رومانی شاعر کہا جاتا ہے مگر اس کا رومان اپنے ڈھنگ کا منفرد ہے۔ یہ کلام پر تاریکی کی ہلکی‌دھند بھی نہیں ڈالتا بلکہ ایک صاف شفاف روشنی بخشتا ہے۔ اپنے ہمعصروں میں وہ مشترک بھی ہے منفرد بھی، وہ ہر چیز کو اپنے انداز سے دیکھتا ہے اور اس کا طور و انداز جداگانہ ہے، ساحل مانک پوری کے الفاظ میں——

. . . جب اس نے سماجی حیثیت کا ادراک کیا تو اسے تبدیل کرنے کی بھر پور کوشش کی اور اس طرح اپنی شاعری میں ایک ایسی دل نشین خارجیت پیدا کردی اور ایک ایسے بیانیہ عنصر کی آمیزش کی جس نے اسکی رومانیت کو تاریک اندیشی سے بچا لیا۔ (۱)

مجاز نے جو کچھ دیکھا ہے بہت نزدیک سے، جو سنا ہے بہت قریب سے، اور جو محسوس کیا ہے شدت کے ساتھ، اسی لئے اکثر اس کے کلام میں شدت کا اثر آ گیا ہے وہ جذبات سے

(۱) مجاز اور رومانس۔ ساحل مانک پوری، پاسبان، چنڈی گڈھ جولائی سنہ ۶۷ع صفحہ ۲۲ —

بےتاب ہو گیا ہے اور ایک چیخ سی اس کے منہ سے نکل پڑی ہے یہ شدت جذبات ملاحظہ ہو —

پھینکدے اے دوست اب بھی پھینکدے اپنا رباب
اٹھنے ہی والا ہے کوئی دم میں شور انقلاب !

سجاد ظہیر کے الفاظ میں —

" . . . . ان کی شاعری زندگی کے حقائق پر اپنی بنیاد رکھتی ہے یہ رباب کے تاروں کو چھیڑ کر جذبات کے طلاطم خیز مادے سے اس طلسماتی دنیا کی تعبیر کرتی ہے۔ جہاں ادراک پر سے تعصب کے پردے جہالت کے پردے ہٹنے لگتے ہیں - جہاں با منطق اور با عمل جد و جہد سے وجد اور کیف پیدا ہوتا ہے اور جہاں ذاتی مسرتیں اور رنج و کاوش وسیع تر حقائق کے اجزا معلوم ہوتے ہیں مجاز صرف رومان پرست نہیں بلکہ بغاوت کرنے کی بھی ہمت رکھتا ہے ایسے میں مجاز کا سماجی شعور رومانیت کے تمام پردوں کو چاک کر کے باہر نکل آتا ہے . . . . . وہ حرکت اور تغیر کے ساز پر گانا زیادہ پسند کرتا ہے اس کا انداز رومانی ہونے کے باوجود زندگی کے حقائق سے دست و گریباں ہے - " (۱)

گو " آوارہ " ایسی نظم کا خالق بری صحبتوں میں پڑ کر جام ، مئے و مینا کا شکار ہو گیا - نادان دوستوں نے اسے آوارہ بنادیا لیکن وہ شاید زبان حال سے کہتا رہا " دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں " خود کثافت میں مبتلا رہا مگر کبھی کلام کو کثافت میں مبتلا نہیں ہونے دیا - بلکہ ہمیشہ عروس سخن کے گیسوؤں کو اپنی نوک پلک سے سنوارنے کی جستجو کی - ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کے لفظوں میں —

" مجاز ترقی پسند ہونے کے باوجود ترقی پسندی کی قابل نفر روایات پر عمل نہ کر سکے ان کی شاعری میں نہ تو عریانیت ہے نہ جنسی بےراہ روی ، نہ ادبی گمراہی - وہ ترقی پسند نظریات سے متاثر ہو کر ضرور آوارہ ہو گئے لیکن اپنی شاعری کو آوارہ نہیں ہونے دیا - " (۲)

مجاز کے یہاں جہاں شیرینی و رنگینی ہے وہیں تحریک انقلاب اور جذبہ آزادی و حریت بھی ہے اسی انقلاب ، اسی جذبہ حریت نے مجاز کو تمام عمر مضطرب و بے چین رکھا - اس کے اندر آزادی کی آگ سلگتی رہی - انقلاب کا شعلہ بھڑکتا رہا اور ایک غم مستقل نے اس کے دل میں وحشت کی جگہ لے لی وہ " ناشاد و ناکارہ " شہر کی " سڑکوں " پر " آوارہ " پھرنے لگا -

---

(۱) دیباچہ آہنگ سجاد ظہیر
(۲) تعارف تاریخ اردو ، شجاعت علی سندیلوی

شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں
جگمگاتی جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی ہے کب تک در بدر مارا پھروں
اے غم دل کیا کروں ، اے وحشت دل کیا کروں

مجاز نے اپنی دلی کیفیات و قلبی واردات کو بہت ہی کھلے اور صاف الفاظ میں پیش کیا ہے۔ یقینی طور پر " آوارہ " داخلیت اور خارجیت کا ایک حسین امتزاج ہے - شاعر کا جذبہ انقلاب و بغاوت اس نظم میں انتہائی عروج پر پہنچ گیا ہے بلکہ وہ اس مقام پر ہے جہاں جذبات سے وہ مغلوب ہو چکا ہے۔ اس کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا ہے۔ دل بےقابو ہے۔ ذہن میں ہیجان و اضطراب کا بحران ہے وہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ کیا کرے۔ کہاں جائے ؟ اس کے غم کا مداوا کہاں ملے گا - اس درد کا درماں کیا ہے ؟ ؟

دل میں اک شعلہ بھڑک اٹھا ہے آخر کیا کروں
میرا پیمانہ چھلک اٹھا ہے آخر کیا کروں
زخم سینے کا مہک اٹھا ہے آخر کیا کروں

اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں

اف ! سرمایہ‌دارانہ نظام کی بہیمیت اور درندگی - حکومت کا رعب و جلال ، کھلی ہوئی دست درازیاں ، انسان پر انسان کے بے پناہ مظالم ، نئی تہذیب کے پردے میں کھلی ہوئی لوٹ مار ، خون ریزی و غارتگری مجاز کا حساس دل اسکی تاب نہ لا سکا - اس نے ہم وطنوں کو للکارا اور انقلاب کا کھلا ہوا نعرہ بلند کر دیا —

بڑھ کے اس اندر سبھا کا ساز و ساماں پھونک دو
اس کا گلشن پھونکدو ، اس کا شبستاں پھونک دو
تخت سلطاں کیا ہے ، سارا قصر سلطاں پھونک دو

اے غم دل کیا کروں ، اے وحشت دل کیا کروں

مجاز کے وجود میں برق کی سی تڑپ اور شعلے کی سی لپک وہ آزادی کیلئے بیچین ہے اور سماج کے فرسودہ اصولوں سے بغاوت پر آمادہ ہے۔ غلامی کی آہنی زنجیر اس کے لئے لعنت ہے اس کا بار اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ ترکی کی مشہور سیاست داں خاتون خالدہ ادیب کی آمد پر مجاز نے جو نظم پیش کی اس میں یہ دلی جذبات ابھر کر سامنے آئے ہیں شاعر اپنی حالت زار پر کتنی حسرت سے کہتا ہے —

ہاں بتا دے ہم کو بھی اے روح ارباب نیاز
کس طرح مٹتا ہے آخر رنگ و خوں کا امتیاز

دل یہ کیوں کر فاش ہوجاتے ہیں آزادی کے راز
چھیڑتے ہیں کس طرح محفل میں بیداری کا ساز

تیری آنکھوں میں سرور عشرت جمہور ہے
آہ یہ جوہر ہماری دسترس سے دور ہے

وقت گذرتا رہا۔ آزادی کی یہ پیاس بڑھتی رہی رفتہ رفتہ افق عالم پر جنگ کے بادل منڈلانے لگے۔ دوسری جنگ عظیم کے آثار نمایاں ہوئے۔ تخریب کے سامان بڑھے ظلم و استبداد کے مضبوط شکنجوں نے امن عالم کی شکستہ عمارت کو نیست و نابود کردینا چاہا۔ مگر حالات کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی ” اندھیری رات کا مسافر ،، اپنی ” منزل ،، کی طرف بڑھتا رہا۔ یہ عزم و حوصلہ ملاحظہ ہو—

زمیں چیں بر جبیں ہے، آسماں تخریب پر مائل
رفیقان سفر میں کوئی بسمل ہے، کوئی گھائل
تعاقب میں کھڑے ہیں کوہ، چٹانیں راہ میں حائل
مگر میں اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جاتا ہوں

دوسری جنگ عظیم سے عوام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ غلامی کی ہتکڑیاں ڈھیلی پڑنے لگیں ، مجاز نے وقت کی آہٹ پر کان لگائے اور ” آفتاب حریت ،، کو ” با ہزاراں آب و تاب ،، جگمگانے کا اعلان کیا—

حشر در آغوش ہو جائیگی دنیا کی فضا
دوڑتا ہوگا ہر اک جانب فرشتہ موت کا
اس طرح لے گا زمانہ موت کا خونی سبق
آسماں پر خاک ہوگی فرق پر رنگ شفق
اور اس رنگ شفق میں با ہزاراں آب و تاب
جگمگائے گا وطن کی حریت کا آفتاب

شاعر سکون و آرام کو حرام قرار دیتا ہے وہ بغاوت و انقلاب کے لئے بےچین ہے۔ جد و جہد کا یہ پیغام ملاحظہ ہو

سکون خواب ہے بے دست و پا ضعیفی کا
تو اضطراب ہے خود اضطراب پیدا کر
تو اضطراب کی آمد کا انتظار نہ کر
جو ہوسکے تو ابھی انقلاب پیدا کر

مجاز ” جنس آزادی ،، کا خریدار ہے۔ وہ وطن کو آزاد دیکھنے کیلئے بیتاب ہے۔ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکنے کے لئے قوم کو غیرت دلاتا ہے—

تجھ پہ یہ بار غلامی کا گراں ہے کہ نہیں
جسم میں خون جوانی کا رواں ہے کہ نہیں

اور اگر ہے تو آ تیرے پرستار ہیں ہم
جنس آزادئ انسان کے خریدار ہیں ہم!

اپنے ہم وطنوں کی قوت عمل کو مہمیز کرنے کے لئے ان کی حس کو تیز تر کرنے کیلئے مجاز نہایت حیات آموز سبق دیتا ہے وہ جذبہ حریت و آزادی سے ہر دل معمور کردینا چاہتا ہے وہ قوم سے مخاطب ہوکر کہتا ہے اٹھو اور کمر ہمت باندھ کر تو دیکھو دنیا کی سب عظمتیں تمہارے قدموں پر سر جھکا دینگی۔

ساقی و رند تیرے ہیں ، مئے گلفام تری
اٹھ کہ آسودہ ہو پھر حسرت ناکام تری
برہمن تیرے ہیں ، کل ملت اسلام تری
صبح کاشی تیری ، سنگم کی حسیں شام تری
دیکھ شمشیر ہے یہ ، ساز ہے یہ ، جام ہے یہ
تو جو شمشیر اٹھا لے تو بڑا کام ہے یہ!

مجاز کی نگاہیں وقت کے افق پر لگی رہیں ، اس نے مظلوموں کی آہوں کو سنا ، ظلم و استبداد کے سیل رواں کو دیکھا اور اپنے ہموطنوں کے اندر جذبہ آزادی کی تڑپ کو محسوس کیا وہ فضا میں مظلوموں کی ” آہوں ،، کے دھوئیں کی طرف اشارہ کرکے قوم و وطن کے نوجوانوں کے جذبہ حریت و آزادی کو اور بھی ابھارتا ہے۔ یہ جوش انقلاب ملاحظہ ہو—

دیکھ بدلا نظر آتا ہے گلستاں کا سماں
ساغر و ساز نہ لے ، جنگ کے نعرے ہیں یہاں
یہ دعائیں ہیں وہ مظلوم کی آہوں کا دھواں
مائل جنگ نظر آتا ہے ہر مرد جواں
سرفروشان بلاکش کا سہارا بن جا
اٹھ اور افلاک بغاوت کا ستارہ بن جا

مجاز نے مفلس ، غریب و مجبور عوام کو بیدار کیا ، سرمایہ دارانہ نظام کو بدلنے اور زمانہ سے ظلم و استبداد کے انسداد کیلئے حالات سے کھلی ہوئی جنگ کرنے کیلئے مجاز نے غریب مزدوروں کو بھی اپنا پیغام سنایا سماج کے اس پسماندہ طبقہ کے اندر نئی حس ، نئی بیداری ، نیا عزم و حوصلہ پیدا کرنے کیلئے مزدوروں کا گیت ملاحظہ ہو—

جس سمت بڑھا دیتے ہیں قدم
جھک جاتے ہیں شاہوں کے پرچم
ساونت ہیں ہم ، بلونت ہیں ہم
مزدور ہیں ہم ، مزدور ہیں ہم

ہم جسم میں طاقت رکھتے ہیں
سینوں میں حرارت رکھتے ہیں
ہم عزم بغاوت رکھتے ہیں

مزدور ہیں ہم - مزدور ہیں ہم

اور آخر صاف صاف کہہ دیتا ہے -

جس روز بغاوت کردیں گے
دنیا میں قیامت کر دیں گے
خوابوں کو حقیقت کر دیں گے

مزدور ہیں ہم - مزدور ہیں ہم

مجاز ایک جہان نو کا آرزومند ہے - لیکن اختر شیرانی کی طرح وہ اپنے " عشق " سے کہیں دور لے چلنے کو نہیں کہتا - وہ اسی بستی، اسی دنیا میں رہنا چاہتا ہے مگر اس بستی، اس دنیا، یہاں کے رہنے والوں کی حالت وہ ضرور بدلنا چاہتا ہے وہ ایک ایسا نظام چاہتا ہے جو خلوص و محبت پر مبنی ہو - جہاں انسان اور انسان کے درمیان تعصب، نفرت، بیگانگی کی دیواریں نہ کھڑی ہوں - جہاں اونچ و نیچ، امیری و غریبی، بلندی و پستی کی کھائیاں نہ کھدی ہوں وہ ایک ایسے سماج کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہے جہاں محض چند لوگوں کے ہاتھوں میں تمام انسانوں کی زندگیاں اور ان کی خوشیاں نہ ہوں، جہاں سبھی آزاد ہوں سبھی خوش ہوں سبھی ایک دوسرے کے برابر ہوں - کیونکہ یہی وہ ناپاک فتنے ہیں جنھوں نے سماج کے امن و سکون کو برباد کر رکھا ہے اور ماضی کی عظیم الشان تہذیب کو نیست و نابود کردیا ہے —

یہ تو ہیں فتنہ بیدار، دبا دو ان کو
یہ مٹادیں گے تمدن کو، مٹا دو ان کو
پھونک دو ان کو، جھلس دو کہ جلا دو ان کو
خائنان وطن ہو یہ بتا دو ان کو

یاد ہے تم کو کن اسلاف کی تم یادیں ہو
تم تو خالد کے پسر، بھیم کی اولادیں ہو

اس طرح مجاز جہاں رومان پرور فضاؤں میں کھویا رہا وہیں انقلاب و بغاوت، آزادی و حریت کا شعلہ بھی اس کے وجود میں تمام عمر پلتا رہا - اس کی نظموں میں جہاں رومانی چھاؤں ہے وہیں درد و کرب و شدت احساس کی سخت دھوپ بھی ہے وہ غلامی کی کڑی دھوپ میں جلتا رہا اور ایک درد مسلسل اس کے دل میں کروٹیں لیتا رہا گو اس کو اپنی فکر نہ ہوئی مگر دوسرے کا غم وہ برداشت نہیں کر سکا - خود چاک گریباں ہونے کے باوجود دوسرے کی چاک دامانی پر وہ تڑپ اٹھا اس نے ہمیشہ سکون و اطمینان، راحت و آرام کی بات سوچی گو خود اسے کبھی سکون میسر نہیں ہو سکا اف ! یہ ارمان ملاحظہ ہو —

اب یہ ارماں ہے بدل جائے جہاں کا دستور
ایک ایک جسم پہ ہو اطلس و کمخواب و سمور
ایک ایک آنکھ میں ہو عیش و فراغت کا سرور
اب یہ بات اور ہے خود چاک گریباں ہوں میں

مجاز آج نہیں، مگر اس کی ترغیب آزادی، اتحاد اور عمل نے ہمیں جو حوصلہ عطا کیا - ہماری قوت عمل کو جس قدر مہمیز کیا - حس کو بیدار کیا اور آزادی کی راہوں میں ہمیں جتنا آگے بڑھایا، اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا - افسوس دنیا کو جگانے والا خود بہت جلد سو گیا !

* * *

عابد سلطان شاہین

دکنی شعر و ادب کی خصوصیات

اردو کا قدیم دور جسے دکھنی سے تعبیر کیا گیا ہے اس حیثیت سے کافی مالا مال ہے کہ وہ ایک ایسا گنجینہ ہے جس میں عرب و شام کے موتی بھی ہیں ، ترکستان و ایران کے لعل اور خالص بحیرہ ہند کے گوہر شہوار بھی ۔ دکھنی ادب کے آثار یوں تو محمد تغلق کے حملہ دکن کے بعد ہی سے ملنے لگتے ہیں لیکن نویں صدی ھجری میں اس کے مستند ادیب منظر عام پر آئے ان طویل لکھنے والوں میں توجہ نظم و نثر دونوں پر رہی ان میں دو قسم کے رحجانات ملتے ہیں ۔ ایک عالمی دوسرے مقامی ۔ یہ مقامی رنگ اردو ہی کی میراث ہیں۔

قدیم اردو ادب کو جہاں سنسکرت کا ورثہ ملا وہیں سامی ادب کی روایات و حکایات بھی ملیں۔ دکن میں اردو نثر کے بارے میں اگر بعض روایتوں پر اعتاد کیا جائے تو حضرت شیخ عین الدین گنج العلم کے مختصر مذہبی رسالوں کا نام دکن میں اردو نثر کے بارے میں مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اگر صوفیائے کرام کے کچھ اردو ملفوظات کو ہم نثر کا آغاز کہہ سکیں تو محمد تغلق کے عہد میں دولت آباد ہے خلد آباد آنے والے کچھ صوفیوں جیسے حضرت زین الدین خلد آبادی سنہ ۷۰۱ ھ تا سنہ ۷۷۱ ھ کے اقوال بھی دکنی نثر کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں ۔

پروفیسر رفیعہ سلطانہ نے اپنے مقالہ " اردو نثر کا آغاز و ارتقاء " میں کہا کہ دکن میں اردو نثر کا باضابطہ آغاز حضرت گیسو دراز سے ہوا ۔ ۔

اردوئے قدیم کے سنگ میل حضرت امیر خسرو ، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ، نظامی بیدری ، شاہ اشرف ، شاہ میران جی شمس العشاق ، شاہ برہان الدین جانم ، فیروز بیدری ، خوب محمد چشتی ، محمد قلی قطب شاہ ، وجہی ، عبدل ، غواصی ، ابن نشاطی وغیرہ کی تحریریں ہیں ۔ جن کی ادبی تشکیل سنہ ۱۴۰۰ ع تا سنہ ۱۶۵۰ ع کے درمیان ہوئی ہے۔ ان کے روایات ادب بھی یکساں ہیں ۔

دکنی ادب کا دوسرا دور سنہ ۱۰۹۱ ھ سے شروع ہوتا ہے اس دور کی نظم و نثر کا جو ذخیرہ ہے اس کو ان عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

مذہب ― مذہب کا موضوع نہایت وسیع ہے اس میں تصوف ، اخلاق ، پند و نصائح ، فقہ و عقائد کے سوا معراج نامے داخل کئے گئے ہیں ۔

تصوف ― تصوف کے سطحی اور عمیق دونوں قسم کے مسائل کو ان کتابوں میں حل کیا گیا ہے انسانی روح کی صفائی اور تزکیہ نفس کی تشریح اچھی طرح کی گئی ہے ۔

اخلاق پند و نصائح ۔ مذہب کا دوسرا شعبہ اخلاق و پند و نصائح ہے۔

فقہ و عقائد ― اس دور میں فقہ و عقائد کے عنوانات پر بھی قلم اٹھایا گیا ۔

مذہبی قصے ― معراج نامے ، قصص انبیاء دوسرے انبیاء کے قصے مثلاً یوسف زلیخا ، قصہ حضرت خاتون جنت بھی اسی دور میں ملتے ہیں۔

تاریخ و سوانح ― اس دور میں تاریخ و سوانح کا موضوع دکنی ادب کا ایک شعبہ رہا ہے اس عنوان میں خصوصیت

عبدل کا ابراہیم نامہ ، فیروز کا توصیف نامہ ، نصرتی کا علی نامہ ، افضل کا محی الدین نامہ قابل ذکر ہیں ۔

شہادت نامے اکثر سلاطین دکن شیعہ مذہب کے پیرو تھے اس لئے ان کے ہاں مجالس عزا کا خاص دستور تھا ۔ دکنی ادب میں اشرف کا " نوسر ہار " پہلا شہادت نامہ ہے ۔

رزم نگاری اس دور کے ادب کا ایک جز رزمیہ مثنویاں ہیں ۔ دکنی شعراء نے نہ صرف خاص بلکہ رزمیہ مثنویوں میں رزم کے حالات لکھے ہیں ۔ خاور نامہ ابن حسام کے فارسی خاور نامہ کا ترجمہ ہے ۔ علی نامہ نصرتی کا شاہکار ہے ۔ فتح نامہ نظام شاہ کا لکھا ہوا ہے ۔

بزم آرائی اور معاشرت جس طرح رزمیہ مثنویاں اس دور کے ادب کا کا ایک قابل قدر حصہ ہیں اسطرح بزمی امور و معاشرتی و سماجی حالات کے متعلق بھی کئی مثنویاں و نظمیں ملتی ہیں شوق کا میزبانی نامہ ایک طویل مثنوی ہے ۔

نیچرل ادب نیچرل شاعری میں مناظر قدرت کے متعلق خیال آرائی ہوتی ہے دکنی ادب میں یہ خصوصیت نظر انداز نہیں کی جاسکتی ۔ خاصہ ذخیرہ ہے خصوصیت سے سلطان محمد قلی ، نصرتی ، شاہی وغیرہ نے اس قسم کا ادب پیش کیا ہے ۔ قطب شاہ کی شاعری میں منظر نگاری اور واقعہ نگاری کا بہت زیادہ حصہ ملتا ہے ۔ اس کے کلیات میں موسم ، بارش ، سردی ، بسنت ، نو روز ، ہلال عید ایک ہی موضوع پر مختلف نہج سے اظہار خیال کیا ہے ۔ نہ صرف منظر نگاری کا کمال ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس وقت کے تمدن و معاشرت کے متعلق بھی معلومات ملتی ہیں نصرتی نے اپنی مثنوی " گلشن عشق " میں جو اگر چہ کہ ایک عشقیہ مثنوی ہے باغ کا منظر ، صبح کا سماں ، چاندنی کی کیفیت ، شبنم کی کیفیت گل و گلشن کی پژمردگی کا جو نقشہ کھینچا ہے نیچرل ادب کا بہترین نمونہ ہے ۔

جنسی ادب دکنی ادب کے اس دور میں جنسی ادب پر ایک کتاب بیدر کے برید شاہی عہد میں قریشی نے " بھوک پھل " کے نام سے لکھی ہے ۔

عشقیہ ادب دکھنی شعراء نے عشقیہ ادب کو فارسی سے ترجمہ بھی کیا ہے ۔ دکنی ادب میں عشق و محبت کا جو ذخیرہ ملا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے ۔ کردار نگاری کے جوہر ، حسن ترتیب ، کیرکٹر کا اتحاد ، واقعات کا تسلسل اور ربط وغیرہ جیسے امور پائے جاتے ہیں ۔

دکن میں تذکرہ نویسی : عام طور پر میر تقی میر کا تذکرہ " نکات الشعراء " اردو شعراء کا اولین تذکرہ سمجھا جاتا ہے دکن میں اردو تذکرہ نویس خواجہ خان حمید اور افضل بیگ ایسے ہیں جن کے تذکرے بھی سنہ ۱۱۶۵ میں لکھے گئے ۔ خواجہ خان حمید جس کے تذکرے کا نام " گلشن گفتار " ہے وہ شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا ۔

لکھا ہم نے جب تذکرے کو حمید
ہوا خوش جسے فہم اشعار ہے
تلاش اس کی تاریخ کی کر کے دل
کہا " گلشن بزم گفتار " ہے

یہ تذکرہ اگرچہ کہ مختصر ہے اس میں ۳۰ شعرائے اردو کا ذکر ہے ۔ اسی سنہ کا دوسرا تذکرہ مرزا افضل بیگ قاقشال کا تحفۃ الشعراء ہے اس سلسلہ کی تیسری کڑی افتخار دولت آبادی کا تذکرہ بے نظیر ہے ۔ جو سنہ ۱۱۷۲ ھ کی تصنیف ہے ۔ شفیق نے چمنستان شعراء کے علاوہ اور دو تذکرے لکھے ہیں ایک کا نام " شام غریباں " رکھا ہے اور دوسرے کا " گل رعنا " ۔

ادب عالیہ کے نمونے قدیم اردو میں حسب ذیل ہیں :
(۱) " سب رس " دکنی ادب میں ایک مشہور کتاب ہے جسے قطب شاہی دور کے شاعر وجہی نے لکھا ہے ۔ سب رس کا ماخذ فارسی کی مشہور مثنوی " دستور عشاق " ہے جسے : سنہ ۸۴۰ ھ میں ابن سبک فتاحی نے لکھا تھا ۔ عزیز احمد کے خیال کے بموجب وجہی نے جدت و اپج کا مظاہرہ کیا ہے جو بڑی حد تک ٹھیک ہے ۔ اس نے دکنی اردو کے نرم و نازک خریطہ میں تصوف و معرفت کے قیمتی جواہر رو دیئے ۔
طوطی نامہ : سب کے بعد طوطی نامہ قدیم اردو کا وہ در بے بہا ہے جو عالمگیر ادب کے تاج میں جگمگا رہا ہے ۔ یہ کتاب سنسکرت میں لکھی گئی تھی جس کا نام " شک سپتتی " (طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں) تھا اس کے بعد فارسی میں ضیاء الدین بخشی نے اس قصے کو لکھا ۔ اردو میں ابن نشاطی سے طوطی نامہ کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے ۔

انوار سہیلی : محسین واعظ کاشفی نے اس کا نام انوار سہیلی رکھا سنگھاسن بسی : پوتھی ادب ، سیف الملوک و بدیع الجمال ، لیلیٰ مجنوں ، پدماوت ، یوسف زلیخا جیسے دکنی ادب کے شہ پاروں میں انسان کو جسطرح پیش کیا گیا ہے وہ عالمی ادب کے لئے بھی باعث رشک ہے اس میں صرف مقامی رنگ ہی نہیں آفاق اثر بھی ہے ۔

دکنی مثنوی کی خصوصیات :

دکنی ادب کی پہلی مثنوی حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر لکھی گئی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بے شمار مثنویاں ہیں جن میں رزمیہ ، بزمیہ اور دیگر موضوعات شامل ہیں ان مثنویوں میں الفاظ کا بہترین انتخاب ، واقعہ نگاری کا کمال منظر نگاری کا حسن اور اظہار بیان کی تاثیر ملتی ہے۔ علی نامہ قطب مشتری وغیرہ قابل ذکر ہیں --

دکنی غزلیں :

غزل اردو ادب کی آبرو ہے سینکڑوں سال سے غزل اردو شاعری کی روح میں سموئی ہوئی ہے غزل اپنی ریزہ کاری اور اختصار کے باوجود بڑی جامع صنف ہے۔ ہر دور میں اقتصادی اور عمرانی رجحانات کے مطابق غزل میں محبوب کا تصور بھی ملتا ہے شاہی کے دور میں عورت کی زندگی کا مقصد امراء و بادشاہوں کی جنسی اور تفریحی ضروریات کی تکمیل تھا ۔ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی پیاریوں کے جو سراپے پیش کئے ہیں دکنی شعراء کے ہاں ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں ۔

ہلنا تیری نت کا منجے لگتا ہے جھمکے کا جھمک
جھنکار پنجن کے تیرے گھنگرو کا کھل کھل بولنا
تیرے نین میں جو کھلتا ہے ناز سوں کاجل
سو ہے یقین وہ ہے ہلال کا تعویز
تو سولہ سنگاراں کو جب پس آئے
تجھے دیکھ عیاں پائے آنند

غزل تو ابتداء ہی سے دلبروں کی بات کہتی آئی ہے وہ سوسائیٹی میں عورت کے مقام سے کسی طرح متاثر نہیں ہوتی اس ماحول کی جھلک دکنی شعراء کے ہاں ملتی ہے ۔

پتلی ہماری نین جھرو کے میں بیٹھ کر
بیکل ہے جھانکتی ہے پیارا کب آئے گا

حسن ابوی گھر کی چار دیواری میں محصور تھا بعد میں وہ بازار رسوائی میں آیا دل جو محسوس کرتا زبان اس کی ترجمانی کرتی ۔ ہندی شاعری کے اثر سے دکنی غزل میں کہیں کہیں مرد مخاطب ہوتا ہے اور عورت جذبات عشق کا اظہار کرتی ہے۔

جس یار کو میں منگتی ہوں وہ یار کہاں ہے
سرسوں پھک چل جاتی ہے ولے نہار کہاں ہے

اپن کون لے بات دل کا تھالا پکارتی ہوں جل جل جی
سجن سجیلا نظر میں کرلائے ہرن کون پوچھی گل گل جی

دکنی شعراء اس تصور کو اکثر جگہ برقرار رکھتے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ مخاطب واضح طور پر عورت ہے مرد نہیں ہے

گلشن ہے توں پیاری بلبل ہے دل ہمارا
رنگ باس دونوں تجھ میں پھل اور پھلنا نظارا

دکنی غزلوں میں محبوب کا جو تصور ملتا ہے وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہے۔
قلی قطب شاہ نے یہاں تک کہہ دیا تھا

نہیں عشق جس کو وہ بڑا کوڑ ہے
کدھیں اس سوں ملیا جائے جا

نصرتی ، وجہی ، غواصی ، محمد قلی قطب شاہ اور لطفی کی غزلوں میں بڑی بےساختگی اور روانی نظر آتی ہے ۔ دکنی غزلیات میں عشق کی شدت اور ذوق جمال کی جلوہ سامانیاں پورے آب و تاب سے نمایاں ہیں ۔

دکھنی قائد ۔

حمد ، نعت ، منقبت اعتقادی شعر ہونے کے اعتبار سے عام دلچسپی کی چیز نہیں -- اور یہ شاعری بلند شعری معیاروں تک بھی کم پہنچتی ہے محمد قلی نے حمد باری میں ایک قصیدہ لکھا تھا اس میں آب و رنگ بھر دیا ہے۔ اس میں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ خدا کی حمد انسان کے بس کی بات نہیں وہ گویا " نحن اقرب من حبل الورید " انوکھی تفسیر ہے
محمد قلی کے انداز مدح سرائی کے اقتباس سے روشنی پڑے گی

تج نام منج آرام ہے ۔ مج جو سو تج نام ہے
جو جگ منگے سو توں دیا ۔ توں ہی جگت ہے دیا

نصرتی اپنے عہد کا سب سے بڑا اور ہر عہد کا ایک بڑا قصیدہ نگار ہے۔ دکن میں مرثیہ کی ابتداء ایک خاص ہئیت سے ہوئی ۔ دکھنی ادب کی ان خصوصیات کا جائیزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اردو زبان ادب کو الفاظ کا سرمایہ ، پیرایہ بیان کا حسن اور واقعیت و حقیقت پسندی کا رنگ دینے میں دکن نے نمایاں حصہ لیا ہے عوام کی زبان ، دیسی مزاج۔ مقامی رنگ اور تخیل پسندی سے زیادہ حقیقت پسندی کو زبان و ادب کا ترجمان بنانا نا قابل فراموش حقیقت ہے ۔

دکھنی ادب کو اردو میں نشاط ثانیہ کی حیثیت حاصل رہی شاعری و نثر پر فارسی اور عربی کا نہ صرف اثر کم ہوا بلکہ زبان کے نئے زاویئے متعین ہوئے ۔

رفیع حیدر انجم

کل کا سورج

ابھی ابھی انہیں سپرد خاک کر کے لوٹا ہوں ——شام کی سرمئی تاریکی میں رات کی سیاھی تحلیل ہونے لگی ھے۔ میں بیٹھا یہ سوچ رہا ہوں کہ کون زیادہ تنہا ھے۔ میں یا گھر؟ باھر زوروں کی بارش ہورھی ھے۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑکنے کی آواز سے کانپ سا جاتا ہوں۔ کمرے کی اجڑی ہوئی چھت کہیں کہیں سے ٹپکنے لگی ھے۔ بوندوں کے مسلسل ٹپکنے کی تسلسل آمیز آواز سے کانپ سا جاتا ہوں۔ کمرے کی اجڑی ہوئی چھت کہیں کہیں سے ٹپکنے لگی ھے۔ بوندوں کے مسلسل ٹپکنے کی تسلسل آمیز آواز نے میری تنہائی کو لا تعداد ٹکڑوں میں منقسم کردیا ھے۔ یہ بکھرے ہوئے ٹکڑے آپس میں اس طرح گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ گھر کی تنہائی اور اپنے وجود کی تنہائی کا خوف مٹ سا گیا ھے۔ باھر سائیں سائیں کرتی ہوئی تیز و تند ہوائیں کھلی کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو ہو کر میز پر رکھے ہوئے بےترتیب کاغذات کو بار بار اڑانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ چاھتا ہوں ان بکھرے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر ترتیب کے ساتھ میز پر رکھ دوں مگر اپنی خواھش ادھوری چھوڑ کر میں سالخوردہ کرسی سے چپکا پڑا ہوں۔ کاغذات کمرے میں منتشر ہوتے رہتے ہیں حتی کہ چکٹ میز پوش بھی اڑ کر دیوار کی کھونٹی سے اوندھا لٹک گیا ھے۔ گھن کھائے ہوئے میز کی سطح بےنقاب ہو کے میرے ملمع شدہ وقار کا گلا گھونٹنے لگے ہیں۔ اجڑی ہوئی چھت کی سوراخ سے برستے ہوئے آسمان کا خفیف سا کالا کونا نظر آرہا ھے۔ اس کالے سے حصے پر بے شار غبارے ہوا کے دوش پر تیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں —— رنگ برنگے غبارے میں انہیں پہچاننے کی کوشش میں بہت پیچھے لوٹ گیا ہوں۔

میں نے ماں سے ضد کر کے دس پیسہ لے لیا ھے۔ اور دوڑ کر پتھریلی سڑک کے اس موڑ پر پہونچ گیا ہوں جہاں نحیف سا ایک نوجوان غبارہ بنانے والی مشین لئے بیٹھا کرتا ھے۔ رنگ برنگے بیلون میں اس مشین سے نہ جانے یہ کیسی ہوا بھر دیتا ھے کہ ذرا ھاتھ سے چھوٹا اور دیکھتے دیکھتے یہ غبارے دور نیلگوں آسمان میں اجلے اور مٹیالے بادلوں کے درمیان گم ہوجاتے ہیں۔ میں نے اپنے غبارے میں خوب لمبا سا دھاگا باندھ لیا ھے تاکہ اسے اپنی مرضی سے زمین پر اتار سکوں۔ دن بھر میں اسی مزیدار کھیل میں منہمک رہتا ہوں۔ مگر جب سورج اپنی بکھری ہوئی کرنیں سمیٹ کے رام دین سیٹھ کے سہ منزلہ مکان کے پیچھے جا چھپتا ھے تب ماں آکر مجھ سے کہتی ھے۔

"بیٹے! تیرے ابا اب آفس سے آتے ہوں گے۔ یہ غبارے سمیٹ کے رکھ دے اور جا کر نکڑ والی دکان سے تھوڑا سا آٹا لے آ۔" ابا روز صبح سادی چائے پی کر جاتے اور شام گئے واپس لوٹ آتے۔ گھر آکر آنگن میں پڑی جھلنگی چارپائی پر لیٹے لیٹے دیر تک اپنے بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے رہتے۔

"پیسے ماں؟"

"پیسے! ہاں ——ٹھہر!"

میں ٹھہر گیا ہوں۔ مگر ماں نہیں ٹھہرتی۔ وہ چلی جاتی ھے میں تنہا رہ جاتا ہوں اپنے غباروں کے ساتھ! ماں تھوڑی دیر میں واپس آتی ھے۔ اس کے ھاتھوں میں کاغذ کا چھوٹا سا پڑیا ھے پڑیا دیکھ کے میں خوش ہوتا ہوں مگر ماں کے چہرے پر بےشمار لکیروں کے درمیان ایک اور لکیر کا اضافہ ہوجاتا ھے۔ لکیروں کا اضافہ روز ہوتا جاتا ھے حتی کہ صرف لکیروں کا جال باقی رہ جاتا ھے، خد و خال معدوم ہوجاتے ہیں ——اور اور ایک دن وہ پڑیا لانے گئی تو واپس نہیں لوٹی۔ اس شام پہلی بار میرے ھاتھوں سے غبارے کا ڈور چھوٹ گیا —— اور پھر

میرے سارے غبارے آسمان کے بیکراں وسعتوں میں گم ہو گئے - میں اپنی خالی خالی ہتیلیوں کو گھورتا رہ گیا -

صبح آنکھ کھلی تو بستر پہ پڑا پڑا ماں کی کرہناک کھانسی کی آواز کا انتظار کرتا رہا مگر جب اپنے ہتیلیوں کا خالی پن یاد آیا تو کمرے سے باہر نکل آیا - گھر کا آنگن ویران تھا -

ابا ایک پرانا سا اخبار لئے چولھے کے پاس بیٹھے تھے - چولھے پر سرخ دھکتے ہوئے انگاروں کے درمیان رکھی ہوئی کیتلی کا گرم پانی بھاپ بن بن کے کیتلی کی ڈھکن کو بار بار اوپر اٹھانے کی سعی کر رہا تھا - میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تلاش کر کے ڈھکن پر رکھ دیتا ہوں - مگر بھاپ بہت طاقتور ہے - وہ ڈھکن کو اسی طرح اوپر اٹھا رہا تھا - میں ایک وزنی پتھر کی تلاش میں اپنے آس پاس نظریں دوڑاتا ہوں کہ ابا نے کیتلی اتار کے نیچے رکھ دیا ہے -

چائے پی کر ابا کاغذات کا پلندہ بغل میں دبا لیتے ہیں اور میری ہتیلی پر دس پیسے کا سکہ رکھ کر باہر نکل گئے ہیں " غبارے خرید لینا " اس روز دس پیسے کا وہ سکہ مجھے بہت قیمتی لگا تھا - نہ جانے کیوں میں نے غبارے نہیں خریدے بلکہ کمہار کی دکان سے مٹی کا چھوٹا سا ایک گولک خرید لایا جو اندر سے کھوکھلا اور چاروں طرف سے بند تھا سوائے اوپری سطح پر بنے لمبے سے سوراخ کے جو پیسے گرانے کے لئے بنایا گیا تھا -

ابا روز صبح دس پیسے کا ایک سکہ مجھے دیتے اور میں باقاعدگی سے اسی گولک میں گرا دیا کرتا - دن میں کئی کئی دفعہ اسے ہلا ہلا کے اس کی جھنجھناہٹ سے محظوظ ہوتا رہتا - جھن جھناہٹ کی آواز جوں جوں دبیز ہوتی گئی میری مسرتوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا -

ایک دن صبح ابا نے مجھے ایک چونی دیتے ہوئے کہا کہ جا بازار سے چینی لے آ - میں نے پنساری کی دوکان سے چینی خریدا اور پڑئیے کو قمیض کی نچلی جیب میں ڈال کر گھر کی طرف چل پڑا - ابھی تھوڑی دور ہی آیا ہونگا کہ سڑک کے کنارے ایک بڑی سی صاف ستھری عمارت کے احاطے سے بلند ہوتی ہوئی قہقہے نے میرے قدم روک لئے - کچھ بچے کوئی دلچسپ کھیل میں مصروف تھے - بچوں نے سفید دھلے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے - ان سب کی پیٹھ سے کتابوں کا بستہ جھول رہا تھا - ان کی ہنسی میں شہد کی سی مٹھاس اور چہرے شگفتہ گلاب کی مانند تر و تازہ لگ رہے تھے - یہ ایک کنونٹ اسکول تھا جس کے احاطے کی دیوار کے ایک سرے پر کشادہ آہنی دروازہ تھا - دروازے پر ایک با وردی سنتری کھڑا تھا -

میں باہر کھڑا دیر تک ان خوب صورت بچوں کو دیکھتا رہا - مگر یکایک ہی جب جیب میں پڑی چینی کے پڑئیے کا احساس ہوا تو بے تحاشہ گھر کی طرف دوڑا - گھر آ کر دیکھا کہ چولھے پر کیتلی کا گرم پانی تیزی سے بھاپ بن بن کے ڈھکن کو اوپر کی طرف اڑائے لئے جانے کی سعی میں مصروف ہے - ابا کاغذات کا پلندہ لے کر جا چکے ہیں - غیر ارادی طور پر میں اپنا پیسوں والا گولک اٹھا لایا اور لوہے کی ایک پتلے تار کی مدد سے سارے پیسے باہر نکال لئے - گنا تو کل دو روپئے ساٹھ پیسے تھے - میں نے جلدی جلدی پیسوں کو جیب میں ڈالا اور بازار کی طرف چل پڑا - راستے میں پھر اسی اسکول کا عمارت نظر آیا مگر میں اسے نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا اور ایک کتب فروش کی دکان پر آ کر ٹھہر گیا - رنگ برنگی جلدوں سے سجی کتابوں کو دیکھ کر دکاندار نے مجھ سے پوچھا -

" کیا چاہئیے ؟ "

" کتاب ! "

" کون سی کتاب ؟ "

" کوئی بھی - میرے پاس دو روپئے ساٹھ پیسے ہیں - "

دکاندار کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں تھے - اس نے مجھ سے میرا نام پوچھا - اب میرے حیرت زدہ رہ جانے کی باری تھی - بھلا کتابوں کا نام سے کیا تعلق ؟ مگر جب میں نے اسے اپنا نام بتایا تو اس نے مسکرا مسکرا کے دو تین بار اپنے سر کو جنبش دی اور ایک کتاب نکال کر میرے سامنے رکھ دیا - میں نے اسے پیسے دیئے اور کتاب کو الٹتا پلٹتا گھر چلا آیا -

شام گئے ابا واپس لوٹے تو صبح دیر تک نہ آنے کی وجہ خاموشی سے ان کے سامنے وہ کتاب رکھ دیا - اسے دیکھتے ہی ابا ایکدم سے خاموش ہو گئے اور اس جھلنگی چارپائی پر لیٹے لیٹے دیر تک اپنے بے ترتیب سانسوں کو سنوارتے رہے - تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مجھے اپنے قریب بلایا - اس رات چراغ کی مدھم سی زرد روشنی کے سہارے انہوں نے مجھے کتاب کا پہلا سبق پڑھایا - اس کے بعد روز رات کو ایک نیا سبق پڑھانا معمولات میں شامل ہو گیا - پہلی ، دوسری ، تیسری اور چوتھی کتابیں یکے بعد دیگرے ختم کر چکا تو انہوں نے میرا داخلہ ایک سرکاری اسکول میں کروا دیا جہاں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی - اس اسکول کی عمارت صاف ستھری اور لمبی چوڑی نہیں تھی - بچوں کے کپڑے بھی دھلے دھلائے نہیں تھے - نہ تو ان کی ہنسی میں شہد کی سی مٹھاس تھی اور نہ ہی ان کے چہرے شگفتہ گلاب کی مانند تر و تازہ تھے - میں باقاعدگی کے ساتھ اسکول جاتا رہا - دن گذرتے رہے حتی کہ اسکول

کے سارے جماعت میں نے پاس کرلئے ۔ آخری جماعت پاس کر کے گھر لوٹا تو میری خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا ۔ جی چاہ رہا تھا کہ ابا کے گلے مل کر خوب قہقہے لگاؤں ۔ مگر شام گئے جب ابا گھر لوٹے تو انہیں دیکھ کر میں چونک پڑا ۔ آج ان کی بغل میں کاغذات کا پلندہ دبا ہوا نہیں تھا ۔ مجھے ان کا چہرہ ان کا اپنا نہیں لگا ۔ ایک ہی روز میں یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسے رونما ہوئی ؟ اس روز پہلی بار انہیں غور سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ یہ تبدیلی تو برسوں سے ہو رہی تھی ۔ آج ان کی سانسیں نسبتاً زیادہ ہی بے ترتیب تھیں ۔ چہرے پر بےشمار لکریں ابھر آئی تھیں جنہیں دیکھ کر میں خوف سے کانپ اٹھا ۔ مجھے لگا کہ انہوں نے آج ہزاروں میل لمبے راستے کا سفر طئے کر لیا ہے ۔

” اب میں تھک چکا ہوں بیٹے ! یہ سفر اب تجھے شروع کرنا ہے ۔ تجھے یاد ہے نا وہ غبارے جو تو بچپن میں اڑایا کرتا تھا ۔ ہاں ، ہاں — وہی غبارے — تجھے ان غباروں کی طرح آسمان کی بلندیوں کو چھونا ہے ۔ بہت اونچا اٹھنا ہے تمہیں — بہت اونچا . . . . . . “

مگر جب میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا تو ان گمشدہ راستوں کو تلاش کرنے میں کئی برس بیت گئے جن پر چل کر ابا نے مجھے اسکول کا آخری جماعت پاس کروا دیا تھا ۔ میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا سوائے اس سند کے کہ میں نے اسکول کے سبھی درجوں کو سمجھ لیا ہے ، جان لیا ہے ، سارے رہگذر مسدود تھے ۔ ہر طرف ناکامی اور مایوسی اپنا خونناک جبڑا کھولے میری گھات میں بیٹھا تھا ۔ ایک لمبا وقت نکل گیا — اس عرصے میں ابا ایک زندہ لاش کے سوا کچھ بھی نہ رہے ۔ اس لاش میں زندگی کی ضیا بخشنے کیلئے میرے پاس بیروزگاری بھوک ، یاس ، غم اور کرب کے سوا کچھ بھی نہ تھا ۔

اور آج . . . . . . غریبی اور بے روزگاری کا طویل دریا عبور کرنے کے بعد مجھے میری منزل مل گئی ۔ میں خوشی سے نیم پاگل بنا گھر آیا کہ اس لاش کو مزید سڑنے سے روک لوں مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی ۔ اس لاش سے زندگی کی آخری رمق بھی جدا ہوگئی تھی ۔ نہ جانے کتنی صعوبتیں جھیلنے کے بعد آج میں اپنی منزل پر تنہا کھڑا ہوں ۔ اور وہ جھلنگی سی چار پائی آنگن میں خالی پڑی ہے ۔

بہت پیچھے لوٹ کر میں یکا یک چونک پڑتا ہوں ۔ چھت سے ٹپکتا ہوا پانی کمرے میں پھیل چکا ہے ۔ صحن پر بکھرے ہوئے کاغذات گیلے گیلے ہو چکے ہیں ۔ میں دروازے کا پٹ ذرا سا کھول کر باہر دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا کمرے میں داخل ہوکر میز پر رکھی ہوئی لالٹین کو بجھا دیتا ہے ۔ کمرے میں گھپ اندھیرا ہے میں ماچس کی تیلی نکال کر ڈبیہ پر رگڑتا ہوں کہ لالٹین روشن کر دوں ۔ مگر ہوا اتنی تیز ہے کہ تیلی بار بار بجھ جاتی ہے ۔ بادل کی زور دار گرج سے کمرے کی دیواریں کانپ رہی ہیں ۔ بجلی کی چمک اتنی تیز ہے کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں ۔ میں دروازہ کھول کر باہر آتا ہوں کہ آنگن میں پڑی چار پائی اندر کرلوں ۔ مگر یہ کیا ؟ یہ طوفانی ہوا تو مجھے اڑا کر لے جائے گی ۔ اس ہوا کے سامنے میری وقعت ایک غبارے کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ میں جلدی سے چار پائی گھسیٹتا ہوا کمرے میں آتا ہوں ۔ اور اندر سے دروازہ مضبوطی کے ساتھ بند کردیتا ہوں ۔ ہواؤں کے تھپیڑے دروازے سے ٹکرا ٹکرا کے لوٹ جاتی ہیں ۔ اف ! میرے خدا کیا سارا آسمان آج ہی ٹوٹ پڑے گا ۔ میں گٹھڑی سا بنا چارپائی پر پڑا ہوں ۔ میرے کانوں میں ابا کے الفاظ گونجتے ہیں —

:” تجھے ان غباروں کی طرح آسمان کی بلندیوں کو چھونا ہے ۔ بہت اونچا اٹھنا ہے تجھے — بہت اونچا — “

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے ۔ ہاں ! غم کے یہ کالے بادل ضرور چھٹ جائیں گے ۔ کل ایک نیا سورج نکلے گا جو اس رات کی بھیانک تاریکی کے ساتھ ساتھ میری زندگی کے تاریک گوشوں کو بھی منور کردے گا ۔ میں کھڑکی سے باہر جھانک کر گذری ہوئی رات کا اندازہ لگانے کی سعی کرتا ہوں ۔ طوفانی ہواؤں کا زور کم ہوتا جا رہا ہے ۔ رات کی سیاہی دودھیا نظر آنے لگی ہے ۔ آسمان پر کہیں کہیں ٹمٹاتے ہوئے تارے بھی نظر آ رہے ہیں ۔ بارش کا شور اب گھٹ رہا ہے ۔ تھوڑی ہی دیر میں سویرا ہوگا ۔ اور میں بے قراری کے عالم میں کل کے سورج کا انتظار کرنے لگتا ہوں ————

* * * *

یم - بی - ڈی سکسینہ قمر پیلی بھیتی

سری مدن لال ڈھینگرا

زمیں کی خاک تک دے دی زمیں کو
میں دامن جھاڑ کر اٹھا جہاں سے

آج ہمارا بھارت آزاد ہے۔ اس آزادی کے حاصل کرنے کو کتنے آدمی کس کس طرح سے اور کہاں کہاں شہید ہوئے یہ بات ہمیں آج بھی اچھی طرح نہیں معلوم - لیجئے آج ہم آپ کو امر شہید یا شہید اعظم شری مدن لال ڈھینگرا کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں -

شری ڈھینگرا امرتسر میں ایک بہت ہی مالدار گھرانے میں پیدا ہوئے - ان کے والد مسٹر دتا ایک مشہور و معروف ڈاکٹر تھے - اس وقت بھارت انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا - انگریز دیش بھکتوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے -

انڈیا آفس کے پولیٹیکل اے - ڈی - سی کرنل ولیم کرزن وائیلی ہندوستان میں برطانوی امپیریلزم کے پرتی ندھی تھے - انہوں نے نہ صرف ہندوستان کو انگریزوں کا غلام بنائے رکھنے میں برطانیہ کی مدد کی بلکہ ہندوستان پر مختلف قسم کے ظلم بھی کئے -

شری ڈھینگرا امرتسر اور لاہور میں تعلیم حاصل کرنیکے بعد سنہ ۱۹۰۶ ع میں انگلستان گئے وہاں انجینرنگ یونیورسٹی لندن‌میں شریک ہو گئے - انگریز جو ہندوستانیوں پر طرح طرح کے ظلم کر رہے تھے اس کی کہانیاں انہیں وہاں معلوم ہوتی رہتی تھیں اور ان کا خون کھول جاتا تھا - انہوں نے انگریزوں کے ذریعہ دیش بھکتوں پر کئے جانے والے ظلموں کا بدلہ لینے کی دل میں ٹھان لی - اس وقت برطانیہ، لندن، امریکہ اور یورپ میں ہندوستانی حریت پسندوں کی انقلابی تحریک چل رہی تھی یہ اس میں شریک ہو گئے- جہاں انہوں نے پستول چلانا سیکھا -

یکم جولائی سنہ ۱۹۰۹ ع کو امپیریل انسٹیٹیوٹ لندن کے ایک جلسے میں جبکہ متذکرہ صدر کرنل صاحب نیشنل انڈین اسوسی ایشن کا ایک موسیقی پروگرام سن رہے تھے شری ڈھینگرا نے اپنی پستول سے دنا دن گولیاں داغ کر انہیں ڈھیر کردیا اور اپنا پستول پھینک خود کو برطانیہ پولیس کے حوالے کر دیا -

برطانیہ پولیس نے ۲۳ - جولائی سنہ ۱۹۰۹ ع کو انہیں عدالت میں پیش کیا - انہوں نے جج کے سامنے بڑی نڈرتا سے جو بیان دیا اس کے چند جملے درج ذیل ہیں :---

”جناب ! میں آپ کا شکرگذار ہوں مجھے اس بات کا فخر ہے کہ اپنے دیش کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کی عزت حاصل کر رہا ہوں - میں اس عدالت کو نہیں مانتا اس لئے میں اس مقدمے میں کوئی حصہ نہیں لونگا اور میں یہ اقرار و اقبال کرتا ہوں کہ میں نے ایک انگریز کو اس لئے مار ڈالا ہے کہ انگریزوں نے میرے بھارت کو غلام بنائے رکھا ہے بھارت کے لاتعداد دیش بھکت نوجوانوں کا انہوں نے خون کیا ہے میں نے خون کا بدلہ خون سے لیا - اسے قتل کرنے میں میرا کوئی ساتھی نہیں ہے اور نہ اسے قتل کرنے میں مجھے کسی نے کسی طرح کی مدد دی ہے اور نہ کسی نے مجھے اس قتل کا مشورہ دیا ہے -

اس قتل کا جو کہ میں نے کیا ہے صرف میں ڈھینگرا ہی واحد ذمہ‌دار ہوں اور اس سلسلے میں کسی کا کسی طرح بھی کوئی تعلق نہیں ہے-
بحیثیت ایک آریہ ، بطور ایک بھارتی میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بھارت پر کیا گیا ظلم بھگوان رام پر کیا گیا ہے -

اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ دیش کی سیوا بھگوان کرشن کی سیوا ہے - ہندوستان اور انگلینڈ کی یہ جنگ میری موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگی

بلکہ اسکا خاتمہ اس وقت ہوگا جب ہندوستان کی غلامی کا خاتمہ ہوگا۔

بھگوان سے میری صرف ایک ہی پرارتھنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک آزادی کی یہ جنگ جاری ہے پرماتما مجھے بار بار اسی دیش میں جنم دے تاکہ میں بار بار سوتنترتا کے اس پوتر سنگرام میں آھوتی ڈال کر اپنے جیون کو سپھل بنا سکوں . . . .،،

عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا کا حکم دیا اور ۱۷ - اگست سنہ ۱۹۰۹ ع کو (۲۶) سالہ شری ڈھینگرا کو لندن کے پنتولی جیل میں پھانسی دے دیدی گئی۔ پھانسی کے تختے پر جھولتے ہوئے شری ڈھینگرا نے مسکرا کر فرمایا :-

" مجھے فخر ہے کہ مجھے اپنے دیش کے لئے اپنی حقیر زندگی کو نچھاور کرنے کی عزت حاصل ہو رہی ہے - ،،

لندن اور آئرلینڈ کے اخباروں میں شری ڈھینگرا کے عدالت میں دیئے ہوئے پورے بیان کی نقل ، ان کو پھانسی دیئے جانے کی کیفیت اور ان کے پھانسی کے تختے پر جھولتے ہوئے فرمودہ الفاظ کو اپنے اپنے اخباروں کے پہلے صفحے پر بڑے ٹائپ میں چھاپا -

انگلستان کے بہت سے منصف مزاج انگریز اور دانشوروں نے شری ڈھینگرا کے دیش بھکتی (حب الوطنی) کے جذبہ کی بےحد تعریف کی۔

جس دن شری ڈھینگرا شہید ہوئے یعنی انہیں پھانسی دی گئی اس دن بھارت میں انگریزی شاسن کے خلاف غصے کی لہر دوڑ گئی۔ پنجاب کے گاؤں گاؤں میں کسانوں کی زبان پر یہ گیت تھا - " پگڑی سنبھال جٹا پگڑی سنبھال ،،
ہر طرف یہ نعرے لگائے جا رہے تھے - ڈھینگرا جی امر ہیں ڈھینگرا جی امر ہیں -

شری ڈھینگرا جی کی شہادت کے فوراً ہی بعد سے ہندوستان نے متواتر برطانیہ کو لکھا کہ وہ شری ڈھینگرا کی باقیات ہندوستان کے حوالے کردے مگر برطانیہ ٹس سے مس نہیں ہوا - ہندوستان نے اس سلسلہ میں اپنی کوششیں جاری رکھیں -

بالآخر (۶۷) برس کے بعد یہ باقیات ہندوستان کے حوالے کردی گئیں اور لندن میں بھارت کے کاریہ کرتا شری نٹور سنگھ ایک خاص ہوائی جہاز سے ۱۳ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع سوموار کو دس بجے دن دہلی کے پالم ہوائی اڈے پر ترنگے جھنڈے میں لپٹی ہوئی ان کی باقیات لیکر پہنچے جہاں پر بڑے بڑے بے شمار لوگ پیشوائی کو موجود تھے -

ڈھینگرا جی زندہ باد کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا - ہوائی جہاز کے زمین پر اترتے ہی اسے بھیڑ نے گھیر لیا - ہزاروں لوگ رو پڑے -

آثار کے پھولوں سے لدا ہوا یہ صندوق ایک اونچے مقام پر رکھدیا گیا تاکہ ہوائی اڈے پر جمع شدہ افراد آثار کے درشن کرسکیں ہزاروں لوگوں نے پھول چڑھائے ، شردھانجلی پیش کی -

یہاں سے ان باقیات کو جلوس کی شکل میں لے جا کر پنجاب سرکار کے مہمان خانے و دفاتر کپورتھلہ هاؤس میں رکھا گیا راستے میں جا بجا کمانیں بنائی گئی تھیں ان پر کافی پھول برسائے گئے اور امر شہید ڈھینگرا کے نعرے لگائے گئے -

۱۴ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع منگل کو چنڈی گڈھ ۱۶ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع برھسپت وار کو پٹیالہ ، ۱۷ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع شکروار کو ناتھ ، بھوانی گڈھ سنگرور ، ۱۸ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع سنیچر کو مالیر کوٹلہ لدھیانہ ، ۱۹ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع اتوار کو یہ باقیات برائے درشن لیجائے گئے - گھوڑ سوار اور پولیس کے دستے ساتھ ساتھ رہے -

۲۰ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع سوموار کو امرتسر لائے گئے - یہاں شری مدن لال ڈھینگرا کے بھتیجے شری مکند لال ڈھینگرا نے ان کا کریا کرم کیا -

۲۳ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع برھسپت کو بھٹنڈہ، ۲۴ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع سکروار راج پورہ لے جاکر ۲۵ - ڈسمبر سنہ ۱۹۷۶ سنیچر کو هری دوار میں پورے سرکاری اعزاز کیساتھ گنگا میا کی لہروں میں سپرد کردیا گیا -

حکومت پنجاب نے ان کا آبائی مکان قومی یادگار کی حیثیت سے محفوظ کرلیا ہے انکی سادھی مال منڈی میں تعمیر کیجائے اور اس کے احاطہ میں ایک مناسب یادگار نصب کی جائے گی -

* * *

سروجنی نائیڈو — مترجم - ثاقب رزمی

نظمیں

(۱)

نوائے زندگی مدھم سروں میں سن رہی ہوں
جو دیتی ہے نیا پیغام
جو لاتی ہے دائم آرزوئے نو
جو مجھ کو کھینچ لائی ہے زمیں کی سمت
اک کیف فراواں سے
عطا کرتی ہے مجھ کو اک نیا ایقان
جس کو مانگتی ہے نسل نو مجھ سے
حسین خوابوں کی اک خلاق نسل نو
نوائے زندگی
اظہار کی سمتوں سے آتی ہے
نوائے زندگی
ہر فرد اور ہر قوم کو آواز دیتی ہے
اسے احساس اپنی ذات کی تکمیل کا
ہر دم دلاتی ہے
کہ اس تکمیل میں پوشیدہ
عظمت اور سطوت ہے
نوائے زندگی مدھم سروں میں سن رہی ہوں میں

(۲)

گلابوں کے حسیں معبد میں
مجھ کو جا گزیں کردو!
معطر گلستانوں کے
گلابوں کی مئے گلفام میں
مجھ کو ڈبو ڈالو!
گلابوں کی لطافت سے
مجھے جلوہ فشاں کردو
گلابوں کی خنک آتش میں
تم مجھ کو جلا ڈالو!
محبت کے گلابوں کا
مجھے اک تاج پہنادو!

بہ شکریہ آجکل

* * * *

وقار خلیل

نیا سال

زندگی ساز اٹھاتی ہے نئے سال کے ساتھ
رقص کرتی ہے ، مچلتی ہے نئے سال کے ساتھ

آرزوں کے چھلکتے ہوئے میخانوں میں
صبح سج دھج کے نکلتی ہے نئے سال کے ساتھ

فکر و احساس کے ویرانے مہک جاتے ہیں
جیسے پروائی سی چلتی ہے نئے سال کے ساتھ

اس کا احساس بھی ہوتا ہے شب غم ٹوٹی
شام تنہا نظر آتی ہے نئے سال کے ساتھ

مہر و مہتاب کے ہمراہ وفا کی دیوی
زینہ زینہ ہی اترتی ہے نئے سال کے ساتھ

گھر کے آنگن سے ، دریچوں سے ، در و بام تلک
روشنی پھیلتی جاتی ہے نئے سال کے ساتھ

کذب و تفریق کی ، اوہام کی بجھ جاتی ہے شمع
اک نئی شمع جل اٹھتی ہے ، نئے سال کے ساتھ

* * * *

روشن پٹیالوی

فدیان وطن کے عزائم

(بموقعہ یوم جمہوریہ)

وطن کو کوشش پیہم سے نیک نام کریں
نوائے وقت یہی ہے کہ دل کے کام کریں

ہم اپنے حسن تکلم سے سب کو رام کریں
اور اپنے طرز عمل سے وطن کا نام کریں

سفر طویل ہے ۔ منزل بھی ہے کٹھن در پیش
ہم اپنے قافلے کو اور تیز گام کریں

فسردہ روحوں کو پیغام شادمانی دیں
غم حیات کے ماروں کو شاد کام کریں

اڑائیں رنگ خزاں اس کے پتے پتے سے
وطن میں جشن بہاراں کا اہتمام کریں

مفاد قوم کی خاطر لگائیں جان کی بازی
ہو جس میں سب کی بھلائی ہم ایسے کام کریں

بھریں خیال کی وسعت شعور انساں میں
غبار بغض مٹانے کا انتظام کریں

نظر نہ آئے وطن میں کوئی بھی افسردہ
مسرتوں کا ہر طور فیض عام کریں

حسیں امیدوں کے دل کو فریب دے دے کر
غم حیات کی تاریک شب تمام کریں

مٹائیں ظلمت ہستی جگر کے داغوں سے
کچھ اس طرح سے چراغاں کا اہتمام کریں

جو سر فروش ہیں ان کو بٹھائیں آنکھوں پر
وفا پرستوں کا اس طور احترام کریں

کسی کو بھی نہ ہو گنجائش ملال کبھی
وطن کا ایسے طریقے سے انتظام کریں

ہر ایک سمت نظر آئے روشنی حیات
سحر کے نور سے روشن چراغ شام کریں

* * * *

عارف بیابانی

یوم جمہوریہ - چھبیس جنوری

(۱)

یوم جمہوریہ پھر آیا آج — جل رہے ہیں مسرتوں کے سراج
حق پیدائشی کی ہے معراج — تخت دستور، حریت ہے تاج

عشرتوں کی گھٹائیں ہیں چھائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲)

آج کا دن ہماری قومی عہد — اور خوشیوں کی مل رہی ہے نوید
غیب سے عظمتوں کی ہے تائید — لوہا خود ماننا ہے دور جدید

اب غلامی ہے اور نہ رسوائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۳)

پھلے پائی ہے ہم نے آزادی — ہو گئی ہے دلوں کی آبادی
یوم جمہور فیض اجدادی — خلد کی ہے حسین تر وادی

بج رہی ہے دلوں کی شہنائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۴)

کی ہے سو سال حریت کی جنگ — جب کہیں ٹوٹا دست ظلم فرنگ
بھارتیوں کا آج اور ہی رنگ — اک نیا حوصلہ نئی ہے امنگ

سر بلندی ہے اور دارائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۵)

نہرو آزاد اور گاندھی پٹیل — بہر آزادی کاٹی سب نے جھیل
منزل ہوئے آزادی کی چڑھی تب بیل — قومی یکجہتی کا ہوا جب میل

کام آئی ہے سب کی یک جائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۶)

دور افرنگ دور شروفتن — فرقہ و ذات میں ہوئی ان بن
کام کچھ کر گیا فرنگی چلن — ہوئی جمہوریت سے دور الجھن

مل گیا آج بھائی سے بھائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۷)

ہو گئے دور نکبت و افلاس — زر جمہوریت جب آیا پاس
غم زدہ اب ہے کوئی اور نہ اداس — آج خوشیوں میں ڈھل گیا احساس

آرزو صدیوں کی ہے بر آئی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۸)

اب نہ باقی رہا عذاب حیات — حریت کا کھلا ہے باب حیات
تشنہ کاموں نے پایا آب حیات — اپنی تعبیر پر ہے خواب حیات

لی جو آزادی نے اک انگڑائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۹)

مٹ گئے ذات پات کے جھگڑے — مٹ گئے اونچ نیچ کے قصے
فیض جمہوریت کوئی دیکھے — ختم سارے غلط ہوئے قصے

سو بہاروں کی جلوہ آرائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۰)

پایا تکمیل ہند کا دستور — مل گیا ہے حقوق زیست کا نور
خوشیاں نزدیک آئیں غم ہوا دور — دور جمہوریت ہے وہ منشور

اہل بھارت ہیں جس کے شیدائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۱)

کہوں بھارت میں تم سے کیا کیا ہیں — مسجد و مندر و کلیسا ہیں
گردوارے ہیں تاج ہالہ ہیں — مختلف ذاتوں کا اجالا ہیں

کہتے ہیں آج سب کے شیدائی
آئی چھبیس حنوری آئی

(۱۲)

پست کو اس نے کر دیا ہے بلند — اپنا دستور دھر کو ہے پسند
رہیں دستور کے اگر پابند — ڈال سکتے ہیں چاند پر بھی کمند

اب مناؤ خوشی، خوشی پائی
آئی چھبیس جنوری آئی

* * * *

(۱۳)

اپنی مل اپنا کا رخانہ ہے جو ترقی کا اک خزانہ ہے
صنعت اب نازش زمانہ ہے اب تو ماضی بھی اک فسانہ ہے
برکتیں ساتھ کتنی ہے لائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۴)

بھارتی فائز اس مقام پہ آج نہیں غیروں کے یہ رہے محتاج
ہے ترقی پذیر ان کا مزاج آج یورپ سے لے رہے ہیں خراج
خدمت اعزاز کا بھی پہنائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۵)

اہل بھارت ہیں صاحب ہمت همسر اوج آسمان رفعت
اور بالائے چرخ بر صنعت سارے عالم میں جسکی ہے شہرت
کرتے ہیں آج سارے دارائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۶)

پالیا ہم نے جوہر قابل ایٹمی دور میں ہوئے داخل
کیا ڈرائے گی قوت باطل جب ہے محکم دفاع کی منزل
کشمکش اب نہیں علاقائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۷)

ہم پہ کچھ آج ذمہ داری ہے ذمہ داری کا بوجھ بھاری ہے
قومی یکجہتی استواری ہے فیض اس کا ہمیشہ جاری ہے
لے کے آئی پیام دانائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۸)

آؤ سب مل کے یہ کریں پیمان جتنے بھارت میں بستے ہیں انسان
نہ کریں گے کسی کا بھی نقصان ہوں گے همدرد تاحد امکان
آئی ہے ساتھ لے کے رعنائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۱۹)

قائم ہم ہند کی رکھینگے شان اپنا بھارت ہے مرکز فیضان
یہی سب کا ہو مشترک ارمان قومی یکجہتی اور امن و امان
اور مرادوں کے موتی برسائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۰)

غنچہ و گل ہوں با سروسمن اتحاد ان کا زینت گلشن
اور رہے یاد سبرا روئے سخن ہے شہیدوں کے خون سے سبز چمن
یہی پیغام ساتھ ہے لائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۱)

ایک جائی دلوں کی شادابی ہم کو کرنی ہے اور ترقی ابھی
از سرنو کریں یہ عہد سبھی فرقہ واری فساد ہو نہ کبھی
قدر بھائی کی اب کرے بھائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۲)

یہ ہے بھارت ہمارا جو ہے وطن ہم لگا دینگے اس پہ تن من دھن
مختلف فرقوں میں ہو کیوں ان بن گل صد رنگ سے ہے شان چمن
دل کو اک اک ادا بھی ہے بھائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۳)

متن ہو شرح ہو کہ بست و کشاد جس کی تلخیص بھارتی آزاد
فیض جمہوریت سے دل آباد باہمی اتحاد زندہ باد
طرب و عیش کی گھٹا چھائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۴)

ہندو مسلم ہوں سکھ ہوں عیسائی ہیں سبھی فیض کے تمنائی
جب ہوئی ان سبھوں کی یکجائی چمن ہند میں بہار آئی
آئی اور آ کے پھول برسائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۵)

ایک اک فرد زور بازو ہے — گرچہ مسلم ہے گرچہ ہندو ہے
پھول کوئی ہے کوئی خوشبو ہے — پھر یہ کیوں قضیئہ من و تو ہے
رہے قائم ہماری یکتائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۶)

فیض جمہوریت حقیقت ہے — امن اس میں ہے لطف و راحت ہے
یہ مساوات کی ضمانت ہے — اس میں اقبال دولت عزت ہے
ساتھ کچھ اتنی عظمتیں لائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۷)

چاہے اشفاق ہوں بھگت بسمل — خون جمہوریت میں ہے شامل
اس میں ان سب کا ہے دھڑکتا دل — آج ہم کو ملی جو یہ منزل
بھارتیوں نے برتری پائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۸)

جاگ اٹھی ہے بھارتی تقدیر — اور غلامی کی کٹ گئی زنجیر
ہے شہیدوں کے خون کی تاثیر — مل گئی ہم کو خواب کی تعبیر
ہم نے دل کی مراد ہے پائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۲۹)

ہند بھی ہے عظیم قوم عظیم — کبھی ہوگی نہ آپسی تقسیم
فرض جمہوریت کی ہے تعلیم — ایک کی ایک اب کرے تعظیم
ہر بدی آج جس سے گھبرائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۳۰)

آؤ دھرائیں آج پھر منشور — ہر برائی کریں گے خود سے دور
قرب نیکی سے اور بدی سے نفور — اور ترقی پذیر اپنا شعور
پھر نئی ہوگی بزم آرائی
آئی چھبیس جنوری آئی

(۳۱)

جو ہے عارف کی سن لو وہ بھی عرض — کیا ہے جمہوریت ہم پہ فرض
ہمکو کرنا بھی ہے ادا یہ فرض — تاکہ جنت نشاں ہو ہند کی ارض
ہے ضروری دلوں کی یکجائی
آئی چھبیس جنوری آئی

* * * * *

اہل قلم حضرات کی خدمت میں

آندھرا پردیش کی معاشی ، زرعی صنعتی ، تعلیمی اور سماجی ترقی پر اتنے موضوعاتی مضامین ماہنامہ آندھرا پردیش اردو میں اشاعت کے لئے روانہ فرمائیے ۔ ہم بخوشی شائع کریں گے اپنی تخلیقات صاف و خوش خط کاغذ کے ایک رخ پر مناسب حاشیہ چھوڑتے ہوئے تحریر فرمائیں ۔

ہمیشہ ” غیر مطبوعہ “ تخلیقات ہی روانہ کیجئے اور مضمون کے خاتمہ پر ” غیر مطبوعہ “ ضرور تحریرفرمائیں ۔

ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے

ساغر کرناٹکی

مادرگیتی

کہاں ہے مادر گیتی ادھر بھی ایک نظر
ھٹادے دھر کے رخ سے یہ ملگجے سائے

وہ آفتاب ضیابار و ماھتاب کہاں
بھٹک رھی ہے نگہ بڑھ چلے ھیں اندھیرے

ترے سپوت غلامی کی تھپکیوں سے ھنوز
کچھ ایسے سوئے ھوئے ھیں کہ اٹھ نہیں سکتے

جو ھوشیار ھیں دو چار بھی تو یہ ڈر ہے
کہیں سلا نہ دے احساس کمتری ان کو

ابھی وھی ہے تمدن ابھی وھی تہذیب
گذر چکا ہے زمانہ ھزار سالوں کا

یہ تفرقہ یہ حسد اور یہ نشیب و فراز
نہ پا سکیں گے کبھی وسعتیں یہ تنگ قلوب

مکاں اجڑے ھوئے ھیں مکیں ھیں سہمے ھوئے
لرز رہے ھیں دل و جاں یقیں ہے ڈھل مل

لگے ھیں گردش ایام کی جو ٹھوکر سے
نشاں قلوب پہ اپنے وہ مرتسم ھیں ابھی

متاع صبر و سکوں کا خدا ھی حافظ ہے
کہ انقلاب کے شعلے لپک رہے ھیں ابھی

فراریت تو فقط بزدلوں کا شیوا ہے
جمود زیست کو ھم پاش پاش کردیں گے

بڑھے چلیں گے اسی جوش سے قدم بہ قدم
نہ ھوگا دامن ھستی پناہ مایوسی

کہاں ہے مادر گیتی ادھر بھی ایک نظر
ھٹا دے ابر سیہ پھوٹے روشنی کی کرن

گلی گلی ھو چراغاں چمن چمن ھو بہار
رخ فسردۂ گیتی پر آئے تازہ نکھار

* * *

رام پرکاش راھی

غنیمت

کبھی کبھی ، کچھ خوشی کے لمحے
کبھی کبھی ، ایک بے خیالی میں بے نیازی کی چند گھڑیاں
اور ان کے مابین اداسیوں کے طویل وقفے
یہی تو ھیں ، لے دے کے میری بساط ھستی کے جلتے بجھتے
سمٹتے اور لہلہاتے تیور

انہیں کے دم سے
کبھی کبھی جیسے بھولی بھٹکی
مری نگاھوں کے آئینے میں ۔ دھنک کی رنگینیاں سی جھلکیں
کبھی کبھی ، جیسے کپکپا کر
مرے لبوں کی خزاں رسیدہ ، چٹختی ، بوسیدہ پتیوں سے
ھراک اجنبی سے لطیف لہجے کی اوس بن کر ۔
ھنسی کی نمکینیاں سی ڈھلکیں
انہیں کے دم سے ، کبھی کبھی پھر

جو کرب تخلیق کے اجانے ، ادیکھے منتھن کا ساتھ دے کر
غموں کے گھرے ، بسیط قلزم کی وسعتوں میں
ھمکتی موجوں کے بے محابا ، مچلتے لبریز دائروں سے
غزل کی شیر نیاں سی چھلکیں
تو میں غنیمت ھی جان لوں گا !
کچھ اور جینے کی ٹھان لوں گا

* * *

بمل کرشن اشک

با سبب لفظ

ہر ایک شئے ایک با سبب لفظ کا سہارا لئے ہوئے ہے

اک آسماں خم ہے میرے سر پر

زمین قدموں کو چھورہی ہے

میں گنگنا تا ہوں سارا عالم پکارتا ہے

وہ لفظ کیا ہے میں بھولتا ہوں

میں پوچھتا ہوں تو آسماں اور زمین میرے کہیں زیادہ قریب ہو کر

مجھی سے وہ نام پوچھتے ہیں

وہ نام میرا نہ جانے کیوں مجھ سے پوچھتے ہیں

اور اس طرف سے

نہ جانے وہ کونسی طرف ہے

صدا سی آتی ہے لفظ میں ہوں

وہ نام میں ہوں

مجھے یہ لگتا ہے لفظ مرا سنا ہوا ہے

مجھے یہ لگتا ہے با سبب نام میرے سانسوں میں گونجتا ہے

مگر نہ جانے وہ لفظ کیا ہے وہ نام کیا ہے

نہ جانے وہ کونسی طرف ہے

نہ جانے کسکی صدا سی آتی ہے لفظ میں ہوں

وہ نام میں ہوں

* * * *

(ڈاکٹر) مظفر حنفی

غزل

نہ خار و گل ہیں نہ غنچے بہار سے روشن
مبھی چراغ ہیں برق و شرار سے روشن

ہر اک سانس تری یاد سے معطر ہے
ہر ایک لمحہ ترے انتظار سے روشن

قدم قدم پہ ہے اک سنگ میل ناکامی
یہ راستہ ہے ہمارے غبار سے روشن

ہماری آنکھ ستاروں پہ کس طرح ٹھہرے
حباب آسا ہے اپنے خمار سے روشن

پہاڑ جیسی سیہ رات ہم نے کردی ہے
لہو لہان بدن کے چنار سے روشن

ہوا کے آہنی پر ہیں، صدا کی نیلی آنکھ
اب آشیانہ ہے بجلی کے تار سے روشن

عجیب شئے ہیں مظفر چراغ فکر و نظر
کہ ہیں سکون میں گل انتشار سے روشن

***

ڈاکٹر ۔ اسمٰؔ سعیدی

غزل

یہی لکھا تھا مقدر میں کچھ حصول نہ ہو
تری جناب میں اپنی دعا قبول نہ ہو

دل و دماغ ہی پہ اس کا جب نزول نہ ہو
وہ عشق کیا رگ و ریشہ میں جو حلول نہ ہو

یہی حیات کی اصل و اساس ہے اے دل
ہر ایک حال میں خوش رہ کبھی ملول نہ ہو

یہ زندگی بھی عطا کی تو اس طرح یا رب
غموں کے خار ہوں اس میں خوشی کا پھول نہ ہو

ہزار آفتیں اس میں شریک کر کے بھی
یہ جبر و امر کہ اس زندگی کو طول نہ ہو

بہت دنوں میں نظر بھر کے آج دیکھا ہے
یہ التفات کہیں ان کی ایک بھول نہ ہو

دعائے نیم شبی ہو کہ آہ صبح و مسا
کریں گے کیا کہ اثر ان کا جب قبول نہ ہو

وقار اس کا نہ توقیر و قدر ہی اسکی
دل و دماغ پہ جس علم کا نزول نہ ہو

ہزار ضبط کے باوصف بھی نہیں ممکن
نگاہ شدت اندوہ سے ملول نہ ہو

ہمیشہ مورد آلام اس کو دیکھا ہے
وہ زندگانی کہ جس کا کوئی اصول نہ ہو

ہر اک نشاط تو شایان شان نہیں ہوتی
خوشی وہ کب ہے طبیعت کو جو قبول نہ ہو

ہزاروں غم میں بھی اسمٰؔ یہی رہی کوشش
نگاہ خون فشاں اور دل ملول نہ ہو

* * * *

حرمت الاکرام

کوئی نہیں ہے

میں اپنے اندر کی دنیا میں کھو جاؤں
چادر تانوں اور سو جاؤں

لیکن ، یہ مواج لہو

یہ شریانوں میں دوڑتی ہلچل
جیسے برکھا میں کوئی طوفانی دریا

سینہ اتنا گونج اٹھتا ہے ——
سانسوں کی رو کھو جاتی ہے

رک رک کر ہلکی ہلکی سی دستک کی آواز آتی ہے
باہر کی دہلیز پہ ، جانے کون کھڑا ہے

(کیا کہنا ہے؟ کیوں آیا ہے!)
لاؤ ، ایک خطا کر ڈالوں
دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں

یہ کہلا دوں

جاؤ ، گھر میں کوئی نہیں ہے
(گھر میں میرا رہنا بھی کیا!)

* * * *

دوسرا بوجھ

وہ میرے کاندھے ہوں یا تمہارے

سبھی کے کاندھوں پہ
بوجھ ہے روز و شب کی
سفاک کلفتوں کا ،

یہ چاہتے ہو کہ بوجھ اپنا بھی

کردو تم غیر کے حوالے ،
وہ میں ہوں یا کوئی اور

لائے کہاں سے آخر اک اور کاندھا
اگر ہے ممکن تو صرف اتنا
تمہارے کاندھوں کا بوجھ میں اپنے دل پہ لے لوں

یہی ہوا بھی ،

مگر —— سنبھالوں یہ بوجھ کیسے ؟
کہ تم سبک سار ہو نہ پائے !

* * * *

بشیر وارثی

قومی یکجہتی

یک جہتی دیش کا دستور ہے یک جہتی قوم کو منظور ہے

یک جہتی ہند کی مشہور ہے یک جہتی سے جہاں مسرور ہے

یک جہتی ہے تو بس جمہور ہے یک جہتی قومیت کا نور ہے

یک جہتی سے فروغ ملک و قوم یک جہتی ہو تو دشمن دور ہے

یک جہتی کیا ہے اک روشن چراغ یک جہتی قوت مزدور ہے

یک جہتی ربط باہم کا ہے نام یک جہتی سے دلوں میں نور ہے

یک جہتی گر نہو تو ہے نراج قوت عزم و عمل معذور ہے

دو نفس دنیا بسا کر کہہ گئے یک جہتی سے جہاں معمور ہے

یک جہتی مشعل راہ وفا یک جہتی پر بشر مسرور ہے

یکجہتی کا کبھی چھوڑے نہ ساتھ قوم کو عظمت اگر منظور ہے

خود خدائے پاک کہتا ہے بشیر
یک جہتی زندگی کا نور ہے

* * * *

یونس رحمانی

دو غزلیں

صحرا میں بھی ہونے لگی ہیں جنت کی تعمیریں اب
گلشن گلشن کیوں ناچیں پھر وحشت کی تصویریں اب

سچی باتیں بن جائیں گی میرے لئے تقصیریں اب
ٹوٹ پڑیں گی سر پر میرے لہراتی شمشیریں اب

لکھنے چلا ہوں اپنے لہو سے خود اپنا افسانہ غم
پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے لوگ مری تحریریں اب

بحر حوادث میں ہم اتریں گردابوں میں کود پڑیں
طوفانوں سے لکر ایکر موج کا سینہ چیریں اب

دھیرے دھیرے بزم میں ان کی جا پہونچے گا عزم جواں
پیچھے پیچھے میرے چلیں گی تعظیمیں توقیریں اب

خیمہ خواب میں رقص کناں تھے کیسے کیسے نظارے
آنکھ کھلی تو ڈھونڈ رہا ہوں میں ان کی تعبیریں اب

اس نگری میں انسانوں کا چین سے رہنا مشکل ہے
آؤ بدل ڈالیں مل جل کر ہم اپنی تقدیریں اب

حرف پہیلی لفظ معمہ سب یونس کا افسانہ
لکھنی ہوں جن کو وہ لکھیں تشریحیں اور تفسیریں اب

* * * *

چلو گے ساتھ مرے ہے یہ حوصلہ کہ نہیں
تمہارا عزم سفر خواب سے اٹھا کہ نہیں

خیال و خواب کی وادی میں گھومنے والو
تمہاری زیست کا ہے کوئی مدعا کہ نہیں

تم اپنے آپ کو تنہا سمجھ رہے ہو عبث
تمہارے ساتھ ہے یادوں کا قافلہ کہ نہیں

میں اپنا جسم لئے تھا جہاں جہاں گذرا
وہاں وہاں سے دھواں اب تلک چھٹا کہ نہیں

اسی فراق میں چلتی رہی یہ تیز ہوا
شجر سے ٹوٹ کے پتہ کوئی گرا کہ نہیں

میں اپنے شہر کے لوگوں سے پوچھتا ہی رہا
مرے لئے کسی چہرے نے کچھ کیا کہ نہیں

ہے مرے ہاتھ پہ اب آفتاب خوش بختی
سمند فکر بجھے آج لے اڑا کہ نہیں

میں اپنے آپ سے بیزار ہوگیا یونس
تمہیں پسند ہوا میرا فیصلہ کہ نہیں

* * * *

بسنت کمار بسنت

دو غزلیں

جلووں سے تیرے قلب مرا ضو فشاں رہے
پردہ نہ کوئی میرے ترے درمیاں رہے

کیف شباب ، حوصلہ دل جواں رہے
تا زندگی وہ شوخ اگر مہرباں رہے

میری جبین شوق ترا آستاں رہے
کچھ تو خلوص و مہر و وفا کا نشاں رہے

عرض نیاز ہنس کے نہ ٹالو بجا نہیں
اچھا نہیں کہ تم سے کوئی بدگماں رہے

پاس وقار یار رہا کہہ سکے نہ کچھ
ہم تو زبان رکھتے ہوئے بے زباں رہے

ہالا تھا جن کو خوں سے وہ آستیں کے سانپ
تا عمر ہم سے بد ظن و دامن کشاں رہے

پی لوں گا اوس نگاہ سے چھلکی جو شیخ جی
شیشہ ، سبو ، نہ جام و مئے ارغوں رہے

ہم بے نیاز راحت و غم تھے زمانے میں
نوحہ کناں رہے نہ کبھی نغمہ خواں رہے

وہ کام کر کہ یاد کریں سب تجھے بسنت
شہرت ہو لب پہ سب کے تری داستاں رہے

* * * *

کسی سے مانگنا کچھ ہم کو فرمانا نہیں آتا
بھکاری کی طرح ہاتھ ہم کو پھیلانا نہیں آتا

مسائل ہوں ، الم ہو ، گردش دوراں ہو ، طوفاں ہو
ہے جن میں جوش و ہمت انکو گھبرانا نہیں آتا

وہ کیا سلجھائیں گے محبوب کے گیسوئے پیچاں کو
جنہیں خم گیسوئے دوراں کے سلجھانا نہیں آتا

وہ ہم ہیں ، راہ کے پتھر ہٹا کر پھینک دیتے ہیں
ہمیں اپنا قبا خاروں سے الجھانا نہیں آتا

نگاہ ساقی مئے بار سے پی لیں تو ہم پی لیں
کسی میکش کے خم سے پی کے چھلکانا نہیں آتا

جنوں کے دور میں کیا کر رہے ہیں سب خرد والے
انہیں کیوں عقل کے ماروں کو سمجھانا نہیں آتا

چلے ہیں راہ حق پر ہم بسنت ایک عزم نو لے کر
ارادے مستقل ہیں ہم کو ڈر جانا نہیں آتا

* * * *

یونس رحمانی

دو غزلیں

صحرا میں بھی ہونے لگی ہیں جنت کی تعمیریں اب
گلشن گلشن کیوں ناچیں پھر وحشت کی تصویریں اب

سچی باتیں بن جائیں گی مرے لئے تقصیریں اب
ٹوٹ پڑیں گی سر پر میرے لہراتی شمشیریں اب

لکھنے چلا ہوں اپنے لہو سے خود اپنا افسانہ غم
پڑھتے پڑھتے تھک جائیں گے لوگ مری تحریریں اب

بحر حوادث میں ہم اتریں گردابوں میں کود پڑیں
طوفانوں سے لکر ایکر موج کا سینہ چیریں اب

دھیرے دھیرے بزم میں ان کی جا پہونچے گا عزم جواں
پیچھے پیچھے میرے چلیں گی تعظیمیں توقیریں اب

خیمہ خواب میں رقص کناں تھے کیسے کیسے نظارے
آنکھ کھلی تو ڈھونڈ رہا ہوں میں ان کی تعبیریں اب

اس نگری میں انسانوں کا چین سے رہنا مشکل ہے
آؤ بدل ڈالیں مل جل کر ہم اپنی تقدیریں اب

حرف پہیلی لفظ معمہ سب یونس کا افسانہ
لکھنی ہوں جن کو وہ لکھیں تشریحیں اور تفسیریں اب

* * * *

چلو گے ساتھ مرے ہے یہ حوصلہ کہ نہیں
تمہارا عزم سفر خواب سے اٹھا کہ نہیں

خیال و خواب کی وادی میں گھومنے والو
تمہاری زیست کا ہے کوئی مدعا کہ نہیں

تم اپنے آپ کو تنہا سمجھ رہے ہو عبث
تمہارے ساتھ ہے یادوں کا قافلہ کہ نہیں

میں اپنا جسم لئے تھا جہاں جہاں گذرا
وہاں وہاں سے دھواں اب تلک چھٹا کہ نہیں

اسی فراق میں چلتی رہی یہ تیز ہوا
شجر سے ٹوٹ کے پتہ کوئی گرا کہ نہیں

میں اپنے شہر کے لوگوں سے پوچھتا ہی رہا
مرے لئے کسی چہرے نے کچھ کیا کہ نہیں

ہے مرے ہاتھ پہ اب آفتاب خوش بختی
سمند فکر مجھے آج لے اڑا کہ نہیں

میں اپنے آپ سے بیزار ہوگیا یونس
تمہیں پسند ہوا میرا فیصلہ کہ نہیں

* * * *

بسنت کمار بسنت

دو غزلیں

جلووں سے تیرے قلب مرا ضو فشاں رہے
پردہ نہ کوئی میرے ترے درمیاں رہے

کیف شباب ، حوصلہ دل جواں رہے
تا زندگی وہ شوخ اگر مہرباں رہے

میری جبین شوق ترا آستاں رہے
کچھ تو خلوص و مہر و وفا کا نشاں رہے

عرض نیاز ہنس کے نہ ٹالو بجا نہیں
اچھا نہیں کہ تم سے کوئی بدگماں رہے

پاس وقار یار رہا کہہ سکے نہ کچھ
ہم تو زبان رکھتے ہوئے بے زباں رہے

پالا تھا جن کو خون سے وہ آستیں کے سانپ
تا عمر ہم سے بد ظن و دامن کشاں رہے

پی لوں گا اوس نگاہ سے چھلکی جو شیخ جی
شیشہ ، سبو ، نہ جام و مئے ارغواں رہے

ہم بے نیاز راحت و غم تھے زمانے میں
نوحہ کناں رہے نہ کبھی نغمہ خواں رہے

وہ کام کر کہ یاد کریں سب تجھے بسنت
شہرت ہو نب پہ سب کے تری داستاں رہے

* * * *

کسی سے مانگنا کچھ ہم کو فرمانا نہیں آتا
بھکاری کی طرح ہاتھ ہم کو پھیلانا نہیں آتا

مسائل ہوں ، الم ہو ، گردش دوراں ہو ، طوفاں ہو
ہے جن میں جوش و ہمت انکو گھبرانا نہیں آتا

وہ کیا سلجھائیں گے محبوب کے گیسوئے پیچاں کو
جنہیں خم گیسوئے دوراں کے سلجھانا نہیں آتا

وہ ہم ہیں ، راہ کے پتھر ہٹا کر پھینک دیتے ہیں
ہمیں اپنا قبا خاروں سے الجھانا نہیں آتا

نگاہ ساقی سے بار سے پی لیں تو ہم پی لیں
کسی میکش کے خم سے پی کے چھلکانا نہیں آتا

جنوں کے دور میں کیا کر رہے ہیں سب خرد والے
انہیں کیوں عقل کے ماروں کو سمجھانا نہیں آتا

چلے ہیں راہ حق پر ہم بسنت اک عزم نو لے کر
ارادے مستقل ہیں ہم کو ڈر جانا نہیں آتا

* * * *

سکندر ضمیر

غزل

نہ کوئی ہمدم، نہ کوئی دلبر، عجیب عالم ہے بیکسی کا
غرض کے بندے بنے ہیں "انسان"، خدا ہی حافظ ہے آدمی کا

بچھڑ کے تم مجھ سے جا رہے ہو، تو سب کو غمگیں بنا رہے ہو
اداس دیوار و در ہیں گھر کے، بجھا ہے چہرہ بھی چاندنی کا

بنا وہ معیار سجدہ بندے، جبیں میں خود جذب آستاں ہو
فنا جو تو نے کیا نہ خود کو صلہ ملے گا نہ بندگی کا

دلوں میں ارماں کے گل کھلا لو، چلو کہ جشن طرب منا لو
یہ دن بدل جائے شام میں کب، کوئی بھروسہ ہے زندگی کا

کسی کے جلوؤں میں کھو گیا ہوں، سراپا خود نور ہو گیا ہوں
اب اہل دانش کریں تعین مقام و معیار عاشقی کا

سفینہ جب دل کی حسرتوں کا ضمیر ساحل پہ آ کے ڈوبا
عجیب پر درد تھا وہ منظر، عجیب عالم تھا بیکسی کا

* * *

نظیر علی عدیل

غزل

اگر ہے سلسلہ رنج و غم یہی اے دوست
قدم نہ رکھیں گے دنیا میں پھر کبھی اے دوست

حیات کرلی قبول اتباع آدم میں
مرے نصیب میں اب غم ہو یا خوشی اے دوست

نہ رک سکے گی کبھی رات کی سیاہی سے
سحر کے حصے میں آئی ہے روشنی اے دوست

نہ پوچھ حال مرا بات دور جائے گی
گزارتا ہوں بہر حال زندگی اے دوست

دیا ہے ساتھ یہاں تک جنون بلبل کا
ہوئی ہے چاک گریباں کلی کلی اے دوست

تمام عمر جگاتا رہا مقدر کو
پھر اس کے بعد مجھے نیند آ گئی اے دوست

عدیل بھی انہیں زندہ دلوں میں شامل ہے
جو تیرے غم کو سمجھتے میں زندگی اے دوست

* * * *

కుటుంబసంక్షేమమే దేశసౌభాగ్యము

آندھرا پردیش
مارچ

آندھرا پردیش

ترتیب — صفحہ

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے – فی پرچہ ۵۰ پیسے

چندہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے ۔

وی - پی - بھیجنے کا قاعدہ نہیں ہے -

ظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش

نے شائع کیا
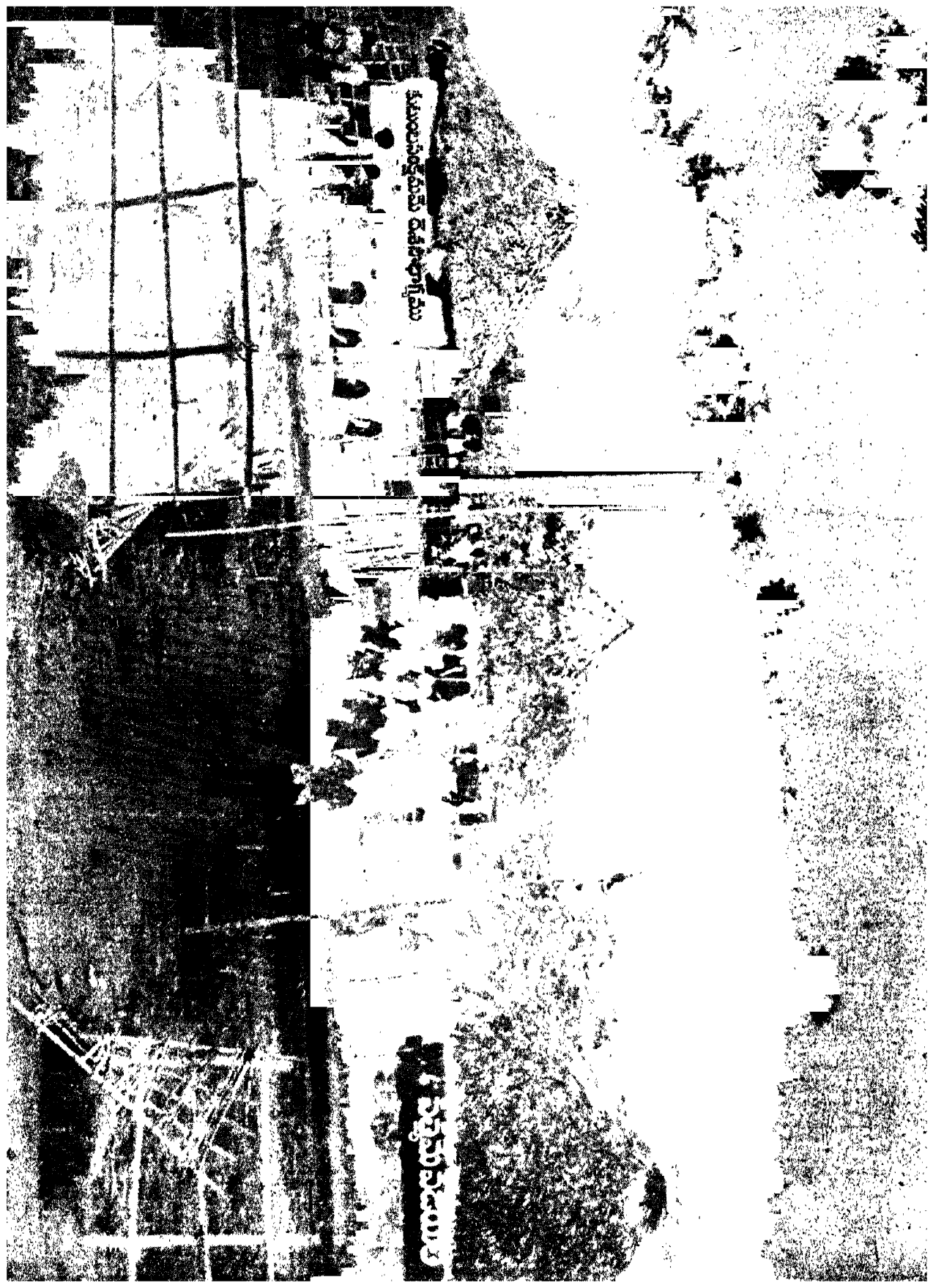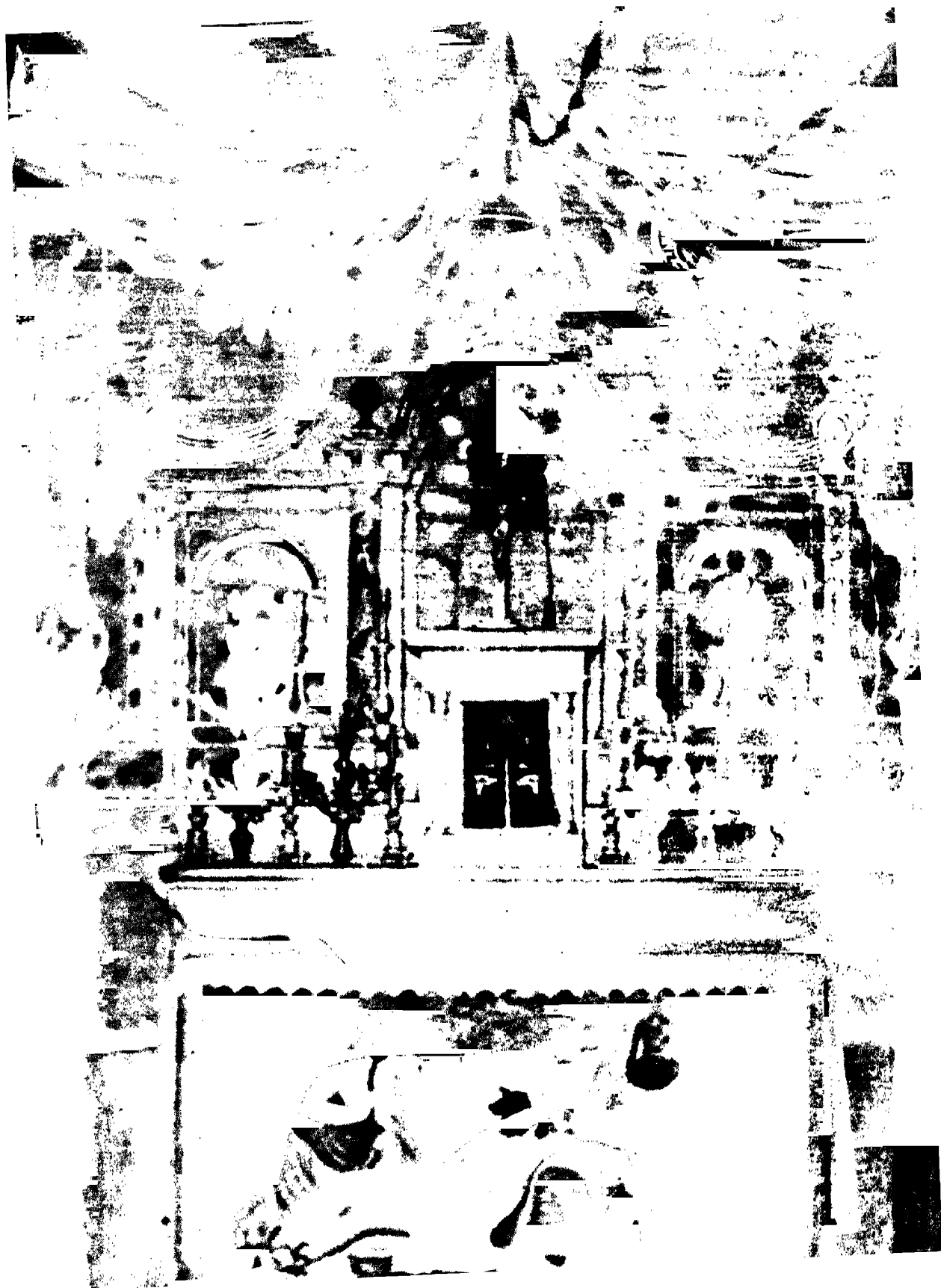
ایڈیٹر

ملک محمد علی خاں

★

ماہ مارچ سنہ ۱۹۸۰ ع

کھا - ماگھ - پالگن

جلد نمبر ۲۵ شمارہ نمبر ۳

سرورق کا پہلا صفحہ

بہ شکریہ

(تصویر) اوگادی تہوار کا ایک منظر (اے - پی - للت کلا اکیڈیمی)

* * *

سرورق کا دوسرا صفحہ

لفٹ اریگیشن اسکیم

* * *

سرورق کا تیسرا صفحہ

جرسی و مرا نسل کی انعام یافتہ گائیاں

* * *

سرورق کا چوتھا صفحہ

گنے کی تیار فصل (فوٹو شری نند گوپال نائیڈو)

* * *

پتہ

گرھا کلپا کامپلکس

مکرم جاھی روڈ ، حیدر آباد نمبر ۵۰۰۰۰۱ (اے - پی)

ٹیلیفون نمبر ۳۵۷۰۳ — ۳۵۷۰۱

سعادت نظیر

حق کی فتح

(مسز اندرا گاندھی سے خطاب)

کہیں تھی باد حوادث ، کہیں تھی باد سموم
کہیں یہ صرصر و طوفاں کا حشر خیز ہجوم

کہیں تو کس سے کہیں ؟ ہم نے کیا سہے ہیں ستم
رہ وفا میں ہوا ہے نہ پھر بھی حوصلہ کم

گری ہیں صحن گلستاں میں بجلیاں کیا کیا !
کسے سنائیں کہ آئی ہیں آندھیاں کیا کیا ؟

مگر وہ شمع فروزاں ہو تم ، خدا رکھے !
جسے ہوائے مخالف کبھی بجھا نہ سکے

پلٹ کے رکھ دیا تاریخ کا ورق تم نے
دیا ہے اہل جہاں کو نیا سبق تم نے

بجا ہے لوگ جو بھارت رتن کہیں تم کو
غلط نہیں جو وقار چمن کہیں تم کو

نشان دور خزاں کے مٹا دیئے تم نے
حیات بخش کرشمے دکھا دیئے تم نے

تمہاری فکر جواں ہے، یقین ہے محکم
نظر بلند ، سخن دل نشیں ، عمل پیہم

مفکرین تمہیں " عہد ساز " کہتے ہیں
تمہارے کام کو " صد مایہ ناز " کہتے ہیں

بلند تر ہے تمہارا مذاق راہ دی
کہ تم کو پیچ و خم راہ سے ہے باخبری

یقین ہے کہ پھر آئے گی گلستاں میں بہار
فضائے لالہ و گل ہوگی مطلع انوار

کہیں نہ ہوگی شب غم ، نہ تیرگی ہوگی
تمہارے دور میں ہر سمت روشنی ہوگی

دلیل صبح کی ، سرخی شفق کی ہوتی ہے
ہمیشہ فتح نتیجے میں حق کی ہوتی ہے

* * * *

رشیدالدین

آندھرا پردیش میں اردو کا موقف

ریاست آندھرا پردیش وفاق ھندوستان میں کئی حیثیتوں سے اھمیت کی حامل ھے حروف تہجی کے لحاظ سے ساری ریاستوں میں اس کا نام سب سے پہلے لکھا جاتا ھے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ ھندوستان کی تیسری اور رقبہ کے لحاظ سے چوتھی بڑی ریاست ھے یہ معدنی اور جنگلاتی وسائل سے مالامال ھے اور یہاں کے باشندے بیحد روا دار ھیں اور ان کی مسلک صلح کل ھے یہ شمال اورجنوب کے درمیان ایک سنگم ھے۔تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے یہ بھی یہ ایک امتیازی خصوصیت کی حامل ھے اورماضی میں یہاں کئی بڑی ریاستیں اور حکومتیں قائم رہ چکی ھیں جن کی تاریخی اور ثقافتی نشانیاں یہاں آج بھی جگہ جگہ موجود ھیں ۔ یہاں کی بڑی زبان تلگو ھے جس کے بعد اردو کا نمبر آتا ھے ۔ خصوصاً اس ریاست کے تلنگانے اور رائلسیما کے علاقہ میں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد بستی ھے اور اس کا صدر مقام حیدر آباد ایک کاسموپالٹین شہر ھے جہاں اردو زبان وکلچر کی چھاپ نمایاں ھے۔

آندھراپردیش کو اس لحاظ سے بھی اھمیت حاصل ھے کہ یہ لسانی بنیادوں پر قائم ھونے والی ھندوستان کی پہلی ریاست ھے اور اس کے بعد ھی مرکزی حکومت ھندوستان کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کرنے پر مجبور ھوگئی اور فضل علی کمیشن کا قیام عمل میں آیا جس کی سفارشات کی روشنی میں یکم نومبر ۱۹۵۶ کو سارے ھندوستان کی لسانی بنیادوں پر تنظیم جدید عمل میں آئی اور اس تاریخ کو موجودہ ریاست آندھرا پردیش وجود میں آئی جسے وشال آندھرا بھی کہا جاتا ھے۔ ایک اھم بات یہ ھے کہ فضل علی کمیشن نے اس ریاست کو لسانی بنیادوں پر متحد کرنے کی مخالفت کی تھی اور اپنی سفارشات میں تلگو کی ایک اور ریاست تلنگانہ اسٹیٹ کی بھی سفارش کی تھی جسے قبول کرانیے مرکزی حکومت بھی آمادہ تھی لیکن یہ اردو والے ھی تھے جن کی وجہ سے موجودہ آندھرا پردیش قائم ھوا۔

تفصیل اس پس منظر کی یہ ھے کہ سابق ریاست حیدرآباد تین لسانی منطقوں پر مشتمل تھی۔ تلنگانہ ، کرناٹک اورمرھٹواڑہ تلنگانہ میں تلگو بولی جاتی تھی کرناٹک میں کنڑی اور مرھٹواڑہ میں مرھٹی۔ جب لسانی بنیادوں پر تنظیم جدید کا وقت آیا تو کمیشن نے مرھٹواڑہ کی مہاراشٹرا اور کرناٹک کی میسور میں شمولیت کی سفارش کی لیکن تلنگانہ کا علحدہ ریاست کی وکالت کی کیونکہ یہاں کی مقامی تلگودان علحدہ ریاست کے قیام کے خواھاں تھے اور اس سلسلہ میں فضل علی کمیشن سے زبردست نمائندگی کی گئی تھی ، لیکن جہاں تک اردو داں افراد کا تعلق تھا وہ متحدہ آندھرا پردیش کے حامی تھے کیونکہ انہیں ایک بڑی ریاست میں اپنے مفادات زیادہ محفوظ معلوم ھوتے تھے ۔ مولانا ابوالکلام علیحدہ ریاست تلنگانہ کے حامی تھے۔ اور مرکز میں وہ فضل علی کمیشن کی سفارشات کی تائید میں تھے جب کہ پنڈت جواھر لال نہرو اور مرکزی قائدین متحدہ ریاست چاھتے تھے ۔

اس گومگوں کی کیفیت میں اردو والوں نے کلیدی رول ادا کیا اور محض ان کی وجہ سے موجودہ ریاست آندھرا پردیش کا قیام عمل میں آیا۔ لسانی کمیشن کی سفارشات پر قطعی فیصلہ سے قبل انجمن ترقی اردو کا ایک وفد دلی گیا جس میں پروفیسر حبیب الرحمن، میرعابد علی خان، میراحمد علی خان اور انجمن کے دیگر عہدہ دار شامل تھے ۔ اس وفد نے اس وقت کے وزیراعظم پنڈت جواھر لال نہرو سے ملاقات کی اور ان پر واضح کیا کہ اردو والے متحدہ ریاست کے حامی ھیں ۔ پنڈت جی نے ان سے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ھے وہ بھی یہی چاھتے ھیں لیکن مولانا ابولکلام آزاد جو اس وقت کے مرکزی وزیرتعلیم اور کابینہ کے سب سے بااثر رکن تھے۔ اس کے سخت خلاف ھیں پنڈت گووند ولبھ پنت وزیرداخلہ نے بھی یہی کہا۔چنانچہ یہ وفد پارلیمنٹ کے اجلاس کے دوران وقت نکال کر مولانا سے ملا اور ان پر واضح کیا کہ اردو والے متحدہ آندھرا پردیش چاھتے ھیں ۔ مولانا نے کہا کہ اگر آپ کی یہی خواھش ھے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں میں تو سمجھ رہا تھا کہ چھوٹی ریاست میں آپ کے مفادات زیادہ محفوظ رھیں گے۔

اس طرح آندھرا پردیش کا قیام محض اردو والوں کی وجہ سے ممکن ھوسکا ۔ یہی وجہ ھے کہ آندھرا پردیش کے پہلے

وزیر اعلیٰ شری نیلم سنجیوا ریڈی نے جو اس وقت صدر جمہوریہ کے جلیل القدر عہدہ پر فائز ہیں نظام کالج میں منعقدہ اردو فیسٹول میں یہ تاریخی اعلان کیا کہ اردو آندھرا پردیش کی دوسری سرکاری زبان ہوگی۔ اور اسے تمام ممکن سہولتیں دی جائیگی۔ اس وقت سے لیکر آج تک یہاں حکومت وقت اور اردو والوں کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات چلے آرہے ہیں۔ اور آئے دن اردو والوں کے لئے حکومت کی جانب سے کسی نہ کسی رعایت کا اعلان کیا جاتا ہے اور مختلف حکم اور جاری کئے جاتے ہیں۔ اردو کو ریاست کی دوسری سرکاری زبان قرار دئے جانے کے متعلق سے کچھ قانونی اور انتظامی مجبوریاں ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں ہوسکا لیکن اس کے باوجود قانون سرکاری زبان آندھرا پردیش کی دفعہ ۲ میں اردو کا ذکر ہے اور اس کے استعمال کی قانونی طاقت دی گئی ہے۔

آندھرا پردیش کا علاقہ تلنگانہ وہ رقبہ ہے جہاں کی سرکاری زبان سابق ریاست آندھرا پردیش میں اردو تھی لیکن آج بھی ریاست آندھرا پردیش کے اس علاقہ کے عوام اردو کے تعلق سے کسی محرومی کا شکار نہیں یہاں آج بھی اردو کا ایک علحدہ ڈگری کالج قائم ہے جس کا نام ہی اردو کالج ہے۔ ہندوستان بھر میں یہ اپنی نوعیت کا واحد کالج ہے اس کالج کے علاوہ بہت سے سرکاری اور خانگی کالجوں میں اردو کی جماعتیں قائم ہیں۔ یہاں بہت سے مدارس بھی اردو میڈیم کے ہیں اور اردو اساتذہ کی قابل لحاظ تعداد بھی اس ریاست میں موجود ہے۔ اردو کے ساتھ ہندوستان میں ایک مشکل یہ ہے کہ اس کا اپنا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ کشمیر کی سرکاری زبان ضرور اردو ہے لیکن وہاں کی حکومت اور عوام اردو سے زیادہ کشمیری سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں آندھرا پردیش اردو کی واحد ریاست ہے جہاں اردو کا موقف انتہائی اچھا ہے۔ ریاست کے موجودہ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر چنا ریڈی کا شمار اردو داں افراد میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی ساری تعلیم اردو ہی میں مکمل کی اور ان کے ملنے والوں میں آج بھی اردو والوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ انہیں اردو کے بہت سے اشعار ازبر ہیں۔ آج سے دس بارہ سال قبل جب وہ مرکز میں وزیر فولاد تھے تو کانگریس پارٹی کی ایک میٹنگ میں شریمتی تارا کشوری سنہا نے کسی بات کے سلسلہ میں یہ مصرعہ پڑھا —

سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد

ڈاکٹر چنا ریڈی نے فوری شعر مکمل کیا۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد
سرخرو ہوتا ہے انسان ٹھوکریں کھانے کے بعد

آندھرا پردیش میں سرکاری سطح پر تلگو کو جو سہولتیں حاصل ہیں کم و بیش وہی سہولتیں اردو کو بھی حاصل ہیں۔

یہاں عوام اور سرکاری عہدہ داروں کی سہولت کیلئے ایک محکمہ ترجمہ قائم ہے جہاں تمام عوامی اور سرکاری کارروائیوں اور کاغذات کا تلگو سے انگریزی یا انگریزی سے تلگو میں ترجمہ ہوتا ہے۔ اس محکمہ میں تلگو کے علاوہ اردو ترجمہ کا بھی انتظام ہے اور نہ صرف اردو بلکہ مرہٹی، ٹامل اور ہندی ترجموں کا بھی یہاں اہتمام کیا جاتا ہے۔ اردو کا تو یہاں باضابطہ ایک صیغہ قائم ہے جہاں ایک گزیٹیڈ عہدہ دار اور چھ مترجمین موجود ہیں راقم الحروف کا تعلق بھی اسی محکمہ سے ہے۔ ریاستی اسمبلی میں جتنے مسودات قانون پیش ہوتے ہیں اور جنہیں بعد میں قانون کی شکل دی جاتی ہے ان سب کا تلگو کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی ترجمہ کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ اجلاس موازنہ کے دوران وزیر مالیہ کی تقریر اور دیگر وزرأ کی تمام تقاریر جو اسمبلی میں مطالبات زر کی منظوری کے سلسلہ میں کی جاتی ہیں ان کا تلگو کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اور اسمبلی میں ان کی پیشکشی لازمی ہوتی ہے کیونکہ اسپیکر کی جانب سے اس کا لزوم عائد ہے۔

حکومت آندھرا پردیش کے محکمہ اطلاعات میں بھی اردو کا ایک صیغہ موجود ہے جہاں ایک گزیٹیڈ عہدہ دار کے علاوہ دو مترجمین اور ایک ریڈر موجود ہے۔ یہاں سے تمام اردو اخبارات کو سرکاری صحافتی اعلامیوں کا اردو ترجمہ سربراہ کیا جاتا ہے اس کے علاوہ سرکاری پروگراموں اور پالیسیوں سے متعلق مضامین اور فیچر بھی یہاں سے اردو اخبارات کو سربراہ کئے جاتے ہیں۔ اس محکمہ سے اردو اخبارات کو اشتہارات بھی جاری کئے جاتے ہیں۔ محکمہ اطلاعات کا رسالہ " آندھرا پردیش تلگو، انگریزی اور ہندی کے علاوہ اردو میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔ گزشتہ ایک سال سے اس کے ایڈیٹر اردو کے مشہور صحافی ملک محمد علی خان ہیں جو اس رسالہ کی اشاعت کو باقاعدہ بنانے اور اسے بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرنے کے لئے شب و روز محنت کر رہے ہیں۔ آندھرا پردیش کی ادارت ان کی نوکری بھی ہے اور ذوق کی تسکین کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ وہ اپنی بیشتر کوششوں میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ آئندہ چند ماہ میں یہ رسالہ آفسیٹ پر شائع ہوا کریگا اور اسے ٹائپ کی بجائے کتابت سے مزین کیا جائیگا۔ اس سلسلہ میں ایک کاتب کا باضابطہ تقرر عمل میں آ چکا ہے۔ یہ رسالہ اپنے لکھنے والوں کو سب سے زیادہ معاوضہ ادا کرتا ہے۔ اس کا معاوضہ پچیس (۲۵) روپیہ فی صفحہ ہوتا ہے جو زیادہ سے زیادہ سو (۱۰۰) روپیہ کے تابع ہے۔ محکمہ اطلاعات کے صیغہ اردو کی تنظیم جدید زیر غور ہے۔ توقع ہے کہ تنظیم جدید کے بعد یہ صیغہ — اردو کے لئے پہلے سے بھی زیادہ بہتر طریقہ پر کام انجام دیگا۔

آندھرا پردیش

محکمہ تعلیمات میں ثقافتی امور کا بھی ایک صیغہ ھے جو فنکاروں ، ادیبوں اور شاعروں کی کسی نہ کسی طرح حوصلہ افزائی اور مدد کرتا رھتا ھے ۔ یہاں سے ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں کے مسوادات کی اشاعت کے لئے امداد دیجاتی ھے اور چھپی ہوئی کتابیں بڑی تعداد میں خریدی جاتی ھیں ۔ یہ سہولت انگریزی اور تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کے لئے بھی حاصل ھے۔ اب تک محکمہ تعلیمات کا شعبہ ثقافتی امور بہت سے اردو کے فنکاروں کی مالی اعانت کر چکا ھے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ھے۔ خود راقم الحروف کو بھی یہاں سے اس کی کتاب " علامہ حیرت بدایونی ۔ حیات اور ادبی خدمات " کی اشاعت کے لئے امداد مل چکی ھے۔ حال ھی میں یہ کتاب چھپ کر اردوداں حلقوں میں مقبول ھوچکی ھے ۔

ساھتیہ اکیڈیمی آندھرا پردیش ایک ادبی اور ثقافتی ادارہ ھے جس کا کام ادب و ثقافت کا تحفظ اور فروغ ھے۔ اسے ھر سال حکومت کی جانب سے گرانٹ ملتی ھے جسکی مدد سے یہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتی ھے۔ یہ ادارہ بھی تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کی بھی سرپرستی کرتا ھے۔ یہاں سے بھی اب تک اردو کے بہت سے شعراء اور ادباء کو گرانٹ مل چکی ھے جس میں راقم الحروف کا بھی شمار ھے۔ ساھتیہ اکیڈیمی آندھرا پردیش نے اردو کی بہت سی کتابیں بھی شائع کی ھیں جنمیں حیدر آباد کے کے شاعر اور حیدر آباد کے ادیب کے دو دو جلدیں خاص طور پر قابل ذکر ھیں ۔ ضرورت اس بات کی ھے کہ ان کتابوں کی تیسری جلدیں شائع کی جائیں جن میں نئے شاعروں اور ادیبوں کا ذکر شامل ھو۔ توقع ھے کہ ساھتیہ اکیڈیمی آندھرا پردیش اردو کے تعلق سے اپنی سرپرستی جاری رکھے گی اور اردواکیڈیمی کے قائم ھوجانے کی وجہ سے اردو سے بےاعتنائی نہیں برتے گی ۔

آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی ریاست میں اردو کی خدمت ، اس کی ترویج و اشاعت اور تحفظ کا سب سے بڑا ادارہ ھے جو حکومت آندھرا پردیش کی زیر سرپرستی کام انجام دیتا ھے اس کا قیام چار سال قبل عمل میں آیا ھے اور ان چار سالوں میں اس کی کارکردگی اتنی شاندار رھی کہ حکومت نے اس کی سالانہ گرانٹ ۲ لاکھ سے ۵ لاکھ کردی ھے اس کے علاقائی مراکز بھی قائم کئے جا رھے ھیں ۔ چناچہ وجئے واڑہ ، کرنول اور نظام آباد میں اس کے علاقائی مراکز کامیابی سے کام انجام دے رھے ھیں۔ اردو اکیڈیمی کے موجودہ صدر شری ایم۔باگا ریڈی ھیں جو نہ صرف ایک کابینی درجہ کے وزیر اور وزیر اعلی ڈاکٹر چنا ریڈی کے ایک قریبی اور بااعتماد ساتھی ھیں بلکہ اردو کے بڑے محسن اور خود اس زبان کے ادیب بھی ھیں ۔ حال ھی میں اردو میں ان کی ایک کتاب " آندھرا پردیش ،، شائع ھو کر مقبول ھوچکی ھے۔ اردو اکیڈیمی کے نئے ڈائریکٹر و سکریٹری شری چندر سری واستو ھیں جو اردو کے مشہور صحافی اور بےباک سپاھی رہ چکے ھیں ۔ یہ توقع بےجا نہ ھوگی کہ ان کے دور میں اکیڈیمی ترقی کے مزید مدارج طئے کریگی ۔

یہاں اردو اکیڈیمی کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرنا ضروری ھے تاکہ اس مضمون کے قارئین اس کی سرگرمیوں سے کماحقہ واقف ھوسکیں ۔ اردو اکیڈیمی اردو کے فروغ و اشاعت کے تعلق سے بہت ٹھوس کام انجام دے رھی ھے۔ یہاں غیر اردو داں افراد کو اردو سکھانے کا کام انجام دیا جارھا ھے۔ اردو کی ایک بڑی لائبریری قائم ھے۔ اردو کتابوں کی فروخت کا بھی یہاں ایک مرکز ھے ۔ یہاں سے اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو ان کی مطبوعات کی اشاعت کے لئے گرانٹ دی جاتی ھے۔ اس کے علاوہ مطبوعہ کتابوں کو انعامات سے نوازا جاتا ھے ۔ اردو اکیڈیمی درسی کتابوں کی تیاری کا کام بھی انجام دے رھی ھے ۔ اس کا ایک ماھانہ " خبر نامہ ،، بھی نکلتا ھے۔ آئندہ ایک سہ ماھی ادبی رسالہ کی اشاعت بھی اکیڈیمی کے زیر غور ھے جسے بعد میں ماھانہ کردیا جائے گا ان تمام امور کے علاوہ اردو اکیڈیمی حکومت کو اردو کے معاملات میں مشورے بھی دیتی ھے جنکی حکومت میں خاطرخواہ پذیرائی بھی ھوتی ھے ۔ اردو مدارس میں بے ضابطگیوں اور اردو طلباء کی حق تلفی سے متعلق امور بھی اکیڈیمی حکومت سے رجوع کرتی ھے جن کا بڑی حد تک ازالہ کردیا جاتا ھے۔ اردو اکیڈیمی کی اپنی ذاتی عمارت کی تجویز بھی ھے۔ اس سلسلہ میں حیدرآباد اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے پرانے شہرمیں اکیڈیمی کو ایک قطعہ اراضی بطور تحفہ دیا ھے جس پر جلد ھی تعمیر شروع ھوجائے گی اردو اکیڈیمی کی موجودہ سرگرمیوں کو دیکھتے ھوئے یہ اندازہ غلط نہ ھوگا کہ مستقبل میں یہ سارے ھندوستان کا سب سے بڑا اردو ادارہ بن جائے گا ۔

انجمن ترقی اردو (ھند) کی شاخ آندھرا پردیش شروع سے سرگرم عمل رھی ھے۔ دیگر ریاستی شاخوں کے مقابلہ میں اس کی کارکردگی ھمیشہ اچھی رھی ھے۔ جس کی وجہ ایک تو یہاں اردو کا سازگار ماحول اور دوسرے پروفیسر حبیب الرحمن ، میر عابد علی خان اور شری سری نواس لاھوٹی کی بے لوث اور اردو کا درد رکھنے والی شخصیتیں ھیں۔ حیدر آباد میں اس وقت کوئی اردو ھال نہیں تھا ۔ جب یہاں کی سرکاری زبان اردو تھی لیکن آج انجمن ترقی اردو کیوجہ سے یہاں ایک اردو ھال بن گیا ھے۔ جہاں اردو کے جلسے اور اجتماعات ھوتے رھتے ھیں انجمن ترقی اردو حیدرآباد میں اپنے دوکالج چلاتی ھے۔ جن میں سے ایک اردو آرٹس کالج اور دوسرا اردو اورنیٹل کالج ھے ۔ اردو آرٹس کالج سارے ھندوستان میں اردو میڈیم کا واحد ڈگری کالج ھے ۔ انجمن غیر اردو داں افراد

کو اردو سکھانے کا کام بھی کررہی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں درسی کتابوں کا کام بھی ہوچکا ہے۔ انجمن کا سب سے بڑا کام اردو کے مسائل کے تعلق سے حکومت سے نمائندگی کرنا ہے۔ اکثر تعلیمی اور دیگر امور میں انجمن حکومت سے رجوع ہوتی ہے اور اردودان افراد کی مشکلات اس کے علم میں لاتی ہے ۔

ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں ایک اور ادارہ ہے جو اردو کی خاموش اور ٹھوس خدمت انجام دے رہا ہے اس ادارہ کو ڈاکٹر محی الدین قادری زور مرحوم نے قائم کیا تھا آج اس کی اپنی ذاتی شاندار عمارت ہے اردو کی ایک بڑی لائبریری اور ریڈنگ روم ہے یہ ادارہ اردو کے امتحانات بھی منعقد کرتا ہے جس کا دائرہ سابق ریاست حیدرآباد کے حدود پر مشتمل ہے ادارہ ادبیات اردو اردو ریسرچ کا مرکز بھی ہے ہندوستان بھر کے ریسرچ اسکالرس یہاں آکر ان مخطوطات سے استفادہ کرتے ہیں۔ جو اس کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ادارہ کی عمارت میں ایک مرکز خوش نویسی بھی قائم ہے جو ترقی اردو بورڈ کے زیر اہتمام کام انجام دیتا ہے۔ ادارہ پہلے اردو کی کتابیں بھی شائع کرتا تھا لیکن اب یہاں صرف اس کا ماہانہ رسالہ (سب رس) ہی شائع ہوتا ہے۔

ادارہ ادبیات اردو ، کی طرز ہی کا ایک اور ادارہ مولانا ابوالکلام آزاد اورنٹیل ریسرچ انسٹیٹوٹ بھی حیدرآباد میں کام انجام دے رہا ہے اس ادارہ کی بھی اپنی ایک لائبریری اور ریڈنگ روم ہے اور یہاں سے ریسرچ اسکالر کو اردو میں ریسرچ کے لئے وظائف دئے جاتے ہیں۔ اور بعد میں اس تحقیقی کام کو شائع کیا جاتا ہے۔ انسٹیٹوٹ اب تک اردو کی کئی تحقیقی تالیفیں شائع کرچکا ہے اردو بورڈ کے اردو انسائیکلوپیڈیا کا کام بھی اس ادارہ کی زیر نگرانی انجام دیا جارہا ہے۔ یہ ادارہ اردو کے اکثر جلسوں اجتماعات اور لیکچرس کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

ان بڑے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے علاوہ جن کا اوپر ذکر آیا ہے حیدرآباد اور آندھرا پردیش میں اور بھی بہت سے چھوٹے موٹے ادارے کتب خانے اور انجمنیں ہیں۔ جو اپنے طور پر اردو کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور حیدر آباد کو اردو کا شہر بنائے ہوئے ہیں۔ حیدر آباد اردو اشاعت اور طباعت کا بھی بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں سے کئی اخبارات اور رسائل نکلتے ہیں اور کئی بڑے بڑے چھاپے خانے موجود ہیں اردو طباعت میں اب حیدر آباد میں لیتھو کے عمل و دخل کے ساتھ آفسیٹ کا رواج بھی زور پکڑ رہا ہے اور یہاں کئی آفسٹ پریس قائم ہوچکے ہیں جن میں سیاست آفسیٹ پریس ، ڈینکس پریس گولڈن پریس، ورسٹائل پریس وغیرہ شامل ہیں حیدر آباد میں اب اردو میں روٹری پریس بھی آچکا ہے۔ اور ایک روزنامہ روٹری میں چھپ رہا ہے گورنمنٹ پریس میں بھی اردو کی طباعت کا انتظام ہے اور یہاں ٹائپ کے علاوہ آفسٹ پرینٹنگ کا بھی انتظام ہے۔ یہ رسالہ اسی پریس میں چھپتا ہے۔

کسی زبان کی بقا کی ضمانت اس بات میں پوشیدہ ہوتی ہے کہ اسے نئی نسل سیکھے جہاں تک آندھرا پردیش کی نئی نسل کا تعلق ہے وہ برابر اردو سیکھ رہی ہے۔ ہر چند کہ یہاں انگریزی ذریعہ تعلیم کے مدارس زیادہ ہیں اور ان دنوں ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو پڑھانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہاں اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں اور بہت سے انگریزی ذریعہ تعلیم کے مدارس میں بھی اردو کی تعلیم کا انتظام ہے اور وہاں ایک اختیاری مضمون اردو ہوتا ہے۔ اردودان افراد کے بچے عام طور پر ان انگریزی مدرسوں میں اختیاری مضمون اردو ہی لیتے ہیں۔ خود میرے پانچوں بچے انگریزی ذریعہ تعلیم کے مدارس میں پڑھ رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے اختیاری مضمون اردو لے رکھا ہے اور وہ اردو اچھی خاصی جانتے ہیں۔ اس طرح آندھرا پردیش کی نئی نسل اردو سے بے بہرہ نہیں ہے۔ اور یہاں یہ خدشہ نہیں پایا جاتا کہ آئندہ نسلوں میں کوئی اردو جاننے والا باقی نہیں رہے گا۔ یہاں کے اردو مدارس اور کالجوں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے اور بہت سے سرکاری مدارس اور کالجوں میں اردو ذریعہ تعلیم کا انتظام ہے اور بہت سے خانگی اردو مدارس اور کالجوں کو حکومت کی جانب سے باقاعدہ سالانہ امداد ملتی ہے اور یہاں کے اساتذہ کی شرح تنخواہ اور شرائط ملازمت سرکاری اور انگریزی مدارس سے کسی طرح کم نہیں۔

یہاں میں ایک امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی زبان کی ترویج و اشاعت کیلئے سرکاری سرپرستی بےحد ضروری ہے اور بغیر سرکاری سرپرستی کے کوئی زبان نہ ترقی کر سکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے۔ مجھے اس خیال سے اختلاف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سرکاری سرپرستی سے زبان زیادہ ترقی کر سکتی ہے لیکن یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر کسی زبان کے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے ایک لامعنی بات ہے۔ کسی زبان کے اصل سرپرست اس کے بولنے والے اور سیکھنے والے ہوتے ہیں۔ جس کے بغیر سرکاری سرپرستی سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ سنسکرت کو آج سرکاری سرپرستی حاصل ہے لیکن کیا وہ ایک زندہ اور موجود زبان ہے۔ ہٹلر لٹھ لے کر عبرانی زبان کے پیچھے پڑ گیا تھا لیکن کیا وہ عبرانی زبان اور اس کے بولنے والے یہودیوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا ؟ صرف یہ سمجھ کر کوئی زبان سیکھنا یا پڑھنا کہ اس سے سرکاری ملازمت مل سکیگی کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔ روزگار کا مسئلہ اپنی جگہ لاکھ اہمیت کا حامل

سہی لیکن اسے کسی زبان کے ساتھ منسلک کر دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہیں آکر لوگ ہندوستان میں اردو کے مستقبل سے مایوس ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان کا تکیہ صرف سرکاری ملازمتوں پر ہوتا ہے۔ ویسے بہت سی سرکاری ملازمتیں صرف اردو کی وجہ سے بھی ملتی ہیں۔

اس مضمون میں آندھرا پردیش میں اردو کے موقف کا جائزہ میں نے اپنے نقطہ نظر سے لیا ہے ہوسکتا ہے کسی دوسرے کو اس سے اختلاف ہو۔ لیکن یہ محض اپنی سوچ کا فرق ہوگا۔ میں ایک گلاس میں نصف پانی دیکھ کر یہ کہتا ہوں کہ آدھا گلاس بھرا ہوا ہے جبکہ کوئی اس حقیقت کو یوں بھی بیان کر سکتا ہے کہ آدھا گلاس خالی ہے۔ بہرحال یہ نقاط نظر کا فرق ہے۔ ویسے میں آندھرا پردیش میں اردو کے موقف کے تعلق سے مطمئن ہوں اور اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی یہ ریاست اردو کے معاملہ میں ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی رہنمائی کریگی۔ رہا سوال یہ کہ یہاں کی اکثریتی اور سرکاری زبان تلگو ہے تو وہ تو رہے گی ہی۔ اس سے اردو کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ تلگو زبان یہاں کی اقلیتوں کو سیکھنی ہی ہوگی اور جو لوگ اپنے بچوں کو سرکاری ملازمتوں میں داخل کرنا چاہیں گے انہیں اپنے بچوں میں اعلی تلگو استطاعت پیدا کرانا ہی ہوگی۔ ویسے تلگو مادری زبان کے علاوہ طلبا کے سامنے ان کا موقف کمزور ہی رہے گا۔ قصہ مختصر یہ کہ آندھرا پردیش میں تلگو سرکاری اور اکثریتی زبان ہے لیکن اردو بھی یہاں کی قابل لحاظ آبادی کی زبان ہے اس لئے وہ تلگو کی معاون اور چھوٹی بہن کی حیثیت سے باقی رہ سکتی اور ترقی کر سکتی ہے۔ اس تعلق سے کسی خدشہ کی ضرورت نہیں۔ جب امید پر ساری دنیا قائم ہے تو ہم اس معاملہ میں کیوں نا امید ہوں۔

* * *

(نثار احمد صدیقی)

عربی آزاد نظم - ایک تاریخی جائزہ

جدید عربی شاعری پر کچھ تحریر کرنے سے پہلے میں جدید عربی شاعری کی اس وسیع تر روایت کی مختصر تاریخ بیان کرونگا جس سے یہ پتہ چل جائے کہ عربی شاعری ارتقاء کی منزلیں کس طرح طئے کر کے اس مقام پر پہنچی - جہاں سے عربی شاعری میں ایک بالکل ھی نئے تجربے آزاد نظم کا آغاز ھوا ---

انسویں صدی کا زمانہ مصر و شام اور لبنان میں اس نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا جو مصر پر فرانسسی حملے کے نتیجے میں واقع ھوئی تھی - گزشتہ صدی میں رو نما ھونے اور موجودہ بیسویں صدی میں برگ و بار لانے والی اس نشاۃ علم و ادب سے پہلے اگر آپ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو عربی ادب کے میدان میں چھ صدیوں پر پھیلا ھوا ایک ایسا مہیب خلاء نظر آئیگا جس میں ھر طرف قبرستان کی سی خاموشی اور ویرانی ھی ویرانی ھے - یہ وہ زمانہ ھے جب مشرق وسطی کی عربی اور اسلامی سلطنتیں ھر جگہ بربادی سے دو چار ھو رہی تھیں - عرب قوم پر جب غلامی کا سایہ چہار جانب سے منڈلانے لگا تو ان کی تخلیقی قوتیں بھی مرجھا کے رہ گئیں - صدیوں کے بعد نپولین بونا پارٹ کی گونجتی ھوئی توپوں نے مصر پر سیاسی غلبہ حاصل کیا تو اسی وقت علمی و تہذیبی زندگی میں بھی ایک حرکت اور سرگرمی پیدا ھوئی - علمی بیداری کی بھی وہ فضا تھی جس میں عربی زبان میں واضح طور پر شاعری کے ایک نئے دور کا آغاز ھوا - اور شعر و سخن کی روٹھی ھوئی دیوی ایک بار پھر عربوں کے گود میں کھیلنے لگی --

عربی شاعری کے اس دور میں محمود سامی ارباروی اسی مقام پر نظر آتے ھیں جہاں قدیم عرب شاعری میں امرؤالقیس تھا اس کے چند سالوں بعد مصر کے اسمعیل صبری ، احمد شوقی اور حافظ ابراھیم ، عراق کے جمیل صدقی الزہاوی اور معروف الرصافی اور شام کے خلیل مطران اس روایت کو آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک کہ شوقی کے یہاں پہنچ کر عربی شاعری کو وہ آھنگ وہ الہامی کیفیت ، اور وہ فنی معراج نصیب ھو گیا جو متنبی (۹۶۵ء) پر ختم ھو کر رہ گیا تھا - یہ صحیح ھے کہ متنبی سے لیکر شوقی تک کے درمیان ایک ھزار سالہ زمانی وسعت میں ان جیسا شاعر کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا - ھر بڑے شاعر کی طرح شوقی بھی اپنے زمانے میں جدید تھا - نہ صرف اس لئے کہ وہ بیسویں صدی کا شاعر تھا بلکہ اس نے عربی شاعری میں فی الواقع کچھ جدتیں برتیں اور اسے نئی راھوں سے آشنا کیا - معانی ، اسلوب ، اور ھئیت شاعری کے ان بنیادی ارکان میں سے ھر ایک میں شوقی نے ایسے تجربے کئے جن کی مثال اس سے پہلے کی شاعری میں نہیں ملتی - جس زمانے میں اقبال اندلس کے ایک مقام پر کھڑا ماضی کے تصور میں کھو گیا تھا -

آب رواں کبیر ! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ھے کسی اور زمانے کا خواب

تقریباً اسی وقت شوقی نے بھی دمشق کی تازہ تباھی دیکھکر کہا تھا

بالامس کنت علی المنی حلداو اندیھم
والیوم رمعی علی المنحا عصان -

(کل میں اندلس کے قصر زھرا میں کھڑا اسلاف کا نوحہ کرتا تھا اور آج میری آنکھیں دمشق کی زبوں حالی پر اشکبار ھیں)

عربی شاعری کے موضوع اور ھئیت کے باب میں شوقی کے تجربے اس سے بھی زیادہ اھم ھیں - اس نے اپنے تخلیقی سرمائے سے عربی شاعری کے اس بڑے نقص کی تلافی کی جو اس میں، شاعری کے دو اھم اصناف یعنی " رزمیہ نظم "، اور منظوم تمثیل کے نہ ھونے کی وجہ سے پایا جاتا تھا - دنیا کی ھر بڑی اور مکمل شاعری میں ان دونوں اصناف کے اچھے نمونے ضرور دیکھنے میں آئے ھیں لیکن شوقی سے پہلے عربی شاعری ان دونوں اصناف میں بالکل ہی دامن تہی - شوقی نے " وادی النیل "،

یوسف راز ناگپوری

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر مورخہ دس ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء کو نجیب آباد (بجنور) میں پیدا ہوئے۔ مولانا شوکت علی مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے جو عمر میں مولانا سے صرف پانچ سال بڑے تھے۔ ان کی ابتدائی [illegible] ۱۸۸۳ء میں ہوئی عہد طفولیت ہی میں مولانا کے والد محترم عبد العلی کا انتقال ہو گیا۔ والد [illegible] کے بعد دونوں بھائیوں کی پرورش والدہ [illegible] کے ذمہ ہو گئی۔ مولانا کی والدہ بھی بڑی جانباز، بہادر، [illegible] اور دل [illegible] عورت تھیں۔ بچوں کی سوجھ بوجھ اور [illegible] ہوتے والدہ نے دونوں بچوں کو اچھی اور اعلی [illegible] دلوائی۔ اپنی مالی [illegible] سے دونوں بچوں [illegible] کا بیڑہ اٹھایا۔ والدہ نے ہمیشہ اپنے بچوں کو آزادی [illegible] دی اور جذبہ حب الوطنی سے سرشار [illegible]۔ مولانا نے [illegible] کھولی اس وقت سرزمین ہند پر [illegible] کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہر سو انتشار کا عالم تھا، دلوں پر ایک ہیبت طاری، عوام الناس میں ایک انتشار تھا۔ ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور اس سرزمین پر انگریزوں کا ہی طوطی بول رہا تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر اور منصبوں پر انگریز لوگ ہی فائز تھے۔ مولانا اپنی والدہ ماجدہ کی بہت قدر کرتے تھے اور نہایت ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ آزادی وطن کے لئے مولانا نے وہ خدمات انجام دیں جو تاریخ ہند میں [illegible] نمایاں اور فروزاں ہے اور ہمیشہ تابندہ رہے گی۔ وقت کا مورخ جب بھی تاریخ ہند کی ورق گردانی کرے گا تو مولانا کی شخصیت کو ضرور یاد رکھے گا اور آزادی وطن کے لئے ان کے کارہائے نمایاں ضرور دہرائے گا۔

مولانا کی والدہ ماجدہ کی سچی اور بے لوث وطن پرستی کے تاثرات نے مولانا کے لئے مشعل راہ کا کام کیا۔ مولانا کی والدہ ماجدہ کو اپنے وطن سے والہانہ محبت تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنے بچوں کے دلوں میں بھی وطن کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی۔ جاں نثاری کا سبق دیا۔ اپنی والدہ کی سچی تعلیم کے باعث مولانا کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا۔ اور ان کے دل میں آزادی وطن کا احساس بیدار ہو گیا۔ انہوں نے اپنے وطن کو فرنگیوں کے ناپاک پنجوں سے آزاد کرانے کا دل میں مصمم ارادہ کرلیا۔ اس آزادی وطن کی جدوجہد میں مولانا کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی بھی قدم قدم مولانا کے دوبدوش رہے۔

مولانا کو بچپن ہی سے تحصیل علم کا ذوق و شوق تھا۔ وہ عہدہ طفولیت ہی میں ایک ہونہار طالب علم ثابت ہوئے۔ ان میں خود اعتمادی اور آگے بڑھنے کی لگن ایام طفولیت سے ہی موجود تھی۔ ایک طرف والدہ ماجدہ کی کوشش اور دوسری طرف مولانا کی ذاتی محنت اور دلی شوق نے مولانا کو ایک بلند مقام پر پہنچا دیا۔ مولانا نے ۱۸۹۰ء میں ایم او کالج میں داخلہ لیا۔ اور ۱۸۹۸ء میں امتیازی نمبروں سے بی اے کیا۔ بعد ازاں آکسفورڈ یونیورسٹی سے جدید تاریخ میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ مولانا رام پور اسٹیٹ ہائی اسکول کے پرنسپل اور ریاست کے چیف ایجوکیشن افسر بھی رہ چکے ہیں۔ مولانا نے اپنے دوران اقتدار میں بہت سی [illegible] تعلیمی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ اور اپنی انتھک [illegible] انگلش حالانکہ ہندوستان کے لئے [illegible] زبان تھی مگر مولانا کو روانی کے ساتھ انگلش پر عبور حاصل تھا۔ مولانا نے نہ صرف علم کی دولت سے [illegible] بلکہ رام پور کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد وہ باوجود ریاست کے [illegible] رہے۔ اور ریاست کی ترقی اور [illegible] کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ اور اپنی اسٹیٹ کی مالی حالت کو [illegible] سے [illegible] بنانے کے جد وجہد کرتے رہے۔

مولانا کی شخصیت صلاحیت اور خوبیوں سے معمور تھی، قدرت نے ان کے دل و دماغ کو ایک ایسی تازگی اور تقویت بخشی تھی کہ ہر کوئی ان کی قدر و عزت کرتا۔ اور ان کی بارعب شخصیت سے مرعوب ہوجاتا۔ مولانا کو اپنے وطن کی آزادی کا احساس تھا۔ وہ فرنگیوں کو سرزمین ہندوستان سے نکال دینے کے لئے منصوبے بناتے اور اپنی آزادی وطن کے مطالبات کو انگریز عہدیداروں کے سامنے رکھنے کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ اس جذبہ حب الوطنی نے مولانا کے دل میں سیاست سے لگاؤ بھی پیدا کردیا۔ مولانا نے اس جذبہ کے تحت ۱۹۱۱ء میں میدان سیاست میں قدم رکھا وہ ڈھاکہ کی مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے اور انہوں نے اس اجلاس میں پیش کردہ قراردادوں پر غور و خوص بھی کیا۔ اور یہی وہ پہلا اجلاس تھا جس کے باعث مولانا کی شخصیت میدان سیاسہ

پیں کھل کر منظر عام پر آگئی اور لوگوں کے دلوں میں مولانا کی اور بھی قدر و منزلت ہوگئی ۔

اس آزادی وطن کی جدوجہد میں مولانا کی کئی بارانگریز حکمرانوں نے جیل میں بھی ڈالا ۔ جیل میں جاتے وقت مولانا کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی بھی همراہ تھے ۔ اس وقت سے ان دونوں بھائیوں کی شخصیت دنیائے سیاست میں اور سر زمین ہند پر ''علی برادران ،، کے نام سے مشہور ہوئی ۔ علی برادران کو کئی سال تک ان جابر انگریز حکمرانوں نے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رکھا ۔ علی برادران ۱۹۱۴ع سے ۱۹۱۷ع تک لینڈس ڈاؤن۔ چھندواڑہ اور بستول کے جیلوں میں منتقل ہوتے رہے علی برادران نےجیل میں بھی اپنی لگن کو برقرار رکھا اسی دوران میں انگریزی حکومت نے ایک''سائمن کمیشن تشکیل دی ۔ جس کی رو سے انگریز حکمران ہندوستانیوں کو چند مراعات اورسہولتیں دے کر اپنا الوسیدھا کرنا چاہتے تھے ۔ مولانا کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچی ۔ وہ انگریز کی دوغلی چالوں سے بخوبی واقف تھے ۔ اس لئے مولانا نے جیل سے اس سائمن کمیشن کے خلاف آوازبلند کی ۔ اس آواز کا ہندوستانیوں پر گہرا اثرہوا ۔ اور وہ انگریزوں کی شاطرانہ چال سے واقف ہوگئے انہوں نے کھلے بندو انگریزوں کے خلاف علی برادران کے قید و بند کے سلسلے میں پورے ملک میں زبردست مظاہرہ اور احتجاج کیا ۔

۱۹۱۹ع میں اس احتجاج کے باعث انگریزوں نے علی برادران کو جیل سے رہا کردیا ۔ جیل سے رہائی کے بعد امرتسر میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس مولانا نے ہندو مسلم اتحاد اور کانگریس مسلم لیگ کو قریب لانے کی اور ایک جا کرنے کی جد وجہد کی ۔ اس کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ کثیر تعداد میں مسلمان بھی کانگریس میں شامل ہونے لگے ۔ اور آزادی ہند کی تحریک میں دن بدن ترقی و توسیع ہونے لگی ۔ محبان وطن بلاتفریق مذہب و ملت اتحاد باهمی سے ایک ہی مرکز پر جمع ہونے لگے اور کاندھے سے کاندھا ملا کر کام کرنے لگے ۔ مولانا نے مظہرالحق اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ بھی دوش بدوش کام کیا ۔ اور ہندومسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ مولانا کو یہ معلوم تھا ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان کی جنگ آزادی ہر گز جیتی نہیں جاسکتی ۔ اسی باعث مولانا محمد علی جوہر نے مہاتما گاندھی کی شخصیت کو ہندومسلم اتحاد کے لئے مکانوں سے روشناس کروایا اور اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ تبادلہ خیال کیا ۔ مولانا ۱۹۲۳ع میں کانگریس کے صدر بھی تھے ۔ وہ ہندو مسلم اتحاد سے کبھی منحرف نہ ہوئے۔ اور اپنے وطن کو آزادی دلانے کے لئے گاندھی جی سے تبادلہ خیال کرتے رہے۔

انگریزوں کی کوتا نگاهی اور جارهانہ کارروائیوں کو دیکھتے ہوئے مولانا نے تحریک خلافت بھی دلائی ۔ ۔ تاکہ مسلمانان عالم میں اخوت بھائی چارگی اور باھمی اتحاد و اتفاق قائم رہے۔ اور خلافت اسلامی کو تقویت و استحکام ملتا رہے ۔ مگر مولانا اپنے ان نیک ارادوں میں کامیاب نہ ہوسکے ۔ مگر ہاں اس سے ایک فاعدہ ضرور ہوا یہی '' تحریک خلافت ،، آزادی وطن کی تحریک میں تبدیل ہوگئی۔ جس کے باعث انگریزوں کو خدشہ ہونے لگا اور ان کے دل و دماغ پر ایک انجان سا خوف منڈلانے لگا ۔ اور اس رد عمل سے برطانوی اقتدار میں ایک تزلزل نمودار ہونے لگا ۔

مولانا نے اپنے وطن کو فرنگیوں کے ناپاک قدموں سے نجات دلانے کے لئے اپنا تن من دھن صرف کردیا ۔ اتحاد قائم رکھنے کے لئے اور ہندو مسلم کو تحریک آزادی چلانے کے لئے اور سب کو ایک ہی محاذ ایک ہی مرکز پر کام کرنے کے لئے مولانا نے گاندھی جی اور سوامی شردھانند جیسے مہان لوگوں سے تعاون کیا ۔ مولاناهی کی کوشش اور محنتوں سے خلافت کمیٹی کو عروج حاصل ہوا ۔ خلافت کمیٹی نے علی برادران کے همراہ گاندھی جی کو ملک کا دورہ کروایا تا کہ جلیانوالہ باغ کے خونی معمر کے بعد گاندھی جی کے ساتھ مولانا نے جو عدم تعاون تحریک چلائی تھی اس تحریک کی عوام میں کھلے بندوں تبلیغ و اشاعت کرسکیں ۔

جنگ بلقان میں بھی مولانا نے دل کھول کر حصہ لیا ۔اور اپنے خوب جوہر دکھائے ۔ انکی بیش بہا خدمات نے ہزاروں کو تسخیر کرلیا ہے ۔ اور قیامت تک انہیں خدمات و وطن پرستی کے باعث مولانا کی شخصیت درخشاں و تاباں رہے گی۔ مولانا نے نہ صرف میدان سیاست ہی میں اپنے جوہر دکھائے ہیں بلکہ دنیائے صحافت میں بھی اپنا مقام پیدا کیا ۔ اور ساری دنیا میں اپنی صحافت کا سکہ بٹھا دیا ۔ بلقان کی جنگ کے دوران انہوں نے اپنی خوبیوں کو خوب اجاگر کیا ۔''انتخاب ترک،، جو مولانا کی صحافت کا ایک مجموعہ اور بے مثال کارنامہ تھا ۔ جس نے فرنگیوں اور برطانوی ایوان میں ایک ھل چل مچادی تھی حالانکہ اس ''انتخاب ترک،،کے باعث مولانا پر انگریزوں کے تشدد اور بڑھ گئے تھے ۔ کیونکہ یہ مہم ترکی اور برطانیہ کے درمیان جاری تھی ۔ انتخاب ترک نے برطانوی حکومت پر ایک تیرهدف کی طرح کام کیا ۔ اور وہ بوکھلا گئے۔ انہوں نے پریس ضبط کرلیا ۔ مگر مولانا کی همت پر آنچ تک نہ آئی ۔ وہ اپنی تگ ودو میں دل و جان سے مصروف رہے۔ اس تگ ودومیں مولانا کو جیل کی چار دیواری بھی نصیب ہوئی ۔ مگر جیل کی سختیاں اور انگریزوں کے مظالم بھی مولانا کے عزم و استقلال کو متزلزل نہ کر سکے وہ اپنے ارادوں میں آهنی دیوار کی طرح اٹل رہے ۔ آخر کار حکومت برطانیہ نے مولانا کو جیل سے رہا کردیا ۔

مولانا کو صحافت کے میدان میں عبور حاصل تھا ۔ وہ کامریڈ (انگلش) اور " ہمدرد " (اردو) جیسے بلند معیاری پرچوں کے لئے ایڈیٹر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۔ " روزنامہ خلافت " کے لئے بھی انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کیا مولانا محمد علی جوہر کو خدا نے انمول خوبیوں سے نوازا تھا ۔ مولانا کو صحافت وسیاست کے علاوہ ادب ، لٹریچر بھی دلی لگاؤ تھا ۔ وہ نہ صرف بے باک اور صاف گو صحافی تھے بلکہ پایہ کے عالم بھی تھے ۔ انگریزی ، اردو ، فارسی اور عربی میں انہیں دلی درس و عبور تھا ۔ قدرت نے ان کے قلم میں ایک جادو دیا تھا ۔ ان کی سحر انگیز تحریر ۔ دلوں کو تسخیر کئے بغیر نہ رہتی تھی ۔ مولانا کو زبان اپنے اپنے قلم کی روانی پر پورا پورا اعتماد اور فخر تھا ۔ وہ جب بھی عوام سے خطاب کرتے ایک سماں بندھ جاتا ہے ایک سکوت طاری ہوجاتا ہے ۔ مولانا نے ہمیشہ دلائل اور ثبوت کی روشنی میں اپنے قلم کو جنبش دی ہے ۔ عوام سے خطاب کیا ہے ۔ وہ بے تکی اور مہمل تقاریر سے پرہیز کرتے ۔ شعروشاعری میں بھی مولانا کو قدرت حاصل تھی شعر شاعری کے میدان میں مولانا اپنا تخلص " جوہر " کیا کرتے تھے ۔

"قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد "

مولانا کے اس شعر کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں مولانا کی قابلیت اور شخصیت اور پروازتخیل کا اندازہ ہوجاتا ہے ۔ مولانا کے کے اس شعر میں حالانکہ حضرت امام حسین کی داستان شہادت مضمیر ہے ۔ مگر شعر پڑھتے ہی قاری کے دل و دماغ پر مولانا کی شخصیت بھی ابھرنے لگتی ہے ۔ مولانا اپنے مذہب کے بھی پابند تھے اور انہیں اپنی قوم کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہا ہے ۔ مولانا نے اپنی قوم اپنے وطن کی عظمت و عزت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی ۔

بادشاہ وقت کے آگے ہر کسی کی گردن جھکی رہتا ہے ۔ ہزاروں خوشامدی ۔ ہزاروں چاپلوس بادشاہ کے ارد گرد طواف کرتے رہتے ہیں اور ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں ۔ مولانا نے جب اپنی تحریک آزادی چلائی اس وقت برطانوی حکومت کا دور دورہ تھا ۔ زندگی ظلم وستم کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی ۔ مگر دیش کا سچا سپوت قوم کا ایک سچا ہمدرد اپنی آزادی وطن کے لئے بے خوف وخطر انگریزوں سے ٹکرا رہا تھا ۔ اور اپنی آزادی کی ... کہ اسے فرنگیوں کے ظلم وستم ، جبروتشدد ... کی پرواہ نہ تھی ۔ آزادی وطن کے لئے وہ ہمیشہ سینہ سپر رہے ... انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے مولانا محمد علی جوہر وہ مرد مجاہد تھے جنہوں نے برطانوی حکومت کے آگے اپنا سر کبھی خم نہیں کیا ہے ۔ انگلینڈ کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اس مرد مجاہد نے آزادی وطن کے چند مطالبات رکھے ۔ اور اہم مسئلوں پر طویل بحث کی ۔ مولانا محمد علی جوہر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بھری کانفرنس میں بادشاہ وقت برطانوی فرماں روا کو "مسٹر جارج " کہہ کر خطاب کیا ۔ بادشاہ وقت کو " مسٹر جارج " کہہ کر خطاب کرنا یہ دل وجگر والوں کا ہی کام ہے ۔ ان الفاظ سے مولانا کی جرأت بہادوری اور نڈرپن ظاہر ہوتا ہے وہ کبھی بادشاہ کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوئے اور انہوں نے اس کانفرنس میں بے جگری کے ساتھ ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا ۔ کانفرنس میں شریک ہونے والے دوسرے لوگ مولانا کی اس بے خوفی پر حیران و ششدر ہوگئے ۔ کانفرنس میں اپنے مطالبات کی ناکامی کے باعث مولانا نے اپنے غلام ملک میں واپس جانے سے انکار کردیا ۔ اور وہیں قیام کیا ۔ انہوں نے برطانوی سربراہوں کو وصیت کی کہ میری وفات کے وقت اگر میرا ملک ازاد ہو گیا تو میری نعش میرے وطن میں پہنچا دینا ۔ ورنہ میرے جسم کو بیت المقدس کی سر زمین میں دفن کر دینا ۔ مولانا کی زندگی میں ہندوستان آزاد نہ ہو سکا اور مولانا نے لندن ہی میں چار ۴ ۔ جنوری سنہ ۱۹۳۱ ع کو وفات پائی ان کی وصیت کے مطابق انہیں بیت المقدس ہی میں سپرد خاک کیا گیا ۔

کاش ہم لوگ بھی مولانا محمد علی جوہر کی سچی خدمات اور حب الوطنی وطن پرستی سے سبق حاصل کریں ۔ اور ایک ہی مرکز پر رہ کر باہم اتحاد و اتفاق سے کام کریں تو یقینا ہم دور حاضر کو بدل سکتے ہیں ، زمانے کے رخ کو موڑ سکتے ہیں اور مولانا کی روح کو اپنی قومی یک جہتی سے تسکین پہنچا سکتے ہیں ۔

دنیا میں مولانا محمد علی جوہر جیسے با عظمت انسان بہت کم پیدا ہوئے ہیں ۔ مولانا محمد علی جوہر کی صفات کو ہم جتنا بیان کریں اتنا ہی کم ہے ۔ مولانا محمد علی سرزمین ہند کے ایک نایاب " جوہر " تھے اور اس جوہر نے اپنے وہ جوہر دکھلائے جو ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے بھی لکھی جائیں مر تو بھی ان کی خدمات کا حق نہیں ادا ہو سکتا ۔ انہوں نے اتحاد باہمی ، قومی یک جہتی سے اپنے وطن کو مالا مال کیا ۔ ہندو مسلم کو ایک طاقت بنا کر مادر ہند کو انگریزوں سے آزاد ... کے لئے اپنی تمام تر توجہ صرف کردی ۔ مگر افسوس کہ یہ سر زمین ہند مولانا کے بیش قیمت ... و اطہر جسد خاکی سے محروم رہی ۔ اور اس باعظمت انسان کو ، اس نیک مرد مجاہد کو ارض بیت المقدس نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے گلے لگا یا ۔

* * *

ملیریا

تاریخی جائزہ

انسداد اور علاج

محمد رضی الدین معظم

تاریخی جائزہ علم تاریخ کا جب ہم عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو اظہرمن الشمس ہوتا ہیکہ تاریخ انسانی میں سب سے پہلے جگہ پانے والا مچھر غالباً وہ ہے جس نے حضرت ابراہیم کے سامنے خدائی کا دعوی کرنے والے سرکش نمرود کی ناک میں گھس کر اسے جہنم واصل کیا تھا ۔ دوسرا تاریخی مچھر وہ جسکا ذکر آج سے دو ہزار تین سو سال قبل ملتا ہے اس وقت دنیا کے عظیم ترین حکمرانوں میں سے ایک سکندر اعظم پنجاب کے راجہ پورس کو شکست دینے کے بعد واپس جانے کیلئے وادی سندھ میں سے گذر رہا تھا کہ ملیریا نے اسکو ہمیشہ کیلئے شکست دیدی ۔ کرۂ ارض کو فتح کرنے کا خواب دیکھنے والے کے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہ تھا جس سے وہ اس ذرا سے بخار کا مقابلہ کر سکتا اور جس سے عین عالم شباب میں یعنی صرف ۲۰ بیس برس کی عمر میں اسکی فاتحانہ زندگی کا اچانک خاتمہ کردیا ۔

اس ذراسے بخار نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ ایک جلیل القدر ہستی کو مزید فتوحات سے روک دیا بلکہ پوری تاریخ کا دھارا بدل کر رکھدیا ۔ اگرملیریا نہ ہوتا تو عہد عتیق اور غالباً عہد جدید کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی ۔ ملکہ مصر قلوپطرہ ایک مچھردانی میں سویا کرتی تھی اسکا مقصد صرف یہ تھا کہ اپنی خوبصورت جلد کی نفاست اور ملائمت کو مچھروں سے محفوظ رکھے ۔ اسے کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا تھا کہ مچھر کے ڈنک میں جو زہر ہوتا ہے وہ جلد کی ملائمت کو خراب کرنے سے کہیں زیادہ مضر اثرات رکھتا ہے تاہم وہ حفاظتی ہتیار استعمال کرنے کی وجہ سے ملیریا کے حملے سے محفوظ رہی — قدیم رومی تہذیب کے زوال کا سبب بھی ملیریا کی تباہ کاریاں ہے جو وبا کی شکل میں بار بار نمودار ہوا ۔ اور اس عظیم سلطنت کے معاشرتی اور سیاسی نظام کو پارہ پارہ کردیا اور اس کی شان و شوکت کو ملیا میٹ کردیا ۔ کہتے ہیں کہ نپولین کو بھی فی الحقیقت شکست ملیریا ہی نے دی تھی نپولین کی فوج عکرہ کے ارد گرد کی نشیبی زمینوں میں پڑاؤ ڈالے پڑی تھی جہاں محاصرے کے دوران وہ ملیریا کا زبردست شکار ہوگئیں — تاریخ بتلاتی ہے کہ قدیم چین ، یونان ، ہندوستان ، بابل ، اشوریہ اور مصر کے طبیب اس موذی بخار سے واقف تھے اور کئی سو سال تک متواتر انہوں نے اس کے تدارک کی کوشش کی لیکن وہ اسکی محض بیرونی علامات کا تجزیہ کر سکے اور اصلی اندرونی اسباب کا سراغ نہ لگا سکے اس لئے کوئی انسدادی نسخہ بھی تجویز کرنے سے قاصر رہے — موجودہ زمانہ میں بھی ملیریا نے تاریخ کا دھارا موڑنے میں اپنی قوت کا مظاہرہ کیا ہے مثال کے طور پر دوسری جنگ عظیم میں برما میں ملیریا سے مرنے والوں کی تعداد جاپانی اسلحہ سے مرنے والوں کی نسبت بہت زیادہ ہے ۔ برما میں جاپانیوں پر اتحادیوں نے محض اس لئے فتح حاصل کی کہ انہوں نے ملیریا کے خلاف زبردست انسدادی کارروائی کی تھی — حقیقت یہ ہے کہ منطقہ حارہ کے ممالک کی ترقی بھی ملیریا ہی نے روک رکھی ہے وہاں کی زرعی آبادی پر ملیریا کا بہت گہرا اثر ہے جسکی وجہ سے وہ اپنے قدرتی وسائل سے پورا پورا استفادہ نہیں کر سکتے ۔ اقوام متحدہ کے عالمی صحت کے ادارے کی رپورٹ کے مطابق اس علاقہ میں ملیریا کے خلاف گزشتہ دس بارہ سال سے زبردست لڑائی جاری ہے ۔ اور اس سلسلہ میں نمایاں کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے اس کے باوجود ہر سال پندرہ کروڑ انسانوں کے ذہن اور جسم ملیریا کے جراثیم سے ہولناک اثر لیتے ہیں ۔ اقوام متحدہ کی ایک اور رپورٹ کے مطابق ہر سال دنیا میں پندرہ لاکھ انسان ملیریا سے موت کا شکار بنتے ہیں تقریباً بیس لاکھ آدمی ہر سال مرتے تو ہیں لیکن ایسی پیچیدہ ملیریای

بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ان کی زندگی موت سے بھی بد تر ہوتی ہے۔ مثلاً خون کی کمی کے باعث لوگ قلت دم تلی اور جگر کی بیماریوں میں مبتلاً ہوجاتے ہیں جن سے تپ دق اور اعصابی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ملیریا کا سب سے زیادہ اثر بچوں اور نا بالغوں پر ہوتا ہے۔ دنیا کی آبادی کا چالیس فیصد حصہ ان علاقوں میں آباد ہے جن کو طبی ماہرین نے ملیریائی علاقے،، قرار دیا ہے۔ ملیریا بھارت کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشا، بحرالکاہل کے ممالک، افریقہ، میکسیکو وسطی امریکہ، اسپین اور بلقانی ریاستوں اور جنوب مشرق روس کی اکثر ریاستوں میں پھیلا ہوا ہے۔ رات کو سوتے وقت جس طرح ایک چادر انسان کی پوری زندگی کو ڈھانپ لیتی ہے اسی طرح ملیریا جب آجاتا ہے تو پوری انسانی زندگی پر چھا جاتا ہے اور کوئی گوشہ اور کوئی میدان اس کے دور مار تیروں سے محفوظ نہیں رہتا۔ تعلیمی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے صنعت و حرفت گڑ بڑا جاتی ہے زراعتی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے غرض پوری کی پوری معاشرتی اور اقتصادی زندگی ٹھہر سی جاتی ہے گھر میں جو تھوڑی بہت پونجی یا سرمایہ ہوتا ہے وہ ڈاکٹروں و حکیموں کے نذر ہوجاتا ہے مزدور درختانے جانے کے قابل نہیں رہتے۔ سرمایہ دار ایک کونے میں پڑے کراہتے رہتے ہیں کل پیداوار گرجاتی ہے سرمایہ کاری کے امکانات گھٹ جاتے ہیں اور قدرتی وسائل اپنی جگہ منتظر رہجاتے ہیں کہ کوئی آئے اور ہم سے فائدہ اٹھائے۔

تحقیق و تفتیش سنہ ۱۸۸۰ ع میں فرانسیسی فوج کا پچیس سالہ سرجن، ڈاکٹر ایل اے لیوران تاریخ کا پہلا شخص تھا جس نے ملیریا کے جرثومے کا طبی نقطہ نظر سے معائنہ کیا۔ اس نے الجیریا کے ایک سپاہی کے جسم سے جو ملیریا کا شکار تھا کچھ خون نکالا پھر اس نے خون کا ایک قطرہ لیکر مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ اس میں ایک عجیب و غریب " خوردبینی جرثومہ موجود ہے مگر وہ بھی یہ معمہ حل نہیں کر سکا تھا کہ آخر یہ بخار ایک آدمی سے دوسرے آدمی کو ہوتے ہوئے وبائی صورت کیونکر اختیار کر لیتا ہے جدید طبی تحقیقات یہ بتلاتی ہیں کہ ملیریائی جرثومہ سب سے پہلے خون کے سرخ ذرے پر حملہ آور ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ پورے خلئے پر قابو پالیتا ہے۔ اور پھر وہ خلیہ ہی اسکی غذا بن جاتا ہے خون چوس چوس کر وہ جوان ہو جاتا ہے بھرپور جوانی میں وہ خود بخود کئی حصوں میں منقسم ہوجاتا ہے اور ہر حصہ اپنی جگہ ایک نیا جرثومہ ہوتا ہے ایک ہی خلیہ میں جب بہت سارے جراثیم جمع ہوجاتے ہیں تو اس بوجھ سے خلیہ کی دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں اور جراثیم کا یہ نیا خاندان اپنے اندر زہریلا مواد لئے ہوئے خون کی عام گردش میں شامل ہوجاتا ہے جوں ہی جراثیم خون میں شامل ہوتے ہیں آدمی کو ٹھنڈ محسوس ہونے لگتی ہے اسکا رواں رواں کانپنے لگتا ہے — دوسرا حملہ نوخیز جرثومہ سرخ خلیوں پر کرتا ہے اور اب کی بار مریض کی یہ حالت نہیں ہوتی کہ محض سی سی کر کے اپنے اوپر کئی کئی لحاف اوڑھ لے بلکہ اب کے وہ دھکتے ہوئے بخار میں روزانہ یا تیسرے دن جلنے لگتا ہے باری کے بخار کا رمز یہ ہیکہ جراثیم کو بڑھنے پھیلنے اور خلئے کی دیواروں کو توڑنے میں کچھ مدت لگتی ہے اگر یہ مدت طویل ہو تو بخار تیسرے دن چڑھتا ہے اور اگر کم ہو تو دوسرے دن یا صرف صبح یا صرف شام کے وقت مریض کے جسم میں ہیموگلوبین کی کمی کے باعث اس کا خون اس قابل نہیں رہتا کہ آکسیجن مناسب مقدار میں دماغ تک پہنچا سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہیکہ خون میں کمی ہوجاتی ہے قوت عمل گھٹ جاتی ہے سوچنے کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے قوت ارادی پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ ع میں بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ جب مچھر انسان کا خون چوس رہی ہوتی ہے اسوقت ملیریا کے جراثیم جسم میں داخل کردیتی ہے چنانچہ اسی سال یہ فیصلہ کرلیا گیا تھا کہ ملیریا سے بچنے کا بہترین طریقہ مچھر کے ڈنک سے بچنا ہے اس طرح اس بیماری کا ملیریا نام اس وقت سے پڑا جب اسے پہلے پہل خراب ہوا سے پیدا شدہ ایک بیماری سمجھا گیا کیونکہ اطالوی زبان میں مالا (MALA) خراب کو اور ایرا (AIRA) ہوا کو کہتے ہیں۔ لیکن بعد کی تحقیق سے اس بیماری کی جڑ خون کے جراثیم ہیں۔ اور ان جراثیم کے پالنے والے آدمی اور مچھر دونوں ہی ہیں

ملیریا کیسے پھیلتا ہے یہ انسان کی خوش قسمتی ہیکہ تین ہزار مختلف الاقسام مچھروں میں سے خطرناک اقسام اتنی محدود ہیں کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ بعض اقسام ایسی بھی ہیں کہ مچھر جاندار اشیاء کے قریب تک بھی نہیں جاتے۔ اور درختوں اور پودوں کے رحم پر اپنی زندگی گذار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس خون چوسنے والی اقسام کیلئے خون نہایت اہم اور ضروری غذا ہے اگر انہیں خون نہ ملے تو انکی افزائش نسل کا سلسلہ ہی رک جاتا ہے اور مادہ میں انڈے دینے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ نر مچھر کی عمر آٹھ نو دن ہوتی ہے اپنی پیدائش کی تھوڑی ہی دیر بعد ہوا میں جب کسی مادہ سے اس کا ملاپ ہوجاتا ہے تو اس کی پیدائش کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بغیر ڈنک کے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہتا ہے اور سبزیوں کا رس چوس کر اپنے باقی ماندہ دن پورے کرتا ہے اس کے برعکس مادہ مچھر عام طور پر تیس دن زندہ رہتی ہے۔ گرمیوں میں اس کے انڈے مکمل ہونے میں دس دن لگتے

ہیں معتدل آب و ہوا کے علاقہ میں بہار خزاں اورگرما کے دوران مچھروں کی تقریباً پندرہ نسلیں عالم ظہور میں آتی ہیں اگر انڈے ضائع نہ جائیں تو پانچ نسلوں میں ایک مادہ مچھر کے سو انڈوں میں سے تقریباً تین کروڑ بچے نکلتے ہیں۔ ملریا کے جراثیم پیداکرنے والی واحد اور خطرناک قسم کا نام " اینو فلیز " ہے جسکی وجہ سے مچھروں کی تمام اقسام کو معتوب قرار دیاجاتا ہے اپنے حلقے بھورے پروں پر چار سیاہ داغوں اور مخصوص طرز نشست کیوجہ سے یہ مچھر دوسروں کی نسبت آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے بیٹھتے وقت یہ اپنا جسم کا پچھلا حصہ ہوا میں اٹھائے رکھتا ہے اس قسم کی صرف مادہ مچھر ملیریا پھیلاتی ہے۔ اس لئے ہمارا سب سے اہم کام مادہ انیو فلیز کو ختم کرنا ہے۔ یہی مریض کے جسم سے ملیریائی جراثیم لے کر دوسرے صحت مند آدمی کے جسم میں داخل کرتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ ان مچھروں کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ گھر گھر جراثیم کش ادویہ چھڑ کی جائیں۔ لیکن اس کام پر محنت بھی زیادہ لگتی ہے اور لاگت بھی زیادہ آتی ہے۔ امریکہ کے شعبہ اطلاعات کی ایک رپورٹ کے مطابق ملیریا کے خلاف عالمی جنگ کے لئے تقریباً تین ارب روپئے در کار ہوں گے اس لاگت کا صرف تین فیصد حصہ سارے عالم کی قومی حکومتیں برداشت کر سکیں گی۔

آج ہر شخص ملیریا کے معمولی حملہ سے واقف ہے اسکی ابتدا بالعموم بخار سے ہوتی ہے جو ایک دو روز تک رہتا ہے اور پھر اگر اسکا علاج نہ کیا گیا تو ایک ایسے بخار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو باقاعدہ طور پر دوسرے یا تیسرے روز آتا ہے حملہ لرزے سے شروع ہوتا ہے جسکے بعد بخار بہت تیز ہو جاتا ہے بخار آنے کے بعد چند گھنٹوں کے بعد بکثرت پسینہ شروع ہوجاتا ہے اور بخار اتر جاتا ہے اسطرح کے مریض کمزور نڈھال اور دوسرے حملے کے خیال سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ ملیریا کا بخار خون میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے پیدا ہونے سے آتا ہے ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو مچھر ایسے شخص کے خون سے جو حال ہی میں ملیریا میں مبتلا ہوا ہو اور جس کا علاج نہ ہوا ہو یا اگر ہوا ہو تو بے قاعدہ طور پر دوسرے تندرست آدمیوں کے خون میں شامل کردیتا ہے جس سے ملیریا پھیلتا جاتا ہے

ملیریا کے پھیلاؤ کا تقابلی جائزہ

ہمارا ملک ہندوستان کے علاوہ ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک بھی ایک بار پھر ملیریا کی زد میں آگئے ہیں - ملیریا جس پر پندرہ سال قبل تقریباً قابو پالیا گیا تھا اور جس پر ادارہ عالمی صحت .W.H.O نے اظہار اطمینان بھی کیا تھا اب پھر حملہ آور ہورہا ہے بلکہ اب کی بار تو مچھر ڈی ڈی ٹی کے زہریلے اثرات کو بھی برداشت کرنے کے قابل بن گیا ہے حتی کہ کلورو کوئن جیسی موثر دوا بھی ناکام ثابت ہو رہی ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ میں تین سو ملین افراد مختلف بیماریوں کے شکار تھے تو صرف ملیریا سے ۱۲۰ ملین افراد متاثر تھے۔ ہندوستان میں ملیریا کا دوبارہ آغاز تشویشناک حدوں تک پہنچ چکا ہے۔ سنہ ۱۹۶۶ع میں چالیس ہزار افراد ملیریا سے متاثر ہوئے تھے تو سنہ ۱۹۷۲ میں یہ تعداد چودہ لاکھ تک پہنچ گئی۔ رسالہ ٹائم کے اعداد کے مطابق گذشتہ برس بھارت میں (۵٫۸) ملین افراد متاثر ہوئے۔ چند ہفتے قبل ہی ہمارے ملک کے دارالخلافہ دہلی میں نو ہزار افراد ملیریا میں مبتلا ہوئے۔ سری لنکا، پاکستان، افریقہ کے ممالک بھی ملیریا کے واقعات میں زبردست اضافہ کی اطلاع ہے۔

ملیریا کا انسداد اور اس کا علاج

ملیریا کے انسداد کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ ملیریا کے تمام مریضوں کا باقاعدہ علاج کیا جائے تاکہ خون کے چھوٹے چھوٹے جراثیم کو مچھروں تک پہنچنے کا کم موقع ملے۔ اور ان سے دوسرے اشخاص متاثر ہونے سے محفوظ رہیں۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو مچھروں کے کاٹنے سے بچایا جائے اور آخری طریقہ یہ ہیکہ مچھروں کو نیست و نابود کرنے کی تدبیر کی جائے رات کے وقت اپنے بستر کے گرد مچھر دان لگا کر اپنی حفاظت کریں۔ اکثر ممالک میں مکانات کے چاروں طرف مچھروں کو روکنے والی جالی اسطرح گھیر دی جاتی ہیکہ اسمیں سے مچھر اور دیگر کیڑے مکوڑے مکان میں داخل نہیں ہوسکتے۔

یہ یاد رہیکہ مچھر اپنی آسائش کے لئے ان میں مکان کے اندھیرے کونوں کو پسند کرتے ہیں وہ چھتوں کے نیچے اور تاریک الماریوں بند کمروں میں کپڑوں سے چمٹے پڑے رہتے ہیں مچھر تیز روشنی سے گھبراتے ہیں اور ایسے مکانات میں بہت کم پائے جاتے ہیں جو اچھی طرح صاف ستھرے رکھے جاتے ہیں اور جن میں بڑی بڑی روشن دار کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ اور ہوا کے آنے جانے کا بھی خاص انتظام رہتا ہو ۔ گر زندہ مچھروں کو فنا کرنے کی کوئی شخص کوشش کرے گا تو اسے بہت جلد جلد معلوم ہوجائے گا کہ یہ طریقہ امید افزا نہیں ہے مچھروں کو مارنے کا طریقہ یہ ہیکہ ان پر دوران پیدائش و پرورش میں حملہ کیا جائے مچھر پانی پر انڈے دیتے ہیں پانی میں یہ انڈے کلبلاتے کیڑے کے جھانجھے کی شکل میں تبدیل ہوجاتے ہیں اس جھانجھے سے ترقی پا کر یہ ایک (و) کی شکل اختیار کرتے ہیں جسے انگریزی میں Pupae پیوپا کہتے ہیں اور ہر پیوپا بڑھکر مکمل مچھر بن جاتا ہے مچھروں کو فنا کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے کہ انہیں انتائے

آخر میں سامعین سے گذارش کرتا ہوں کہ ملیریا کیلئے ابتدا میں ان احتیاطی تدابیر پر اچھی طرح غور کرلیا جائے تو ملیریا پر قابو پایا جاسکتا ہے ۔

۱ ۔ مچھروں کو اور ان کے انڈوں کو بچوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑیئے

۲ ۔ خود کو مچھروں کے کاٹنے سے بچائیے ۔

۳ ۔ ملیریا کے جراثیم سے اپنے خون کو پاک رکھئے اور اسکے مریض سے بھی بچ کر رہیے ۔

۴ ۔ جراثیم کو ختم کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کیجئے ورنہ یہ جراثیم صحت مند خون میں داخل ہوکر اپنی پیداوار بڑھانا شروع کردیتے ہیں ۔ اور اسطرح بہت جلد اس وباء کے پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے ۔

۵ ۔ رات کو مچھردان لگا کر یا بدن پر مچھرمار دوا مل کر سوئیے ۔

****

راجیش کمار اوج

غزل

رہ کے گلشن میں بھی ترسے ہیں گل تر کے لئے
یہ مقدر تھا تو کیا روئیں مقدر کے لئے

دین و دنیا کا بھلا ہوش رہے گا کس کو
آپ پہلو میں تو آئیں مرے دم بھر کے لئے

صرف اک درد محبت کا تو رونا ہی نہیں
لوگ پھرتے ہیں پریشان مرے سر کے لئے

ذات سے ان کی ہے وابستہ مرا دل ایسے
جیسے دیوار ضروری ہے کسی در کے لئے

داغ دل ایسا جلا ہجر کی راتوں میں نہ پوچھ
شمع اس طور نہ جل پائیگی پل بھر کے لئے

تو نہ آئے ، ترا پیغام ہی آئے تو سہی
کچھ تو سامان سکوں ہو دل مضطر کے لئے

حسن زیور کا بھلا اوج ہے محتاج کہاں
غازہ لازم تو نہیں ہے رخ انور کے لئے

****

شیخ عبداللہ چیف منسٹر جموں و کشمیر ، بھاگ متی ڈرامے کی افتتاح سے قبل مخاطب کر رہے ہیں ۔ یہ ڈرامہ کشمیر کلچرل گروپ کی جانب سے رویندرا بھارتی حیدرآباد میں ۶ - فروری کو پیش کیا گیا ، تصویر میں شریمتی سروجنی پلا ریڈی وزیر اطلاعات اور شریمتی روڈا مستری وزیر سیاحت بھی دیکھی جا سکتی ہیں -
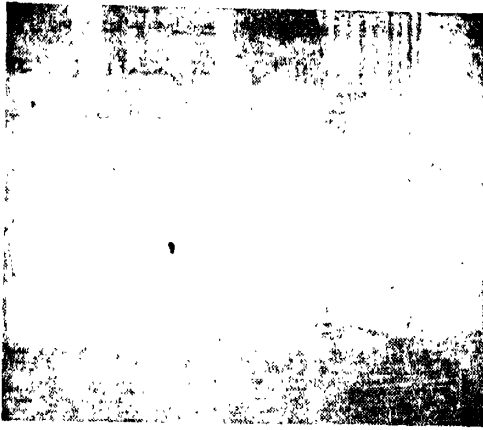
شری کے - سی - ابراہام گورنر نے ۸ - فروری ۱۹۸۰ کو آندھرا پردیش اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کو مخاطب کیا - تصویر میں شری ڈی - کوندا چودھری اسپیکر اسمبلی اور شری سلار شاہ صدر نشین قانون ساز کونسل بھی دیکھے جا سکتے ہیں -

خبریں تصویروں میں

شری بی - کرشنا پارلیمنٹری سکریٹری نے ۲۸ - جنوری کو آزاد میموریل ھائی اسکول اے - سی - گارڈز حیدرآباد میں منتظمین تعلیم بالغان کی ٹریننگ پروگرام کا افتتاح کیا -

شری پی - پی - راسن پرنسپل سکریٹری کل ہند صنعتی نمائش ۱۹۸۰ میں محکمہ اطلاعات کے پویلین میں تصاویر کا مشاہدہ کر رہے ہیں - ۱ - جنوری کو شری راسن نے پویلین کا افتتاح کیا -

شری جی - راجه رام وزیر فینانس نے ۲۲ - فروری کو آندھراپردیش اسمبلی میں سال ۸۱ - ۱۹۸۰ کا موازنہ پیش کیا -

خبریں تصویروں میں

۲۵ - جنوری گورنمنٹ سنٹرل پریس حیدر آباد کی صد سالہ تقاریب میں ڈاکٹر یم - چنا ریڈی چیف منسٹر نے بحیثیت مہمان خصوصی کے شری یم - کیشیا لینو میکانک کو تحفہ پیش کیا -

شری بی - وینکٹ رام ریڈی وزیر تعلیم نے ۳ - فروری کو چیراله میں وی - آر - یس اور وائی - آر - ین کالج میں ین - سی سی کے امیدواروں کا معائنہ کیا -

61—10

ٹورسٹ فیسٹیو

بے مناظر

ضیاء الانجم

گلاب کی خوشبو

نظم

مجھکو معلوم تھا میرا خواب حسین
وقت کی سیج پریوں بکھر جائے گا

جسطرح !

صبح نو کی کرن . . . اور پھر
اک نیا رنگ لے آئے گا

رنگ موسم بھی ہے باد باراں بھی ہے
رنگ موج رواں ابر نیساں بھی ہے
رنگ ہی جسم ہے رنگ ہی جان ہے
رنگ زندہ حقیقت کی پہچان ہے
رنگ ہی رونق بزم جاناں بھی ہے
رنگ ہی زینت حسن دنیا بھی ہے
رنگ نغمہ بھی ہے رنگ نوحہ بھی ہے
رنگ آذر ہے رنگ معمار ہے
رنگ ہی زینت در و دیوار ہے
رنگ معمار قوم و وطن بھی تو ہے ! ؟

(۲)

رنگ نکھرے تو سارا چمن جاگ اٹھے
رنگ ابھرے تو قوم و وطن جاگ اٹھے

رنگ کیا کچھ نہیں رنگ کیا کچھ نہیں
بن کے گاندھی اٹھا تو فضاء کانپ اٹھی
بن کے نہرو اٹھا تو جہاں چونک اٹھا
اندرا بن کے اٹھا تو وطن جاگ اٹھا
غرض ہر طرف رنگ ہی رنگ ہے !

رنگ سبزہ بنا لہلہانے لگا
رنگ گلشن بنا مسکرانے لگا

رنگ خورشید ہے رنگ مہتاب ہے
رنگ ہی قوم کا اک حسین خواب ہے
رنگ تازہ گلابوں میں جب ڈھل گیا
مسکراہٹ کی خوشبو لٹانے لگا
میرا خواب حسین ——— مسکرانے لگا

* * * *

خزاں کے بعد

سعیدہ پروین

آج اسے ایک اور انٹرویو کے لئے جانا تھا اس نے ہلکا پھلکا سا میک اپ کیا ڈاکٹر کنہیالال کی بیٹی کا دیا ہوا پرانا بل باٹم پہنا اور ماں کی دعائیں لیتی ہوئی چلی گئی۔ اس نے بی۔ اے پاس کرلیا تھا اور اب ماں کو سکھ دینے کی خاطر ملازمت کے چکر میں تھی۔ ماں نے ڈاکٹر کے گھر نوکری کرتے ہوئے کپڑوں کی سلوائی کر کے اسے پڑھایا تھا۔ وہ جب آفس پہنچی اپنی ہم عمر اور کم عمر لڑکیوں کو اچھے اچھے قیمتی کپڑوں اور تیز خوشبوؤں میں لپٹا دیکھکر ایک منٹ کے لئے ٹھٹک گئی معلوم ہوتا تھا لڑکیاں انٹرویو کیلئے نہیں بلکہ کسی فیشن شو میں شرکت کے لئے آئی ہوئی ہیں، اسکی بڑی بڑی بادامی آنکھیں بھیگ گئیں، وہ اپنے آپ کو بےحد کمتر پا رہی تھی تب ہی اس کی ماں کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے کہ انسان اپنے لباس سے نہیں بلکہ اپنی بات چیت، اخلاق اور کام سے پہچانا جاتا ہے اس خیال سے وہ ہشاش بشاش ہوگئی اسے اپنے آپ پر بھروسہ تھا انہیں خیالوں کی ادھیڑ بن میں اسکا نمبر آگیا چپراسی نے اس کا نام پکارا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر گئی۔

”بیٹھ جایئے،، میز کی دوسری طرف بیٹھے ہوئے نوجوان نے گمبھیر اواز میں کہا جس کی انکھوں کی چمک نے اسے لرزا دیا۔ اس آواز پر وہ یوں بیٹھ گئی جیسے کسی بٹن کے دبانے ہی کوئی مشین حرکت میں آگئی ہو ” کہاں تک تعلیم پائی ہے آپ نے؟

جواب میں اوس نے بی۔ اے کی ڈگری بڑھا دی جسکے ساتھ کچھ سرٹیفیکیٹس بھی پن اپ کئے ہوئے تھے۔

” تو اپ نے ہائر گریڈ ٹائپ اور شارٹ ہینڈ بھی پاس کیا ہے؟

” جی،، منی نے نظریں نیچی کئے آہستہ سے کہا، اسے پسینہ آرہا تھا۔ نوجوان نے اٹھ کر کھڑکی کا سوئچ آن کیا اور اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔

” یہ آپ اسقدر گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟ کیا اس سے پہلے آپ نے کوئی انٹرویو نہیں دیا؟ اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

” جی نہیں،، منی نے سہمے لہجے میں جواب دیا۔

” اس طرح گھبرانے والی لڑکیاں تو کسی بھی انٹرویو میں کامیاب نہیں ہو سکتیں آفس میں کام کرنے والی لڑکیوں کو بہت شوخ ہنس مکھ اور بولڈ ہونا چاہئے،، یہ کہتے ہوئے اس نے منی کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھدئے۔ وہ اس طرح اچھل پڑی جیسے کرسی میں کرنٹ آگیا ہو اور اس نوجوان پر نظر ڈالے بغیر وہ حواس باختہ سی باہر نکل گئی۔

وہ ملازمت کی تلاش میں در در کی خاک چھانتی پھر رہی تھی لیکن ہر جگہ نفی میں جواب ملتا رہا وہ سنا کرتی تھی کہ مناسب جگہ کیلئے لیڈیز کو پہلے چانس مل جاتا ہے لیکن ہونی ہوئی تقدیر کو مٹانا اس کے بس میں نہ تھا۔ وہ والدین اور تمام بہن بھائیوں کی چہیتی تھی کیونکہ وہ سب سے چھوٹی اس کا نام منیر تھا۔ سب اسے پیار سے منی کہا کرتے تھے۔ شہر میں پھوٹ پڑنے والے فسادات کے وقت اس چھوٹے سے کنبہ پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کے دونوں بڑے بھائی اور ابو فساد میں مارے گئے بڑی بہن کا کوئی پتہ نہ چلا وہ زندگی کے دکھ جھیلنے اور ماں کا ساتھ دینے کے لئے بچ گئی تھی۔ بلوائیوں نے ان کے گھر کو پہلے لوٹا اور پھر اس میں آگ لگادی برسوں کا جمع جوڑا گھر بہن کا جہیز غرض زندگی بھر کا تمام اثاثہ فساد کی نذر ہو گیا۔ جوان بیٹوں اور شوہر کی خون میں نہائی ہوئی لاشوں کو دیکھنے کے بعد سے ہر ایک گھنٹہ اور گھنٹہ اور آدھ گھنٹہ بعد ماں پر غشی کے دورے پڑتے رہے انسانیت کے دشمن انسان نما درندے چاروں طرف بربریت پھیلا رہے تھے اور اس وقت ڈاکٹر کنہیا لال نے ان دونوں کو پناہ دی تھی۔ وہ ماں کا علاج کر رہے تھے ان سے کوئی پیسے بھی نہیں لے رہے تھے۔ ماں جب تین دن تک دواخانے میں بےہوش تھی منی کو کئی بار خیال آیا کہ وہ جمیل کے پیار کی نشانی اس طلائی انگوٹھی کو بیچ دے جیسے وہ اپنی کتابوں

کے بیگ میں چھپا کر بچا پائی تھی - فساد کی آگ کچھ ٹھنڈی ہونے کے بعد اس نے جمی کو بہت تلاش کیا تھا - لیکن وہ کہیں نہ مل سکا — منی نے زندگی کو اداسیوں اور غموں کے حوالے کرنے کی بجائے حوصلہ سے کام لیا - ان واقعات کو دس سال گذر چکے تھے - دسمبر کی یخ بستہ رات تھی اور وہ اپنی ماں سے چمٹی ہوئی سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی - آج کے انٹریو نے اسے بوکھلا دیا تھا سرد رات کی اس تنہائی میں ہر تھوڑی دیر بعد اسے اس کمبنہ نوجوان کا خیال آتا اور اس کے خون میں ایک کانٹا سا گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا - اس کی کوئی سہیلی نہ تھی جسے وہ اپنے دل کی باتیں سنا کر کچھ بوجھ ھلکا کر لیتی رہ رہ کر اسے جمیل پر بےحد غصہ آتا - جس نے اسکی کبھی خیر خبر نہ لی تھی - اسکی دی ہوئی انگوٹھی کو جس پر "جے ... J" کندہ کیا ہوا تھا آنکھوں سے لگائے چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی - اس نے کئی بار کوشش کی کہ وہ جمیل کی یاد کو دل سے کھرچ دے اس نے جب آنکھیں پھیر لیں تو وہ کیوں اسکی یاد کے انگاروں پر لوٹتی رہے لیکن ہر بار وہ اس کوشش میں ناکام رہی تھی اور پھر کئی دن بعد اس نے ایک اور انٹریو اٹنڈ کیا جو ایک بڑے ہال میں رکھا گیا تھا ہال کے ایک سرے پر کئی امیدوار بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے سرے پر ایک با وقار سنجیدہ سا نوجوان بیٹھا ہوا انٹریو لے رہا تھا آج اسے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا وہ بہت خوش تھی - اس کا نمبر پانچواں تھا - نام کے پکارے جانے پر وہ اس نوجوان کے مقابل کرسی پر جا بیٹھی جسنے پہلے تو اسے گہری نظروں سے دیکھا اور پھر اس کے سرٹیفیکیٹس بغور دیکھنے لگا -

" آپ نے اپنا نام منیرہ جے لکھا ہے - کیا آپ پورا نام بتائینگی؟

" منیرہ جمیل " منی نے کسی قدر فری ہوتے ہوئے کہا

" او آئی سی " نوجوان کی پر وقار گمبھیر اور سرسراتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس کے چہرے پر حیرانی کی ایک لکیر سی آ کر چلی گئی -

" کیا اس سے قبل آپ نے کہیں کام کیا ہے؟ اسنے پھر پوچھا -

" جی نہیں " منی نے نظریں نیچی کئے ہوئے جواب دیا

" ٹھیک ہے آپ جا سکتی ہیں "

تیسرے دن منیر کو نقرری کا پروانہ مل گیا - ڈیوٹی سنبھالنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ آفس کیا ہوتا ہے اور آفیسر کیسا ہوتا ہے دن بھر ٹائپ کرتے ہوئے اس کی انگلیاں شل ہوجاتیں یہاں تک کہ اکثر اسے لنچ لینے کا ٹائم بھی نہ ملتا - اسنے بھی ہمت نہیں ہاری اور خوب محنت کرتی رہی - لیکن نہ جانے کیوں اس کا باس اسکی نسوانیت کے وقار کو ہمیشہ مجروح کرتا رہتا تھا اکثر اس پر برس پڑتا معمولی سی غلطی پر کاغذات اس کی طرف ہوا میں اچھال دیتا فائلس اٹھا کر پھینک دیتا اور اس وقت مینیجر اور دوسرے کلرکس اپنا کام بڑی تندھی اور توجہ کے ساتھ کرتے ہوئے نظر آتے وہ باس کے روم سے اکثر نم آنکھیں لئے نکلتی اور مینیجر اسکی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتا - بقول مینیجر اسکے دل میں ہر ایک کے لئے " ہمدردی " کا سمندر موجیں مارتا رہتا ہے اسلئے وہ جب منی کی بجھی بجھی آنکھیں، مرجھائے ہوئے رخسار اور مرمردہ ہونٹ دیکھتا بےچین ہو جاتا ہے اور پھر معاشرہ کی ناہمواری پر بامکمل تقریر اسکے ذہن میں چیخنے لگتی ہے - وہ ہر وقت منی کے آگے پیچھے رہتا اکثر گھر کے کام بھی کردیتا لائٹ اور پانی کے بل بھر دیتا اور اگر کوئی کام نہ ہو تو اسکی ماں سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا رہتا - عورت کی فطرت میں ایک چیز یہ بھی شامل ہیکہ کوئی مرد چاہے کتنا ہی دولت مند اور خوبصورت کیوں نہ ہو اگر وہ عورت کی خوشامد میں لگا رہے تو وہ اسے پسند نہیں کرتی اپنی جگہ اور زیادہ اینٹھ جاتی ہے کیونکہ عورت عام طور پر سخت گیر مردوں کو پسند کرتی ہے بشرطیکہ ان میں چاہنے اور چاہے جانے کی صلاحیت بھی ہو - یہی وجہ تھی کہ منیر نے اسکے آگے کبھی گھاس نہیں ڈالی وہ تو دن رات باس کو اپنے خوابوں اور تصورات میں بسائے رکھتی تھی - جو پر وقار شخصیت، سخت گیر طبیعت اور ساتھ ساتھ دردمند دل کا بھی مالک تھا - ابھی دو ہفتہ قبل کی ہی تو بات تھی اسے اپنی ماں کے کپڑوں اور ایم - اے کی فیس وغیرہ کے سلسلے میں رقم کی ضرورت پڑ گئی تھی - درخواست دینے پر دوسرے دن اس نے پانچسو روپیوں کی تکمیل کردی تھی - وہ سوچتی کاش اس جیسا ہی کوئی شریف نوجوان اسکا ہاتھ تھام لیتا اسے اپنے دل کی ملکہ بنا لیتا وہ باس کو دیوتا کا درجہ دے بیٹھی تھی اسکی پرستش تو کرسکتی تھی لیکن اسے پا نہیں سکتی تھی بقول مینیجر بڑے لوگ کبھی چھوٹے لوگوں کو منہ نہیں لگاتے کاش اپنے معاشرے کا مزاج بدلنا اپنے بس میں ہوتا — ہمارا یہ معاشرہ اور دولت کی یہ ناہموار تقسیم آخر کبتک ہم اس کشمکش میں زندگی گذارینگے دیکھتے ہی دیکھتے ایک سال گذرگیا منیر نے سروس کرتے ہوئے ایم - اے پاس کر لیا اور ایک دن اچانک اپنا استعفی پیش کردیا اس دن اس کے باس نے بطور خاص اسے اپنے کمرے میں بلوایا غیر متوقع

اور غیر معمولی طور پر آج اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ منیرہ دھڑکتے دل کے ساتھ آئی اور بالمقابل کرسی پر بیٹھ گئی۔

''مس منیرہ جمیل آج میں آپ سے کچھ ذاتی سوالات کرنا چاہتا ہوں''

''جی فرمائیے''، معیز نے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

''آپ استعفی کیوں دے رہی ہیں جبکہ آپکی تنخواہ اور رتبہ بڑھ چکے ہیں۔

''سر وہ .... وہ .... میری والدہ کی خواہش ہے کہ ....

''کیا آپ کی شادی ہورہی ہے''

منیرہ کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ گئی اسنے گردن جھکالی

''اور ! میں سمجھ گیا لیکن شادی سے پہلے لڑکے کو دیکھ بھال لینا چاہئے اس بندھن میں بندھنے سے پہلے ایک دوسرے کی طبیعتوں سے واقف ہونا ضروری ہے''

''سر مجھے اپنی ماں پر پورا بھروسہ ہے اور ہندوستانی رسم و ریت کے مطابق لڑکیوں کو اس معاملے میں کچھ کہنے کی اجازت بھی نہیں ہے''

''گویا آپ ماں پر پورا بھروسہ رکھتے ہوئے بھی کچھ کہنا چاہتی ہیں''

باس کے اس سوال پر منیرہ کچھ گڑبڑا گئی

''جی ہاں .... جی نہیں .... کچھ تو نہیں''

''معلوم ہوتا ہے آپ کچھ چھپارہی ہیں کیا میں اس سلسلہ میں آپکی کچھ مدد کرسکتا ہوں ؟''

''سر آپکے مجھ پر کئی احسانات ہیں جنکا بوجھ میں کبھی نہیں اتار سکتی مجھے شرمندہ نہ کیجئے''

منیرہ کے چہرے پر بیک وقت کئی رنگ پھیل گئے اسکا چہرہ سرخ ہورہا تھا جیسے کچھ ضبط کررہی ہو۔

''مسس منیرہ جمیل میرا تو یہ نظریہ ہے کہ انسان کو انسان کے کام آنا چاہئے وہ الگ بات رہی اور یہ مسئلہ الگ ہے کم از کم اتنا ہی بتادیں کہ آپ کیسے شخص کو پسند کرتی ہیں ؟

باس کی گمبھیر آواز منیرہ کے دل کے تاروں کو چھو گئی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور دھڑکنوں کے اس شور میں زبان گنگ ہو گئی اس نے چاہا دل کے نہاں خانوں میں مقید اس خواہش کا ظہار کردے جو آج تک نکاس کا راستہ نہ پاسکی تھی کہ وہ شخص مزاج کا اچھا ہو کردار کا مضبوط ہو ہنس مکھ بھی ہو صابر اور بردبار بھی ہو احساس اور محبت کرنے والا ہو بالکل آپ جیسا بلکہ

''آپ کیا سوچنے لگیں ؟

وہ باس کی آواز پر اچھل پڑی

''جی.......... جی .... میں وہ

الفاظ اس کے منہ سے ادا نہ ہو سکے آنکھوں میں آنسو امڈ آئے جذبات کا ایک طوفان سینے میں دبائے وہ تیزی کیساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔ شادی کا رقعہ اس نے بطور خاص اپنے باس کے نام روانہ کیا اور آفس کا عملہ بھی مدعو تھا۔ اسکی ٹائپسٹ دوست انجلی سے معلوم ہوا کہ اس کے باس نے شادی میں شرکت نہیں کی ہے اس کے دل کو دھچکا سا لگا منیجر کے الفاظ اسکے کانوں میں گونج گئے کہ بڑے لوگ کبھی چھوٹے لوگوں کو منہ نہیں لگاتے آفس کے عملہ کی طرف سے لایا ہوا خوبصورت نکلس کا ڈبہ دیکر انجلی چلی گئی۔ منیرہ دلہن بنی کچھ خوش کچھ ناخوش تھی۔ رخصتی کے وقت بڑی بوڑھیوں نے سینے سے لگاکر دعائیں دیں اور ماں نے رو رو کر برا حال کرلیا منیرہ بھی بے تحاشہ رو رہی تھی۔

سہیلیوں اور رشتہ دار لڑکیوں نے رازدارانہ انداز میں کچھ سمجھا کر ہنسانے کی کوشش کی اور دلہن رخصت کردی گئی

حجلہ عروسی میں داخل ہوتے وقت نامعلوم سی دھڑکنوں نے اسکا استقبال کیا اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ جسم پسینے میں بھیگ رہا تھا دماغ پر خیالات کے ہجوم نے یلغار کردی تھی دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی کے قدموں کی چاپ نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز تر کردیا آہٹ قریب آتی گئی منیرہ ایک گٹھڑی کی مانند سمٹ گئی آنے والے نے '' اسلام علیکم '' کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر اس کا ہاتھ تھاما اور ایک انگوٹھی انگلی میں پہنا دی منیرہ نے کنکھیوں سے انگوٹھی کو دیکھا اور پھر دیکھتی رہ گئی۔ چند ثانیوں تک وہ انگوٹھی کو تکتی رہی اور پھر برسوں کے فاصلے لمحوں میں طے ہو گئے اس انگوٹھی پر '' ایم'' (M) کندہ کیا ہوا تھا اور یہ وہی انگوٹھی تھی جو اس نے دس سال قبل جمیل کو دی تھی اضطراری حالت میں منیرہ نے اپنا گھونگھٹ الٹ دیا سامنے اپنے باس کو پھولوں میں لدا ہوا کھڑا پایا چند لمحوں بعد وہ بےہوش ہو چکی تھی۔ جب ہوش آیا تو اس کا سر جمیل کی گود میں تھا وہ جلدی سے اٹھ

پیٹھی - جمیل نے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا کہ کسطرح وہ فساد کے بعد والدین کے ساتھ لکھنؤ چلا گیا تھا اس وقت وہ صرف اٹھارہ سال کا تھا اپنی تعلیم وھیں مکمل کی اور بزنس میں جٹ گیا - اس نے وہ انگوٹھی پچھلے دس سال سے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی اور آج تک اس لڑکی کی تلاش میں تھا جسکے ہاتھ میں جے (J) کندہ کی ہوئی انگوٹھی ہو ، اس دوران اسے تین لڑکیاں ایسی ملیں اور جب انکے نام معلوم کئے وہ اس کی منیرہ جمیل نہیں تھیں منیر حیرانی سے تکے جا رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حقیقت کی دنیا میں ہے یا محض خواب دیکھ رہی ہے-

'' آپ نے آج تک مجھے پریشان کیوں کیا؟

'' میں تمہیں سڈن سرپرائز دینا چاھتا تھا ویسے میں پہلے دن ھی سمجھ گیا تھا جب تمہاری انگلی میں جے والی انگوٹھی دیکھا تھا چہرہ جانا پہچانا سا لگا اور دل نے گواھی دیدی کہ یہی میری منیرہ ہے جب تم نے پورا نام بتایا تو میری خوشیوں کا ٹھکانہ ھی نہ رہا — میں نے تمہاری والدہ کے ھاں پیغام بھجوایا جو بخوشی منظور کرایا گیا میں وقتا فوقتاان سے ملتا رہا اور اپنے بارے میں کچھ نہ بتانے کی سختی سے میں نے تاکید بھی کی تھی-

منیر مجسمہ حیرت بنی سنتی رہی-

'' ان تمام باتوں سے ہٹ کر اپکے بدلے ہوئے نام کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی ''

'' نام تو وھی ہے جو تمہیں معلوم ہے جمیل تو عرفیت ہے- اچھا باقی باتوں کے لئے زندگی پڑی ہے اب تم آرام کرو-

جمیل نے لائٹ آف کردی — رات کا آنچل آھستہ آھستہ ڈھل چکا تھا اور صبح صادق کی خنک ھواؤں نے سارے ماحول کو بھگو دیا تھا ———

* * *

محمد عثمان اوج اعظمی

غزل

ہملوگ زمانے کو جب درس ولا دیں گے
ہر قصر تشدد کی بنیاد ھلا دیں گے

دیں گے وہ ھمیں اپنی خدمت کا صلا دیں گے
امرت کے بہانے سے وش ھم کو پلا دیں گے

دل تحفہ قدرت ہے توڑو نہ کہا مانو!
ھم دل کے عوض تمکو آئینہ دلا دیں گے

زندوں کو تباھی سے اے کاش بچا لیتے
سنتے ہیں کہ کچھ انساں مردوں کو جلا دیں گے

رخ موڑیں گے اک دن ھم بپھرے ہوئے طوفاں کا
تپتے ہوئے صحرا میں گلزار کھلا دیں گے

جذبات جو ڈھلتے ھیں الفاظ کے پیکر میں
افکار کے گوھر ھیں ذھنوں کو جلا دیں گے

جو اوج ! یہاں ہوگا انجام سے بیگانہ
حالات اسے اک دن مٹی میں سلا دیں گے-

* * * *

حنا

محبت جسم کا وہ کینسر ہے جو ناسور کی طرح رستا رہتا ہے انسان تڑپتا رہتا ہے ، سسکتا رہتا ہے اور درد محبت سے موت کی ہچکیاں لیتا رہتا ہے لیکن موت نہیں آتی ۔ محبوب کی طرح موت بھی بے وفا ہوتی ہے جو عاشق کے چاہنے سے نہیں آتی ۔ عاشق کے انتظار سے نہیں آتی ۔ پھر بھی عاشق مرتا رہتا ہے موت سے دو چار ہوتا رہتا ہے ۔ تین سالوں سے ضیا بھی محبت کا کینسر لئے تڑپتا رہا اور ناز کی بیوفائی پر آنسو بہاتا رہا ، کبھی خود کو فریب دیکر ماضی کو بھلاتا رہا کبھی حال بن کر ، کبھی مستقبل بنکر ماضی سامنے آتا رہا ۔ ابھی اس کے پرانے زخم ناسور بن کر رس رہے تھے کہ اسکی امی نے اس کی شادی کی حامی بھرلی ۔ یہ سب اس طرح اچانک ہوگیا کہ وہ انکار بھی نہ کر سکا ۔ دلہن کو اک زخم سمجھ کر گھر لے آیا ۔ لیکن یہ زخم نہ تھا اس کے پرانے زخموں کا اندمال تھا ، ملائم ملائم ٹھنڈا ٹھنڈا پھاہا ۔ جب ضیا نے دلہن کا گھونگھٹ الٹ کر دیکھا تو وہ ناز تھی ۔ وهی ناز جسے وہ چاھتا تھا ۔ جو اسکی زندگی تھی ۔ اس کے سونے آنگن میں پھر بہاریں آگئیں ۔ وہ ناز کے گلابی ہونٹوں کو دیکھکر گنگنانے لگا ۔

تیرے لبوں کے مقابل گلاب کیا ہوگا
تو لاجواب تیرا جواب کیا ہوگا

جب ضیا نے اس کے حنائی ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا : تو اسے ایک خط اسی ہاتھ میں ملا ۔ وہ بڑی حیرت سے اس خط کو دیکھنے لگا جس میں لکھا تھا ۔

" میرے عزیز ساتھی ، میرے غمگسار ! سلام خلوص ۔

میں اس وقت تمہارے بالکل قریب بیٹھی ہوں اتنے قریب بیٹھی ہوں کہ تم میرے دل کی دھڑکنیں تک گن سکتے ہو یقین مانو میں نے ہمیشہ تمہیں اتنا ہی قریب سمجھا لیکن وقت نے ہمیں کھل کر ملنے نہ دیا جسکی وجہ میری منگنی تھی جو میری والدہ بچپن میں کر چکی تھیں جسکی مجھے بالکل خبر نہ تھی میں نے تو اپنے حریم دل میں تمہیں بسا چکی تھی ، تصور میں اپنا دیوتا مان کر تمہارے گلے میں دیو مالا پہنا چکی تھی ۔ مگر وقت نے اس مالا کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ قیصر انگلینڈ سے اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آ رہا ہے تو مجھے محسوس ہوا مجھ پہ غم کے بادل پھٹ پڑے ہوں ۔ قسمت کی یہ بھی ستم ظریفی کہ نکاح کے چند گھنٹے پہلے معلوم ہوا کہ قیصر انگلینڈ سے تعلیم ہی حاصل کر کے نہیں آیا ہے ، اپنے ساتھ خوبصورت بیوی بھی لایا ہے ۔ یہ خبر سنتے ہی میرے گھر میں مایوسی چھا گئی خوشی اور مسرت سے بھرا گھر غم و الم میں ڈوب گیا ۔ اسی لمحہ کوئی خاتون بھری محفل میں کھڑی ہوئیں اور بولیں " ناز کی شادی ہوگی اور اسی وقت ہوگی ! ،، میں نے اپنے ذہن سے سوچا کہ وہ شخص کتنا عظیم ہوگا جس کی یہ عورت ماں ہوگی ۔ اور جب میں نے تمہیں اس وقت دیکھا تو یقین آ گیا کہ یہ تمہاری ہی ماں ہو سکتی ہیں ۔ تم شاید اس شادی سے انکار کر دیتے اگر تمہیں یہ علم ہوتا کہ میں ہی وہ بے وفا ناز ہوں جس نے تمہیں تین سال تک تڑپایا ہے لیکن تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنا تڑپی ہوں ؟ اور زندگی بھر کتنا تڑپوں گی ؟ میں نے خود کو ایسی سزا دی ہے جو عورت کے لئے اک خاموش موت ہوگی ۔ صرف تمہاری ناز ۔ ،،

خط ختم کرتے ہی ضیا نے ناز کو دیکھا اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی تھیں اس کا دل بھر آیا ۔ اس نے ناز کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اپنے پیاسے ہونٹوں کو اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیا ۔ اس کی پیاس بجھ گئی تھی ۔ اس نے ناز کو اپنے سینے میں چھپا لیا ۔ ادھر بادلوں نے چاند کو اپنے آغوش میں لے لیا ——

رات کی تاریکیاں دن کے پر نور اجالوں میں تبدیل ہوتی ہیں وقت گذرتا رہا ، حالات بدلتے رہے ۔ تین سال گذرنے کے بعد بھی کسی نے ناز کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں دیکھی کسی نے اس کے لبوں کو مسکراتے نہیں دیکھا ، کسی نے اس کی آواز نہیں سنی ۔ وقت کے ساتھ قیاس آرائیاں بڑھنے لگیں کوئی

کہتا – " ناز گونگی ہے "، کوئی کہتا " قیصر نے اسے دھوکا دیا "، کوئی کہتا " ناز نے محبت میں چوٹ کھائی ہے "، غرضکہ جتنے لوگ تھے اتنی ہی قیاس آرائیاں تھیں۔ ضیا اکثر ان سب باتوں کو سن کر ان سنی کر دیتا، لیکن اس کے دل میں ایک خواہش ضرور پیدا ہوتی کہ ناز اس سے چند لمحے باتیں کرتی۔ وہ اکثر سوچتا کہ آخر ناز کب تک اک شمع کی طرح سلگتی رہے گی، جلتی رہے گی۔ وہ اکثر اس کے قریب آ کر کہتا " میری ناز! کچھ تو بولو۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم مجھے اپنے غم میں شریک کرلو؟ میری ناز! خدا کیلئے مجھ پر ترس کھاؤ "، لیکن کون کس پہ ترس کھاتا ہے؟ اسے تو بس اتنا یاد ہے کہ گولہ گنج ہاسپٹل سے کسی ڈاکٹر نے یہ اطلاع دی۔ " ضیا صاحب آپ کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے "، لیکن ابھی ڈاکٹر نے اپنا جملہ پورا بھی نہ کیا تھا کہ ضیا تیزی سے ہاسپٹل کی طرف بھاگا۔ جب وہ گیٹ کے اندر داخل ہوا اس نے ایک لاش دیکھی جو باہر لے جائی جا رہی تھی جس کے گرد عزیز واقارب جمع تھے اور رو رہے تھے۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اسے محسوس ہوا جیسے جسم سے کوئی شئے جدا ہوگئی ہو۔ جیسے کسی نے قینچی سے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لیا ہو جس سے سارا جسم متاثر ہو کر رہ گیا ہو۔ جب وہ ناز کے ایڈمٹ کمرے میں داخل ہوا تو ناز کی آنکھیں کھلی تھیں جیسے اسے کسی کا انتظار تھا۔ لیکن آنے والے نے دیر کردی۔ جس سے اس کی آنکھیں بجھ گئیں۔ وہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر کے گہری نیند سو چکی تھی۔

جب ڈاکٹر نے ضیا کے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہا " سوری، ضیا صاحب میں صرف بچی کو بچا سکا۔ "، تو ضیا کو شاک سا لگ کر رہ گیا۔ وہ بہت دیر تک ناز کے شانے جھنجھوڑتا رہا لیکن ناز اس سے بہت دور جا چکی تھی۔

کئی گھنٹے بعد جب ضیا کے آنسو تھمے تو اس نے ایک بچی کو دیکھا جو اسے بغور دیکھ رہی تھی جیسے برسوں سے اسے جانتی ہو۔ ضیا کے دل میں آیا وہ اس کا گلا گھونٹ دے۔ اسی لمحہ ڈاکٹر بولا۔ " مرنے سے چند لمحے پہلے محترمہ نے ایک خط آپ کو دیا تھا۔ "، وہ خط دے کر چلا گیا –

ضیا بہت دیر تک ناز کی تحریر کو چومتا رہا۔ پھر خط پڑھنے لگا –

" میرے ضیا کو آخری سلام! ––

میں نے تمہیں جتنا بھی تڑپایا اس کی سزا میں نے خود کو دے لی تھی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ میری شادی قیصر سے ہو رہی ہے تو میں نے زہر کھا لیا۔ لیکن موت کی ستم ظریفی کہ اس نے مجھے نہیں پوچھا۔ ہاں اس زہر نے اتنا کام کردیا کہ بولنے کی صلاحیت ختم ہوگئی۔ زبان سے بولنے کی صلاحیت کیا ختم ہوگئی، سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہر خواہش ہر آرزو سینے میں دفن ہو کر رہ گئی۔ پھر بھی میں تمہارے لئے اپنی خوشبو حنا کی شکل میں دیئے جا رہی ہوں۔ تم اس میں میرا عکس پاؤگے، تم اس سے جی بھر کے باتیں کرنا میں سمجھوں گی تم مجھ سے باتیں کر رہے ہو اور اس معصوم حنا کو ہر خوشی دینا تاکہ اسے ماں کی کمی کا احساس نہ ہو۔ بس یہی میرا آخری ارمان ہے جسکی تکمیل تم کروگے۔

اب ضیا کے پاس حنا کے سوا اور کیا تھا؟ وہ ناز کے اس آخری ارمان کو اپنے سینے سے لگائے گھر کی طرف بڑھنے لگا –

بنگالی افسانہ

ترجمہ:- شانتی انجمن بھٹا چاریہ

پگلی

ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی -

ریسیور اٹھاکر بولا-- "ھلو ،، !

دوسری طرف سے کہتے سنا-"میں ،، مسٹر مکر جی بول رہا ھوں سنئے - بڑی مشکل میں پھنس گیا ھوں - ایک پگلی آفس میں گھس آئی ھے اور ھنگامہ کررھی ھے - شور و غل مچا رھی ھے - کہئے تو -- کیا کروں - ،، ؟

میں حیران ھوکر بولا - "کیا ، ' پگلی ، آفس میں داخل ھوکر ھنگامہ کررھی ھے - اسٹاف کیا اسے بھگا دے نہیں سکتے-- ؟

"-- اسٹاف اسکا سامنا نہیں کر پارھےھیں - ایک کے ھاتھ کو تو وہ دانتوں سے کاٹ کھائی ھے - She is a feroeious mad

" تب تو پولیس کو بلانا ھوگا -

" وھی کیجئے - Please کام دھام سب بند ھو گیا ھے ،،

میں نے پوچھا -- عمر کیا ھے - بوڑھی ھے کیا - ؟

"نہیں - نہیں -- A young woman دیکھنے میں اچھی دکھائی And think she comes of a good family

" پھر تو اور مشکل ھے - لیڈی پولیس کی ضرورت ھے --

" کانسٹیبل سے نہیں ھوگا -- ؟

" مرد کانسٹیبل سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نوجوان عورت [illegible] - ہاتھ لگائے -

" تب زنانہ پولیس ھی بلائیے - لیکن جلدی کیجئے ،

" دیکھتا ھوں ،، -

میں نے تھانے میں فون [illegible]

[illegible] ڈائریکٹر سے معلوم کو کہہ کر آرہا ھوں [illegible] تو بھگا نے کہہ رہے ھیں ، آپ- لیکن لیڈی پولیس کے لئے [illegible] ڈی - سی - سے کہنا ھوگا - وہ سب ڈی سی - کے کنٹرول میں ہیں -

" یہ کام میں انجام دیتا ھوں - آپ ذرا جلد بھیج دیں - پگلی نے کام دھام سب بند کر رکھا ھے - -- ،،

پھر میں نے ڈی - سی - کو فون کیا

ڈی - سی - نے کہا- "آخر ایک پگلی کے ریولیوشن(Revolution) میں پھنس گئے - خیر ، بھیجتا ھوں ،،

-" ذرا جلدی ،،

-- " ابھی جائے گا ،، -

Thank you ھاں ایک دن تشریف لائیے نا ---،،

" آؤں گا تو ضرور- آپ کے پگلی کے ریولیوشن میں جانے ھیں - جس دن ھزار ھزار پاگلوں کے ریولیوشن میں پھنسیں گے ، اس دن تو آنا ھی پڑے گا -- ،، ڈی - سی - نے قہقہہ لگا کر فون رکھ دیا اور میں نے بھی --

پھر گھنٹی بج اٹھی

مسٹر مکر جی کی آواز آئی -- بیقراری کی آواز " کیا ھوا بھائی - لیڈی پولیس آرھی ھے نا -- ؟

" آرھی ھے ،، - میں نے کہا -- ،، کیا پگلی ابھی تک دھوم مچارھی ھے -- ،، ؟

" ھاں-- کہتی ھے کہ جب تک اس کے شوھر سے ملنے نہ دینے پر وہ ھرگز یہاں سے نہیں جائے گی - ،،

" کیا - اس کا شوھر آپ کے آفس میں کام کرتا ھے-- ؟

" کرتا تھا - لیکن اب یہاں نہیں ھے - وہ جلپائی گوڑی میں ھے - کوئی چھ ماہ پہلے ٹرانسفر ھوا ھے - لیکن یہ پگلی کہتی ھے کہ وہ اب بھی یہیں ھے - اسی آفس میں ،،

" اسے سمجھا کر کہئے تو سنتی نہیں ھے ،، -

" [illegible]

"[illegible]

"[illegible]

میں فون رکھ [illegible] خاموش رہا - میری ملازمت ھی ایسی ھے کہ مجھے فائل ورک File work سے زیادہ " جنتا ،،

ھی سے تعلقات رکھنے پڑتے ھیں - " جنتا " جن کو آجکل " دیوتا " بھی کہا جاتا ھے ان کو لے کر کوئی ھنگامہ کرنا نہیں پڑتا اور نہ ھی میں انہیں اتنا خطرناک سمجھتا ھوں - بلکہ میرے خیال کے مطابق یہ " دیوتا " سیدھے سادھے ھیں لہذا میں بطور انسان ھی ان کی عزت کرتا ھوں - میں انسان ھی کو زندگی میں حقیقی دولت تسلیم کرتا ھوں - پھر بھی اس ملٹی اسٹوری بلڈنگ میں انسانوں کی آمد و رفت کے سلسلے میں جو ھنگامے ، جو ھلچل ، جو شور و غل ھے ، اسکی ھر صدا ہر آواز ، ھر لہر میرے کانوں سے آ کر ٹکراتی ھے - ھر قدم کی … میں پا لیتا ھوں حالاں کہ مجھ پر یہ فرض عائد نہیں ھوتا کہ میں ھر ھنگامے کی ذمہ داری قبول کروں لیکن پھر بھی عام طریقہ ھے کہ میں سنبھالوں ، ذمہ داری یوں نبھاؤں اور اسی لئے اس بلڈنگ کے دسویں منزل پر کے اس آفس کے پگلی والے ھنگامے میں بھی مجھے پھنسنا پڑا ھے -

ایک پولیس سب انسپکٹر میرے کمرے میں داخل ھوا -

" کہاں جانا ھوگا - سر " اس نے سوال کیا -

میں نے کہا " دس نمبر - پگلی کو اتار لائے - لیڈی پولیس آئی ھیں نا - "

" وہ آئی ھیں " اس نے جواب دیا

" ٹھیک ھے ، جائیے "

سب انسپکٹر صاحب میرے کمرے سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے -

میں بھی کرسی سے اٹھ کر کمرے سے باھر نکل آیا اور دروازے پر آ کر رکا - میرا کمرا اس بلڈنگ کے صدر گیٹ کے قریب ھے - اسی گیٹ سے کئی ھزار آدمی اس بلند ملٹی اسٹوری کئی منزلہ عمارت میں آتے جاتے ھیں - میں وقت ملنے پر کبھی کبھی میرے کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے اس صدر گیٹ کو تکتا رھتا ھوں - " جنتا " کے آنے جانے کو دلچسپی سے دیکھتا ھوں - کبھی کبھی دیکھتا ھوں کہ سرخ روشنائی کے اس ننھے سے ادھ انچ کراس (×) سے بچنے کے لئے کتنی تیز تیز قدموں سے لوگ دوڑے دوڑے آتے ھیں - یہ قانون کی کتنی پابندی کرتے ھیں - ھر روز قانونی طور پر آنے جانے کی پابندی کرکے ملازمت کرتے ھیں ، کام کرتے ھیں ، جیسے قانون کے طور پر ھی " جنتا " ھی " دیوتا " سرخ سرخ جھنڈے لئے نعرے بلند کرتے ھوئے ، قانون کو توڑ کر سیڑھیوں سے اوپر نیچے دوڑ رھے ھیں - قانون کا یہ تھوڑا ھی پروا کرتے ھیں - قانون کے سلسلے میں ان کو کوئی درد سر نہیں ھے - جیسے قانون کی خلاف ورزی کرنا ھی ان کا فرض ھے خلاف قانون قدم اٹھانے ھی میں ان کا وجود ھے - اس دنیا میں آج ھر کوئی اپنے وجود کا طالب ھے - اپنے وجود کو تسلیم کروانا چاھتا ھے - اور ھاں ، وہ پگلی بھی یہی چاھتی ھے - غیرقانونی طور پر ، چلا کر ، نعرے لگا کر ، ھنگامے کرکے - وہ اپنے شوھر کے ساتھ بستر پر سونے کا حق مانگتی ھے - حق ، جو اسکا اپنا ھے

لفٹ کی طرف دیکھا -

شاید غیر شعوری طور پر میں پگلی سے دلچسپی لینے لگا تھا - اتنے میں نیلے نیلے بارڈر والی سفید ساڑیاں پہنی ھوئی دو لیڈی پولیس ایک خاتون کو دونوں جانب سے دو ھاتھ تھامے لفٹ سے باھر آئیں - پیچھے سب انسپکٹر صاحب اور پھر دو کانسٹیبل وہ میرے قریب آئے - لیکن کیا یہی وہ پگلی ھے - ؟ مانگ میں چمکتا ھوا سرخ سرخ سندور - رنگ جیسے سرخ انگارہ - پرنور چہرہ ایک اجالے کی کرن - عمر اندازاً تیس برس - میں حیران ھو کر تکتا رھا - اس نے بھی ایک بار مجھے گھورا - اور پھر سر جھکا کر خاموش کھڑی رھی -

میں نے سب انسپکٹر صاحب سے پوچھا - " اب کیا کریں گے - "

" پہلے لے چلوں ، پھر چھوڑ دوں گا " -

" کیا لمبی نی پارک میں بھیج کر دیکھا نہیں جا سکتا " - ؟

" سر - وہ ھمارے Jurisdication میں نہیں ھے - پھر بھی دیکھیں بڑا بابو کیا کہتے ھیں - " ؟

" ٹھیک ھے ، لے جایئے - لیکن اگر لمبی نی پارک میں ممکن نہ ھو ، تو دیکھئے وہ اپنے گھر کا پتہ کہتی ھے یا نہیں - اگر ایسا ھوسکے تو اسے گھر پہنچادینے کا انتظام کیجئے - "

" ٹھیک ھے " سر " -

وہ لوگ چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا - دل اداس اداس تھا - ایک ایسی جوان عورت اور یہ ٹریجیڈی Tragedy افسوس - سنا ھے کہ کسی اچانک حادثہ Sudden Sock سے عموماً پاگل ھوجاتا ھے - تب اس خاتون کی زندگی کا المیہ کیا ھے - ؟

کام میں جی لگانے کی کوشش کر ھی رھا تھا کہ ایک شریف بوڑھا آدمی دروازہ دھکیل کر کمرے میں داخل ھوا -

میں نے دیکھتے ھوئے کہا - " بیٹھئے " -

بوڑھا ایک کرسی کھینچ کر مجھے دیکھتے دیکھتے بیٹھ گیا اسکی عینک کا لینس اور اسکے دیکھنے کا انداز کہہ رھا تھا کہ

اسکی بینائی بہت ھی کمزور ھے

میں نے کہا — ” کہئے ،، — ؟

بوڑھے کے حلق سے پہلے ایک نحیف سی آواز نکلی پھر وہ سنبھل کر بولا —”میری بیٹی اس بلڈنگ کے دس تلے میں آئی تھی سنا کہ آپ نے اسے پولیس کے حوالہ کردیا ھے ۔ کہاں جانے پر وہ ملے گی ، کہہ سکتے ھیں آپ — ؟ ،،

میں اسکی بات پر حیران ھوگیا ۔ سنبھل کر پوچھا—” آپکی بیٹی ۔

”ھاں ،، میری بیٹی ”—وہ بولے — ،، میرے داماد نے پھر سے شادی کی ھے ۔ یہ درست ھے کہ میری بیٹی کا دماغ پہلے ھی کچھ خراب تھا ۔ لیکن داماد کی دوسری شادی کے بعد اب وہ زیادہ خطرناک ھوگئی ھے ۔ میرا داماد پہلے اسی بلڈنگ کے دسویں منزل پر کام کرتا تھا ۔ دو ماہ ھوئے باھر تبادلہ ھوگیا ھے لیکن ھم لوگوں نے یہ بات بیٹی سے پوشیدہ رکھا ۔ اسی لئے اس سے ملنے آج کسی وقت وہ گھر سے نکل پڑی — ،،

” آپکو کیسے معلوم ھوا کہ آپکی بیٹی یہاں آئی ھے اس بلڈنگ میں — ،،

” بیٹی کو گھر پر نہ پاکر کچھ دیر تو ادھر ادھر تلاش کیا اسکے بعد سوچتے ھوئے یہاں چلا آیا ۔دس تلے پر گیا تھا ۔ وھاں معلوم ھوا کہ آپ نے اسے پولیس کے حوالہ کیا ھے — ،،

میں نے شرمندگی سے کہا —” مجھے سخت افسوس ھے ۔ اگر آپ کوئی دس منٹ پہلے آتے تو بیٹی کو آپ کے حوالے کر سکتا تھا اچھا ، آپ تشریف رکھئے ۔ اسے اچھی طرح ھی زنانہ پولیس لے گئی ھے ۔ میں تھانے میں خبر دیتا ھوں کہ اسے فورا ھی چھوڑ نہ دیں بلکہ آپ کے جانے پر ، آپ کے حوالے کردیں —،،

میں نے فون اٹھا کر آپریٹر کو تھانے کا کنکشن دینے کہا او ۔ سی ۔ نے میری آواز پہچانتے ھی حملہ کیا —،، کیا ھوا ۔ پھر کون سی حسین پگلی کے چنگل میں پھنس گئے — ،، ؟

میں نے ھنس کر کہا — ،، نہیں ، نہیں بار بار کون پھنستا ھے اچھا سنئے ۔ اس کے پتا جی میرے یہاں آئے ھیں ۔ میں ان کو آپ کے پاس بھیج دے رھا ھوں ۔ آپ انکی بیٹی ان کے حوالے کر دیجئے

او ۔ سی ۔ نے کہا—,, All Right میں اسے یہیں بٹھائے رکھتا ھوں میں نے فون رکھکر بوڑھے سے کہا —”آپ تھانے میں او سی کے ھاں جائیے ۔ آپ کی بیٹی وھیں بیٹھی ملے گی ۔ آپ کوئی فکر نہ کریں —،،

وہ بوڑھا اٹھنے ھی کو تھا کہ میں نے پھر کہا—”ایک منٹ ،، اسکے بعد او ۔ سی ۔ کے نام ایک خط لکھکر انہیں دیتے ھوئے بولا اسے او ۔ سی ۔ صاحب کو دیں۔ ممکن ھے آپ کے ٹرانسپورٹ کا بھی وہ انتظام کر دے سکیں — اور ھاں ، اگر آپ ایک کپ چائے پینا پسند کریں تو — چائے پی کر تازہ دم ھوکر جائیے بیٹی کے لئے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں —،،

بوڑھا لمحہ بھر مجھے غور دیکھنے کے بعد بولا—”آپ کی بات کیسے نہ رکھوں ،، — !

میں نے چپراسی کو چائے لانے کہہ دیا ۔ پھر بوڑھے کی طرف دیکھا ۔ وہ مجھے ھی دیکھ رھا تھا ۔ میں نے سوال کیا —”آپکی بیٹی پاگل کیوں ھوئی —؟ کوئی دلی صدمہ —،، ؟

میرے سوال پر اس کا چہرہ جیسے اداس ھوگیا ۔ میں نے فوراً ھی سنبھلتے ھوئے کہا—”اگر آپ کہنا پسند نہ کریں تو کوئی بات نہیں ،، —

بوڑھے کی نظریں پھر سے مجھ پر جم گئیں رک رک کر کہنے لگا ۔ ” نہیں ، نہیں ، ۔ایسی کوئی بات نہیں ۔ آپ سے کہنے میں کیا ھے ۔ وہ ایک حادثہ ۔ ان دنوں بیٹی دسویں کلاس میں تھی ۔ ۱٦ سال پورے کرکے اس نے سترویں میں قدم رکھا تھا ۔ ایک نوجوان سے شادی کی بات چیت بھی طئے پا گئی تھی ۔ وہ لڑکا ان دنوں بی ۔اے تھا ۔ خوش حال گھرانہ ، اچھے گھرانے کا ۔ میری بیٹی کا رنگ روپ دیکھ کر لڑکے کے باپ نے خود پسند کرلیا تھا ۔ لیکن بات پکی کرنے کے دن ھی وہ المیہ پیش آیا ۔ اس دن لڑکے کے باپ ان کے خاندانی گروجی جو ایک مشہور جوتیش بھی ھیں کو ساتھ لے آئے تھے ۔ بات پکی کرنے سے پہلے اس جوتیش جی نے میری بیٹی کا ھاتھ دیکھا ۔ دیکھتے ھی کچھ دیر چپ سادھے رہ گئے ۔ گم سم۔ اور پھر لڑکے کے والد کو آھستہ سے پرے لے جا کر نہایت سنجیدگی سے وہ کچھ بولے۔ اسکے بعد ھی پورا کھیل بگڑ گیا ۔ لڑکے کے والد نے مجھے الگ سے لے جا کر ، میرا ھاتھ پکڑ کر نہایت عاجزی سے کہا ۔ ” معاف کیجئے گا سین صاحب آپ کا جو کچھ خرچ ھوا ھے وہ میں دینے تیار ھوں لیکن کسی قیمت پر یہ شادی نہیں ھوسکتی ۔ گروجی نے کہا ھے کہ سال بھر میں ۔ میں آپ کی بیٹی کا دماغ خراب ھوجائے گا —،،

”میں تھر تھر کانپ اٹھا ۔اپنے آپکو بڑی مشکل سے سنبھالتے ھوئے بولا ۔ تو ۔ پھر ۔ ،،؟

بوڑھے کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے عینک اتار کر منہ پوچھتے ھوئے بولا ۔ ”اور پھر کہا ، بابا ۔ اس کے بعد جو ھوتا ھے وھی ھوا ۔ وہ لوگ بات پکی کئے بغیر چلے گئے ۔اور میرے گھر میں رونے دھونے کی آواز بلند ھوئی ۔ لڑکی نے بھی سب کچھ سنا ۔ شادی نہیں ھوئی ۔ اور حیرت کی بات یہ ھے کہ سال بھر میں ھی بیٹی کا دماغ میں خلل پیدا ھوا ۔ ،،

میں دل ہی اندر سے کانپ رہا تھا لیکن پھر بھی میں نے سوال کیا ۔ " اسکے بعد " ۔ ؟

"اسکے بعد چار پانچ سال بعد ، میں نے اس کی شادی دے دی تب وہ بالکل ٹھیک ہوگئی تھی ۔ بالکل ٹھیک ۔ لیکن داماد کے کرتوت سے ہی تو پھر سے وہ پاگل ہوگئی ۔ ۔

میں نے پوچھا ۔ " کیوں کر ۔ ۔

انہوں نے کہا ۔ " داماد کو کہیں سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ میری بیٹی کے سلسلہ میں سب باتیں جانتا تھا ۔ پہلے جس نوجوان سے میری بیٹی کی شادی ہونے والی تھی ، وہ اسے بھی پہچانتا تھا ۔ میرے داماد نے ایک دن بیٹی سے کہا ۔ " تمہارے ساتھ جس نوجوان کی شادی ہونے والی تھی ، وہ نوجوان ہمارے بلڈنگ کے ایک آفس میں کام کرتا ہے وہ ایک افسر اعلی ہے ۔ کیا ایک دن ہمارے طرف سے دعوت پر بلاؤں ، تم ملاؤ گی ۔ ۔ ؟ حالانکہ میرے داماد نے یہ بات یوں ہی کہی تھی ، چھیڑنے کے لئے لیکن معلوم نہیں کیا ہوا ۔ اس دن کے بعد سے میری بیٹی کا دماغ رفتہ رفتہ پھر سے بگڑنے لگا ۔ اور اب کی بار ، وہ ٹھیک نہیں ہوئی میں نے بہت کوشش کی ہے ۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا ۔ پاگل پن بڑھتا ہی گیا ۔ اور آخر کار داماد نے پھر سے شادی کرلی ہے ۔ اور اب مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا ۔ ۔

چپراسی چائے لے آیا ۔ بوڑھا چائے پینے لگا اور میں بوڑھے کا افسردہ چہرہ پڑھنے کی کوشش کرنے لگا چائے پی لینے کے بعد کرسی سے اٹھتے ہوئے بوڑھے نے کہا ۔ آپ نے بہت اچھا برتاؤ کیا ہے ۔ بڑی خوشی ہوئی ۔ ۔ ۔ پھر سر جھکا کر آہستہ آہستہ بڑبڑاتے ہوئے پوچھا ۔ " اچھا ، کیا یہ سچ ہے کہ وہ پہلا نوجوان اسی بلڈنگ میں کام کرتا ہے ۔ افسر ہے وہ ۔ آپ کیا اسے جانتے ہیں ۔ میں نام بتاتا ہوں ۔ اگر کہا کہ جانتے ہیں اب ابھی پہچان لیں ۔ دکھا دیں ۔ اس کو ۔

میں کانپ اٹھا ۔ جیسے کسی نے مجھے ۔ ۔ ۔ کر ۔ ۔ ۔ پکڑا کر دیا ہو ۔ اس نے بوڑھے کی کمزور آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ۔ " نہیں ۔ ۔ ! اور بوڑھا آہستہ آہستہ کمرے سے نکل گیا ۔

میں کمرے سے باہر نکل کر دروازے پر لٹکے ہوئے میرے نام کی تختی کو پڑھا ۔ نہیں ، ٹھیک ہے ۔ انگریزوں نے نہایت دانشمندی سے ہمیں یہ چوری سکھائی ہے ۔ میرے نام کی تختی میں لکھا ہے ۔ " ڈی ۔ کے ۔ داس گپتا ۔ ۔ ایک گہری سانس چھوڑ کر کمرے میں لوٹتے ہوئے سوچنے لگا ۔ ۔ کیا اس لڑکی کی ہاتھ کی لکیروں میں یہ لکھا تھا ۔ یا یہ کہ میرے پتاجی نے کروجی کی باتوں میں آ کر اس کی قسمت میں یہ لکھ دیا ہے ۔ ۔

* * *

عطیہ پروین

(اب سو جاؤ)

سلطان نے عقلمندی اور سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے :
اماں کے اکھڑتے سانسوں کے ساتھ ہی قبر بھی کھد والی تھی ۔
سلطان روتے سسکتے ہوئے اپنے دوست کی دوکان سے کفن بھی
خرید لائے تھے کوئی ایسا ویسا نہیں بےحد چکنا ملائم اور
سفید جیسے بگلے کے پر ۔ رحمان الگ تھلگ بیٹھے روتے روتے
سیوم ، دسویں ، بیسویں اور چالیسویں کا حساب بھی لگا چکے
تھے :

دونوں بیٹیاں نگہت اور رفعت پچھاڑیں کھا کھاکے دھاڑیں
مارنے اور دھاڑیں مار مار کر پچھاڑیں کھانے کی ریہرسل بھی
کئی بار کر چکی تھیں ۔ پوتی ، پوتے ، نواسی ، نواسے بار بار
دودھ ڈبل روٹی اور پھل کھلا پلا کے باھر بھگائے جا چکے تھے،
جلدی جلدی سب نے کھانا بھی کھا لیا تھا ، چائے بھی پی لی
تھی گھر میں صفائی بھی کروادی گئی تھی کہ پھر کہاں موقعہ
ملتا بڑی دلہن جلدی جلدی نہا دھوکے اپنے بال بھی ڈرائی کر
چکی تھیں ۔ منجلی دلہن نے لباس تبدیل کر کے چہرے سے
میک اپ بھی کرلیا تھا ، چھوٹی دلہن کھانے کے بعد جی بھر
کے سو بھی چکی تھیں کہ یہ ان کی عادت تھی ، نہ سوتیں تو
بیمار پڑ جاتیں — : بھر حال :

سب تیاریاں مکمل تھیں ۔ روانگی کا سامان تیار تھا گھر
پر ابھی سے موت کا سناٹا اور سوگواری چھا گئی تھی لیکن
اماں تھیں کہ دم توڑنے کا نام ھی نہیں لیتی تھیں : —

بھلا بتاؤ ، یہ کمزور نحیف جسم اور سخت جانی کا یہ عالم !
بڑی دلہن کا اب موڈ خراب ھو چلا تھا ۔ وہ بار بار اماں کو
عجیب سی خفگی اور بےچارگی کے ساتھ دیکھتیں ۔ اماں کی
سانس کی مدھم ڈور ٹوٹے نہ ٹوٹتی — :

ان کا کمزور ھڈیوں کا ڈھانچہ جیسا جسم بستر پر بےحس
و حرکت پڑا تھا ۔ لوگ کہ رہے تھے ھاتھ پاؤں کا دم نکل چکا
تھا لکڑی ھو رہے تھے ۔ آنکھیں بےنور ھو چکی تھیں پھٹی
پھٹی سی چھت پر جمی تھیں اگر کھر کھراتے ہوئے سینے میں
ھلکا سا تموج نہ ھوتا تو کوئی ان کو زندہ نہ سمجھتا ۔ ڈاکٹر
صبح ھی جواب دے کر جا چکے تھے ۔

:" سلطان صاحب ! اماں کے لئے اب دوا کی نہیں دعا کی
ضرورت ہے ! ،، دعا کون کرتا ۔ کس کو ضرورت تھی ان
ھڈیوں کی ۔ کیا مصرف تھا اب اماں کا — ! ایک بےکار شئے کی
مانند ایک طرف پڑی رھا کرتیں ۔ بیٹوں کو کبھی خیال آتا تو
منٹ دو منٹ جا کے بیٹھ جاتے بہوؤں کو اتنی بھی فرصت نہ
ملتی —

تتلی جیسے اڑتے پھرتے پوتی پوتوں کو بوڑھی ، گندی
مریل دادی سے کوئی دل چسپی نہیں تھی ان سے اچھا تو ھنستے
بولتا ٹی ۔ وی تھا — نگہت اور رفعت جب کبھی میکے آتیں
تو سیر سپاٹوں اور تفریحات سے چھٹی نہ ملتی کہ اماں کو پلٹ
کے دیکھ لیں —

اماں دور ھی دور سے اپنے ھنستے لہکتے گلشن کو دیکھتیں
اور خوش ھولیتیں ۔ بیٹوں کی دور ھی سے بلائیں لے لیا کرتیں ۔
بیٹیوں کو سجا سنورا دیکھ کر نظر بد کی دعائیں بدبدایا کرتیں
چاند سی بہوؤں کو دیکھ کر شاد ھوا کرتیں اور کھانس کھانس
کے صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن بتایا کرتیں — ان کی
طبعیت کئی روز سے خراب تھی ۔ رات اچانک حالت بگڑ گئی ۔
بگڑتی ھی چلی گئی یہاں تک کہ ڈاکٹر نے جواب دے دیا اور
گھر والوں نے جلد سے جلد ان کے سفر کی تیاریاں مکمل کر لیں
اب وہ سب ۔ ۔ ۔ ۔ منتظر تھے کہ کب اماں کی آنکھیں بند
ھوں ۔ بار بار سب ان کی سانس محسوس کرتے اور ایک دوسرے
کی طرف مایوسی سے دیکھتے ۔

شام بھی ڈھل گئی ۔ رات آ گئی ۔ اماں کی آنکھیں بند نہ
ھوئیں ۔ سینے کا ارتعاش ساکت نہ ھوا —

بڑی بہو نے سخت طیش کے عالم میں آب زم زم کی بوتل
الماری پر ڈال دی اور منجھلی بہو اپنی مسکراھٹ بڑی مشکل سے
روک کر پھس پھسائیں ۔

”بھابی ۔ اے بھابی جان اللہ آپ نے آب زم زم کے بجائے
حیات تو نہیں پلا دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ،،

چھوٹی بہو اپنی ہنسی کو کھانسی میں چھپاتے چھپاتے
ری ہو گئیں ۔ سلیمان نے کھڑے ہو کر انگڑائی لی ۔ سلطان
ایک لمبی جولانی لی اور رحمان جھک کر اماں کو غور سے
کھنے لگے ۔ اماں کی پھٹی پھٹی آنکھیں آخر کس کی منتظر تھیں
؟ ان کے اپنے سب ان کے پاس تھے ۔ ابا پانچ چھ برس پہلے
ان کو اپنے انتظار سے آزاد کر کے جا چکے تھے ۔ اب وہ
ا اس دنیا میں اپنی شریک حیات کے منتظر ہوں گے ۔ پھر
ں کیوں نہیں جا تیں — ان کو ابا سے ملنے کا شوق موت
ہمکنار کیوں نہیں کر دیتا — ؟ رحمان الجھ الجھ کر سوچ
ے تھے ۔ اماں کی تکلیف دیکھ کر سب کو موت کا خوف
ھائے ہوئے تھا اب آخر یہ خوف دور کیوں نہیں ہوتا — ؟
سب اوبھ چکے تھے — !

ت کے دس بج گئے۔

بچے سو گئے ۔ منجھلی دلہن کو اتنی زبردست نیند آئی کہ
کرسی پر ہی سو گئیں ۔ بڑی دلہن چپکے سے کچن میں جا
ھسیں ۔ آخر کب تک کوئی بھوک پیاس مارے ۔ چھوٹی دلہن
ہی ان کے ساتھ لگ گئیں ۔ رفعت اور نکہت دو دن محلے والی
ورتوں کے احاطہ میں منہ سجائے تھتھائے ماں کے پاس بیٹھی
گئیں — !

اماں کے سرھانے حافظ جی کی بیوی بیٹھی نیند کو بھگا بھگا
کر کوئی چھٹی بار یسین پڑھ رہی تھیں ۔ کہیں کی کہیں
ا پہونچتیں مگر ٹوکنے والا کون تھا اماں اپنے حواس میں ہوتیں
و حافظ جی کی بیوی کو کھا کھالیتیں ، جانے کتنی غلطیاں
کڑ چکی ہوتیں — !

پہلے سلیمان کمرے سے گئے ، پھر رحمان کھسکے پھر سلطان
غائب ہوئے ۔ بڑی دلہن نے رفعت اور نکہت کو کوئی ضروری
بات کرنے کیلئے پکارا اور ضروری بات کی بجائے جب پلیٹوں اور
چمچوں کی کھن کھناہٹ سنائی دی تب اماں کے پاس بیٹھی
بی بیوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔
کچھ طنزیہ مسکراہٹیں ابھریں ۔ اماں کی طرف تاسف اور ہمدردی
سے دیکھ کر سر ہلائے گئے —

گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی تھے ۔ کمرہ خالی ہو چکا تھا ۔
محلے والیاں اپنے اپنے گھروں کو جا چکی تھیں ۔ حافظ جی کی
بیوی تھک کر سو چکی تھیں ۔ سارے لڑکے لڑکیاں بہوئیں
پوتے پوتی نواسے نواسیاں اپنے اپنے ٹھکانوں پر سو رہے تھے کہ
۔ ۔ ۔ اچانک اماں کی آنکھوں کو حرکت ہوئی ۔ جسم میں
جنبش ہوئی اکڑی ہوئی گردن ہلی ادھر ادھر مڑی ۔ سناٹا تھا ۔
کوئی ان کے پاس نہیں تھا ۔

بجھتی ہوئی ان آنکھوں میں ایک حسرت ، ایک فریاد ایک
پکار صاف جھلک رہی تھی ۔ ان آنکھوں نے سامنے کی دیوار پر
لگی فوٹو کو بڑی مشکل سے نظر جمائے دیکھا —

یہ ابا کا فوٹو تھا ۔ ان کے میاں کا ! ہنستا جگمگاتا چہرہ
روشن آنکھیں ، مسکراتے لب ! جب تک وہ زندہ رہے
میاں بیوی کے پلنگ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے ۔ رات
زیادہ آتی اور اماں باتیں کرتے کرتے تھک جاتیں تو ابا بڑے
پیار سے کہتے ۔

”بس بیگم ! اب سو جاؤ ! ،،

زندگی اور موت کی بھیانک جنگ لڑتے لڑتے اماں تھک
کے پست ہو چکی تھیں کاش کوئی ہوتا کہ ان کے ہونٹوں پر
ہاتھ رکھ کر کہتا ۔

”بس ۔ اب سو جاؤ ،، وہ ابا کی تصویر کو دیکھتی رہیں ۔
دیکھتے ہی دیکھتے ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں بند ہو گئیں ۔
گردن ایک طرف لڑھک گئی اور سینے کی گھر گھراہٹ کو
سکون مل گیا — ۔

* * *

تاج النساء تاج

دو غزلیں

مشتاق نظر نے ابھی دیکھا تو نہیں ہے
اس شوخ کا جلوہ پس پردہ تو نہیں ہے

بے ہوش نہ ہو جاؤنگی موسی کی طرح میں
یہ آپ ہیں کچھ طور کا جلوہ تو نہیں ہے

یہ کھوئی ہوئی نظریں، یہ خاموش تبسم
انکار میں اقرار کی منشا تو نہیں ہے

ملجائیں تو بڑھکر انہیں میں دلمیں چھپالوں
دل میں میرے کچھ اس سے زیادہ تو نہیں ہے

ہر بات سمجھ جاؤنگی کچھ روز میں شاید
دنیا کو ابھی غور سے دیکھا تو نہیں ہے

بکھرے ہوئے کاغذ پہ ہے اک حسن تغزل
لوگوں نے ابھی تاج کو دیکھا تو نہیں ہے

* * * *

اک آپ مل گئے ہیں تو کیا کیا ملا مجھے
شاداب زندگی کا سلیقہ ملا مجھے

منزل سے دور تھیں میری صحرا نوردیاں
شکر خدا! تمہارا وسیلہ ملا مجھے

میرا مزاج خود ہی جواب بہار تھا
گلزار عشق دل میں مہکتا ملا مجھے

عمر عزیز اب میرے دا من کو چھوڑ دے
دنیا میں آرزوں کا پھل کیا ملا مجھے

چل چل کے ہم پلٹ گئے ہر راہ رو کے ساتھ
جو رہنما ملا وہ بھٹکتا ملا مجھے

بانہوں میں ان کی حسن بہاراں سمٹ گیا
گھر میں جہاں خلد کا نقشہ ملا مجھے

اے تاج اپنے گیسوئے خمدار کیا کہوں
گلزار حسن سر پہ مہکتا ملا مجھے

* * * *

رمیش تنہا

غزل

یوں تو سمٹے ہیں مری آنکھ میں منظر کتنے
تیرے پر تو سے مگر ان میں ہیں بہتر کتنے

زندگی خوف سے لرزاں ہے قدم کیا اٹھیں
وقت کے ہاتھ میں کیا جانے ہیں خنجر کتنے

جسم قدروں کا ہوا جاتا ہے چھلنی چھلنی
بدلے بدلے سے ہیں احساس کے تیور کتنے

مصلحت کہتی ہے پہنوں نیا چہرہ ہر روز
اور انا پوچھتی ہے سچ کے ہیں پیکر کتنے

از زمیں تا بہ فلک سرخ ہے منظر منظر
ہوں گے رنگ اور مرے خوں سے اجاگر کتنے

سوچتا کب ہے بھلا وقت کا چڑھتا دریا
ایک سیلاب سے ہوجاتے ہیں بے گھر کتنے

ناؤ کاغذ کی ہے یہ زیست، چلے گی کب تک
اس کو 'لمحات بقا' کے ہیں میسر کتنے

مرے ہنسنے کو مسرت سے نہ تعبیر کرو
لوگ خوش ہوتے ہیں اس دور میں ہنس کر کتنے

کس کو دیتے ہو صدا راہ میں، کچھ تو سوچو
راہزن کتنے یہاں اور ہیں رہبر کتنے

ریت کے گھر تو بنا لیتے ہیں سب ہی، لیکن
وقت کی آندھی سے بچ پاتے ہیں اکثر کتنے

دیکھتا ہوں میں دکھی جب بھی کسی کو تنہا
میرے سینے میں اتر جاتے ہیں نشتر کتنے

* * * *

علی عباس امید

آبگینے

گوزیست کا ہر موڑ اندھیرا ہے ابھی
ہر سانس اسی آس یہ زندہ ہے ابھی

پگھلے گی ضرور برفِ حوادت کی مگر
پوپھٹنے کو اک قلیل وقفہ ہے ابھی

*

کیسے کاٹوں میں زندگانی امید
اک بات تو ہو سہانی امید

بجلی سی کبھی کوند گئی تھی شائد
آئی ہیں یاد شادمانی امید

*

پھولوں میں کبھی تھی ہی نہ خوشبو جیسے
ہر آنکھ کی زینت ہو بس آنسو جیسے

کچھ اس طرح بدلی ہے زمانے کی فضا
پھر وقت چل گیا ہو جادو جیسے

*

ہر لمحہ نیا زخم ہی پایا میں نے
کچھ لطف نہ جینے کا اٹھایا میں نے

ہر سانس لہو میں میری ڈوبی لیکن
بڑھنے نہ دیا جبر کا سایہ میں نے

*

دنیا کو ہر اک پہلو سے دیکھا امید
نکلا ہوں سفر پہ اب میں تنہا امید

احساس کی دھرتی پہ مرے نقش قدم
کل ہوں گے نشان فردا امید

* * * *

غزل

مرے چمن میں نئی ادا سے نئی سحر بے نقاب ہوگی
گلوں کے عارض پہ رنگ ہوگا ، بہار نو ہم رکاب ہوگی

ہمارے عزم و عمل سے جس دن چھٹینگے یہ بیکراں دھندلکے
جنوں کے ہاتھوں میں دیکھ اپنا حیات نو کی کتاب ہوگی

دیار غم سے شب الم تک لگا ہے سوچوں کا ایک میلہ
اڑے گی اب گرد بھی زمیں سے تو ہمسر آفتاب ہوگی

خرد کی بستی کے رہنے والو کبھی تو دشت جنوں میں آؤ
جو رہگذر بھی ملے گی تم کو وہ آپ اپنا جواب ہوگی

ترا کرم ہے غم زمانہ جو زخم تونے دئے ہیں مجھ کو
اک ایک قطرے سے خون دل کے کلی کلی فیضیاب ہوگی

گھرے ہو سیلاب غم میں لیکن تمہارے ہمراہ حوصلے ہیں
ستم کی کشتی ہے بے سہارا چلے گی اور غرق آب ہوگی

بکھر رہا ہے فسون ظلمت ، عروس ہیں ہستی سنور رہی ہے
کلی کلی نخل آرزو کی امید رشک گلاب ہوگی

* * * *

کرشن مراری

دوہے

محشر سا دل میں جگے — ہوتی جائے رات
قربت کا اک حادثہ — سپنوں کی سوغات

* * *

نین جل سے دھل گیا — من کا میل تمام
نکھری نکھری کھل اٹھی — بادل بادل شام

* * *

جینے کی بھی آرزو — مرنے کی بھی سوچ
جینا مرنا ایک سا — ناھیں کچھ سنکوچ

* * *

چتون چتون ناچتی — ہلکی سی مسکان
نین جھرو کے آن کر — بن جائے نادان

* * *

جھلمل جھلمل یاد جب — آن رچائے راس
شام ڈھلے پھر ساجنا — نینن تیری پیاس

* * *

شائد اب ہے عشق کی — منزل کچھ آسان
نئین بھلاوا دے گئی — ہلکی سی مسکان

* * *

آوارہ تنہائیاں — لٹتے لٹتے خواب
چنچل چنچل تشنگی — موسم پھر بے تاب

* * *

اودی اودی شبنمی — گلشن گلشن باس
من موھن رت راس ہے — گھونگھٹ گھونگھٹ آس

* * *

بےکل بےکل کلپنا — ڈگ مگ ڈگ مگ آس
تجھ بن میرے ساجنا — جیون اک بن باس

* * *

سمٹی سمٹی لاج میں — سہمی سہمی جانچ
لذت تیرے قرب کی — ہلکی ہلکی آنچ

* * *

بانٹے بے کل تشنگی — انجانی پہچان
جگمگ راتوں کی جھلک — سپنوں کی مسکان

* * *

جوہر ہاشمی

«نئی صبح»

رخصت اے شب کہ صبح نمودار ہو گئی　　پسپا ہر ایک سمت شب تار ہو گئی

فرط خوشی سے ہر کلی سرشار ہو گئی　　فصل بہار لایق گلزار ہو گئی

ویرانہ شر مسار ہے یوں آ گئی بہار　　ہر سمت رنگ و نور میں ڈوبے ہیں لالہ زار

عزم و عمل نے کردیا خوشیوں سے ہم کنار　　پھر آ گئے ہیں لوٹ کے لمحات خوشگوار

ہر غم کو بڑھ کے اپنے گلے سے لگا لیا　　حسن عمل سے غیر کو اپنا بنا لیا

طوفاں کی زد میں آئی تو کشتی کو جا لیا　　منجد ھار میں پہونچنے سے پہلے بچا لیا

گر وقت مہرباں ہو تو تابندہ بخت ہے　　ہر امتحان اس کا نہایت ہی سخت ہے

نا پختہ اتحاد تو اب لخت لخت ہے　　منزل شناس ہی کے مقدر میں تخت ہے

الفت کی لہر جو اٹھی ہر سمت چھا گئی　　تاریکیوں کا قصر فلک بوس ڈھا گئی

تیرہ شبی ہے ختم کرن جگمگا گئی　　لو آ گئی ہے پھر سے نئی صبح آ گئی

جب رہنما نے فتح کا بیڑا اٹھا لیا
منزل کو کارواں نے بہر حال پا لیا

* * * *

STATEMENT ABOUT OWNERSHIP AND OTHER PARTICULARS ABOUT "ANDHRA PRADESH"

FORM–IV

(*See Rule* 8)

Place of Publication	:	Hyderabad
Periodicity of Publication	:	Monthly
Printer's Name	:	Director, Government Printing Press.
Nationality	:	Indian.
Address	:	Chanchalguda, Hyderabad.
Publisher's Name	:	Dr. (Smt.) A. Vanajakshi
Nationality	:	Indian.
Address	:	Director of Information and Public Relations, Hyderabad, A. P.
Editor's Name	:	Malik Mohammad Ali Khan
Nationality	:	Indian.
Address	:	Office of the Director of Information and Public Relations, Hyderabad, A. P.
Name and address of individuals who own the Newspaper and partners or share holders holding more than one per cent of the total capital.		NIL.

I, Dr. (Smt.) A.Vanajakshi hereby declare that the particulars given above are true to the best of my knowledge and belief.

(Sd.) Dr. (Smt.) A. Vanajakshi

Signiture of the Publisher

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLI C RELATIONS. ANDHRA PRADESH HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING. GOVT. OF ANDHRA PRADESH. AT GOVT. CENTRAL PRESS. HYDERABAD

VETERINARY HOSPITAL

اردو ماہنامہ

ایڈیٹر

ملک محمد علی خان

جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

اساڑھ - شراون سنہ ۱۹۰۲

جلد نمبر : ۲۵ ● شمارہ : نمبر ۴

ترتیب

● سرورق کا پہلا صفحہ
اجناس کے ہراج کا ایک منظر

● سرورق کا دوسرا صفحہ
شہر میں آموں کی نمائش

● سرورق کا تیسرا صفحہ
ورنگل میں اجناس تولنے کا منظر

● سرورق کا چوتھا صفحہ
ریاست میں انگور کی کاشت

● اِس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

● زرِ سالانہ : ٦ روپے ، فی پرچہ ۵۰ پیسے - زرِ سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے ۔ منی آرڈر ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے

● مضامین بھیجنے کا پتہ - ایڈیٹر اردو ماہنامہ " آندھرا پردیش " محکمۂ اطلاعات وتعلقات عامہ ، گرہا کلپا ، مکرم جاہی روڈ ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی)

● ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ● طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس ، چنچل گوڑہ ، حیدرآباد ۔

آندھرا پردیش کا نیا روپ آپ کو ضرور پسند آئے گا۔
یہ شمارہ فوٹو آفسیٹ پر شائع ہوا ہے اور انتہائی خوبصورت کتابت سے مزین کیا گیا ہے۔
ترتیب و تدوین میں بھی تبدیلی لائی گئی ہے۔
ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ اور ناظم گورنمنٹ سنٹرل پریس کی خصوصی دلچسپی کے نتیجہ میں
آندھرا پردیش فوٹو آفسیٹ طباعت میں شائع ہوا کرے گا۔
ہم **آندھرا پردیش** کو صوری و معنوی لحاظ سے بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔
اور امید ہے کہ
آپ سب کا تعاون ہمیں حاصل رہے گا۔ ہم اپنے قلمی معاونین سے اپیل کرتے ہیں کہ
وہ اپنی نگارشات "نظم و نثر" ہمارے ہاں بغرض اشاعت روانہ کریں۔
ریاستی حکومت شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم کی رہنمائی اور ڈاکٹر ایم۔ چنا ریڈی کی قیادت میں
ریاست کی ترقی کے لئے تیز تر اقدامات کر رہی ہے اور
حکومت یہ چاہتی ہے کہ دیگر طبقات کے ساتھ لسانی و مذہبی اقلیتیں بھی سماجی و معاشی ترقی کریں۔
ہماری ریاست میں اردو کا مستقبل شاندار ہے۔
اردو کے ساتھ ساتھ تمام زبانیں بھی ترقی کریں گی۔
ہماری آپ سے اپیل ہے کہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے
اچھی روایتی رواداری اور بھائی چارگی کو قائم و برقرار رکھیں۔

ooooooo **ملک محمد علی خان**

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی
چیف منسٹر آندھرا پردیش
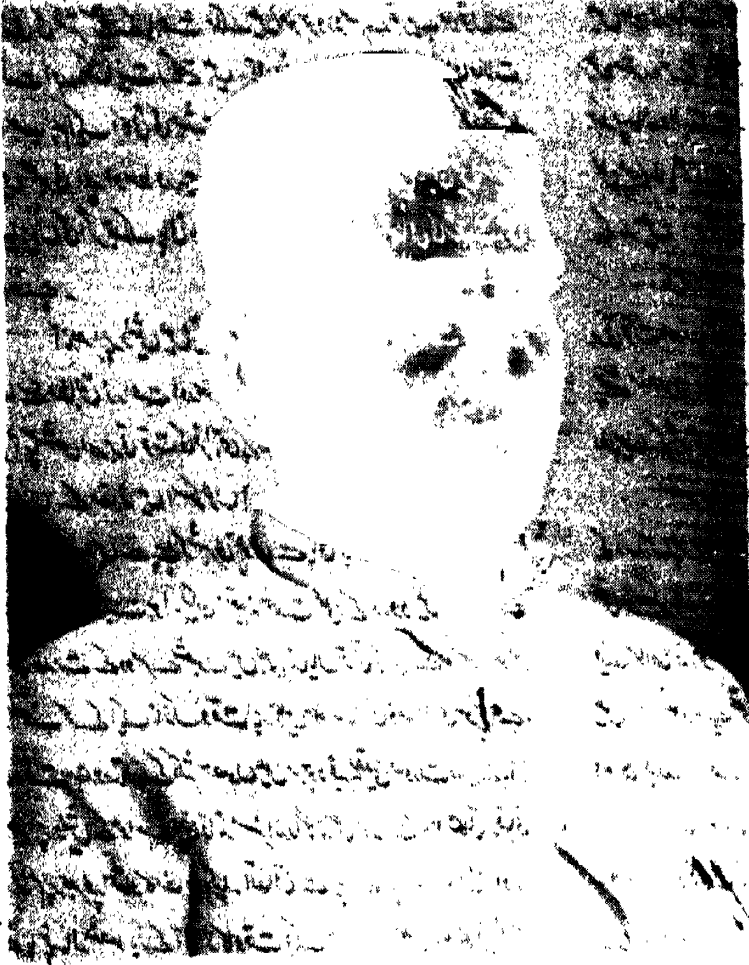
معاشی ترقی سماجی انصاف کے ساتھ

آندھرا پردیش میں منصوبہ بندی کی حکمت عملی کی تشکیل و ترتیب میں جن عناصر کو غلبہ حاصل ہے وہ ہیں یہاں کے دو عظیم دریا اور وافر مقدار میں دستیاب کوئلہ چنانچہ منصوبہ بندی کے آغاز سے اب تک اس ریاست میں آبپاشی اور برقی کے شعبوں کو ترجیحی فوقیت حاصل رہی ہے۔ تاریخی اور معاشی دونوں وجوہ کی بناء پر اس ریاست کو تین بڑے سماجی و معاشی علاقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو یہ ہیں۔ (۱) ساحلی علاقہ جس کا غالب حصہ زرخیز دریائی ڈیلٹوں پر مشتمل ہے، لیکن جو شمال میں پسماندہ اور قبائلی پٹی پر ختم ہوتا ہے۔ (۲) علاقہ تلنگانہ جو پانی، جنگلات اور معدنیات جیسے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن جو شاہانہ دور کی لاپرواہی کا زخم خوردہ ہے۔ (۳) علاقہ رائلسیما جہاں کے لوگ تو محنت کش ہیں لیکن قدرت سخت گیر اور نامہربان ہے —— سماجی و معاشی علاقوں میں ریاست کی اسطرح تقسیم کے باعث یہاں کی منصوبہ بندی کے کام میں علاقہ واری منصوبہ بندی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس ریاست میں ایسے علاقے موجود ہیں جو اپنے زرعی خوشحالی کے لحاظ سے پنجاب اور ہریانہ جیسے ملک کے مالدار ترین علاقوں سے مقابلہ کرسکتے

ہیں۔ جبکہ دوسرے ایسے بھی علاقے ہیں جو قدرتی وسائل کی عدم استفادیت اور ترقی کی کمتر سطح کے باعث ملک میں موجود دوسرے غریب علاقوں سے مماثلت اور یکسانیت رکھتے ہیں۔ ان غیر مساوی اور غیر متوازن حالات میں جب ہم ایک اکائی کی حیثیت سے ریاست کی ترقی کا موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں معمولی اور اوسط درجے کے نتائج ہمدست ہوتے ہیں۔ جن میں عظیم کامیابیوں کی اگر جھلک پائی جاتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ مسائل کی شدت بھی موجود ہے۔

آندھرا پردیش میں منصوبہ جاتی مساعی اب تک جس حکمت عملی کے تابع ہیں اسکے مطابق زراعت اور صنعت دونوں کی ترقی کے لئے بنیادی ضرورتوں یعنی آبپاشی اور برقی قوت کی فراہمی پر زور دیا جاتا ہے۔ اس طرح تھرمل برقی اسٹیشنوں کے مقابلہ میں اسکولوں اور دواخانوں کی ضروریات کچھ حد تک دب گئیں اور اس سے پہلے کہ شہری نلوں سے پانی جاری ہو کھیتوں کے لئے پانی کی فراہمی کا بندوبست ہوا۔ لیکن متعینہ حکمت عملی کے حدود میں رہتے ہوئے سماجی خدمت کے دوسرے شعبوں میں بھی نمایاں ترقی کی گئی ہے۔ ہم کو عوام نے منتخب کرکے ایک نازک وقت پر ہمیں حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اس وقت ہندوستان کے اکثر حصوں میں موجود غیر یقینی صورت حال کے باوجود آندھرا پردیش کے عوام نے اپنی قائد مسز اندرا گاندھی اور انکے ۲۰ نکاتی ترقیاتی پروگرام پر بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کیا۔ اتفاق سے میرے عہدہ سنبھالنے اور چھٹے پانچسالہ منصوبہ کے آغاز کا وقت ایک ہی ہے' ہمیں ۲۰ نکاتی پروگرام کی نظریاتی اور طبعی دونوں طرح سے مؤثر پیمانہ پر عمل آوری کا منفرد موقع ہمدست ہوا' پانچویں منصوبہ کے لئے مقررہ ایک ہزار ۵۰ کروڑ روپیوں کے اخراجات کے مقابلہ میں ہم چھٹے منصوبہ کے دوران اپریل ۱۹۸۰ء سے مارچ ۱۹۸۵ء تک پانچ سال کی مدت کے لئے ۲۵۰۰ کروڑ روپیوں کے اخراجات روبہ عمل لانے کا تعین کر سکے۔ نہ صرف یہ کہ منصوبہ جاتی اخراجات میں زبردست اضافہ عمل میں آیا ہے بلکہ پانچویں منصوبہ کے لئے ہماری جو حکمت عملی تھی اس میں چھٹے منصوبہ کے لئے تبدیلی بھی واقع ہوئی ہے۔ سماجی اور طبقاتی خدمات جو غریبوں میں سب سے زیادہ غریب کے مفادات کے لئے ہیں چھٹے منصوبہ کے اخراجات کے ۲۲٫۲ فیصد حصہ کی حقدار قرار دی گئی ہیں جبکہ پانچویں منصوبہ میں ان خدمات کا حصہ ۱۲٫۷ فیصد تھا۔ سماجی بھلائی کے لئے چھٹے منصوبہ میں مقررہ خرچ پانچویں منصوبہ کے خرچ کے مقابلہ میں ۷۰٫۰ فیصد زیادہ ہے جبکہ پسماندہ طبقات کی بہبود کے کاموں کے لئے اخراجات میں ۲۹۶ فیصد اضافہ عمل میں لایا گیا ہے۔ پسماندہ طبقات کے لئے رہائش جگہوں اور امکنہ کی فراہمی کے مد میں ۴۲٫۰ فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔

تاہم اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہے کہ ہمارے تمام منصوبوں میں برقی قوت اور آبپاشی کے شعبوں کو اولین فوقیت حاصل ہے اور ان دو شعبوں کیلئے چھٹے منصوبہ کے جملہ خرچ کا ۵۸٫۵ فیصد حصہ مقرر ہے یعنی ۲۵۰۰ کروڑ روپیوں کے مجموعی خرچ میں سے ان شعبوں پر ۱۴۶۱ کروڑ روپے خرچ ہونگے۔

منصوبہ بندی کے تعلق سے ہماری کوششوں کے نتیجہ میں مستقل قیمتوں کے اساس پر ریاستی آمدنی جو ۷۷-۱۹۷۸ء میں ۱۶۷۲٫۳۵ کروڑ روپے تھی بڑھکر ۷۸-۱۹۷۹ء میں ۱۸۰۰٫۳۳ کروڑ روپے ہوگئی یعنی یہ کہ ۷٫۶۷ فیصد کا اضافہ ہوا۔ اس طرح مستقل قیمتوں کے اساس پر فی کس آمدنی جو ۷۷-۷۸ء میں ۳۳۲ روپے تھی بڑھکر ۷۸-۱۹۷۹ء میں ۳۴۹ روپے ہوگئی۔ یعنی ۵٫۱ فیصد کا اضافہ ہوا۔

سال ۷۸-۱۹۷۹ء کے دوران میں ہماری غذائی اجناس کی پیداوار ۱۰۶٫۶۷ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی جو ایک ہمہ وقتی ریکارڈ ہے۔ اس کے مقابلہ میں سال ۷۷-۱۹۷۸ء میں پیداوار کی مقدار ۸۹٫۸۵ لاکھ ٹن تھی۔ یعنی مقدار پیداوار میں ۱۶٫۸۲ لاکھ ٹن یا ۱۸٫۷ فیصد کا اضافہ عمل میں آیا۔ جاریہ سال ۷۹-۱۹۸۰ء میں جنوب مغربی مانسون کی ناکامی کے باعث ریاست کے اکثر اضلاع خشک سالی سے متاثر ہوئے اور موسمی حالات ناسازگار رہے لیکن زرعی پیداوار کے لئے ہمارے اختیار کردہ کرشن پروگرام کی بدولت اس سال پیداوار کی مقدار کا تخمینہ تقریباً اتنا ہی ہے جتنا کہ ۷۷-۷۸ء میں تھا یعنی ۹۰ لاکھ ٹن۔

پانچویں منصوبہ میں آبپاشی کے لئے مقررہ خرچ ۲۸۶ کروڑ روپیوں کے مقابلہ میں اس شعبہ کے واسطے چھٹے منصوبہ میں ۶۷۹ کروڑ روپیوں کی

شری سنجے گاندھی جنرل سکریٹری اے آئی سی سی کا ۲۳ر جون ۱۹۸۰ء کو طیارے کے حادثے میں انتقال ہوگیا۔ اُنکی راکھ کے برتن (بائیں جانب) آندھرا پردیش لائے گئے۔

راکھ بہاتے وقت لی گئی تصاویر : سنجے گاندھی کی راکھ وجے واڑہ میں دریائے کرشنا راجمنڈری میں دریائے گوداوری اور حیدرآباد میں سنگم کے مقام پر بہائی گئی اس رسم میں حصہ لینے والی اہم شخصیات ڈاکٹر ایم چنا ریڈی چیف منسٹر، پی وی نرسمہا راؤ وزیر خارجہ، پی شیو شنکر وزیر قانون حکومت ہند، وزراء پی جناردھن ریڈی، کے رنگا راؤ، کے۔ وی۔ آر۔ ایس۔ پدمانابھا راجو، پی سری بلا ریڈی اور یوتھ کانگریس آئی قائد وی ہنمنت راؤ ہیں۔

گنجائش رکھی گئی ہے ۔ اس گنجائش میں سے ۲۰۴ کروڑ روپے پہلے تین برسوں میں خرچ کئے جائینگے ۔ سال ۸۰-۱۹۷۷ء کے دوران میں ۵۸،۱۶۰ ایکڑ رقبہ کو سیراب کرنے کی گنجائش پیدا کی گئی تھی جبکہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ـــــ ۱۶۱۵ ۰۰۰ ہیکٹر رقبہ اراضی کو بڑے اور اوسط آبپاشی پراجکٹوں کے ذریعہ سیراب کرنے کی زائد گنجائش پیدا کی گئی ۔ ان مساعی کو اس سال بھی ہو بہو پچھلے پیمانہ پر جاری رکھا گیا ہے ۔ جن کی بدولت نہ صرف آندھرا پردیش بلکہ پورے ملک کی زرعی اور مبنی بر زراعت صنعتی معیشت کو تقویت حاصل ہوگی اسلئے کہ ہماری فاضل پیداوار میں پورے ملک کا حصہ ہوتا ہے ۔

صنعتی ترقی کے لئے برقی قوت ایک بنیادی ضرورت ہے اور زرعی و متعلقہ خدمات کے فروغ کے لئے بھی برقی ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے منصوبہ جاتی گنجائشوں میں برقی قوت کو اولین فوقیت دی گئی ہے ۔ اس شعبہ کے لئے چھٹے منصوبہ میں ۷۹۲ کروڑ روپیوں کی گنجائش فراہم کی گئی ہے جبکہ پانچویں منصوبہ میں گنجائش کی مقدار ۳۹۸ کروڑ روپے تھی ۔ آندھرا پردیش میں کوئلہ کے بڑے ذخائر اور بجلی کی تیاری کے لئے وافر وسائل کی موجودگی کے بدولت برقی قوت پیدا کرنے کے لئے عظیم گنجائش موجود ہے آج ہمارے یہاں برقی کی تیاری کی استطاعت ۱۶۷۸ میگاواٹ ہے اور آئندہ ایک سال کے اندر ہم مزید ۷۲۰ میگاواٹ برقی پیدا کرنے لگیں گے اور اس طرح مارچ ۱۹۸۱ء تک ہمارے یہاں برقی کی تنصیبی استطاعت ۲۳۹۸ میگاواٹ تک پہنچ جائے گی ہم نے اس بات کی طمانیت پیدا کی ہے کہ ریاست میں برقی قوت کے فروغ سے دیہی علاقوں کو بھی فائدہ پہنچے ۔

برقی قوت کی دستیابی کا تیقن صنعتی ترقی کے لئے درکار بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے ۔ صنعتی محاذ پر ہم بہت اچھی کارگذاری پیش کرتے آئے ہیں، ہماری صنعتی پیداوار کے اوسط کا اشاریہ نشان ۱۹۷۹ء میں اس سے قبل کے سال کے مقابلہ میں ۱۶٫۲ فیصد زیادہ رہا ۔ یہ کارنامہ اس لحاظ سے لائق ستائش کہ اس مدت کے دوران میں پورے ملک کے اندر صنعتی پیداوار ایک ٹھہراؤ اور سکوت کی کیفیت کا شکار تھی ہمارے یہاں کا محنت کش طبقہ ملک کے بہترین مزدوروں میں شمار ہوتا ہے ۔ اور اپنے پُر امن اور مفاہمانہ رویہ کے لئے مشہور ہے ۔

ریاست کی صنعتی حکمت عملی کے مطابق ابتداً متعلقہ اداروں کا ایک جال بچھا کر صنعتی فروغ کی ہمت افزائی کے لئے درکار ضروری ـــــ انفراسٹرکچر کی فراہمی ہے چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قسم کے ادارے جیسے انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اسٹیٹ فینانشیل کارپوریشن اور انڈسٹریل انفراسٹرکچر کارپوریشن، وغیرہ قائم کئے گئے معقول مقدار میں بجلی کی فراہمی یقینی بنا کر ہماری یہ کوشش جاری ہے کہ ریاست میں صنعتیں قائم کرنے کے لئے سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کی جائے ۔

آندھرا پردیش کے کسان نے جدوجہد اور جفاکشی کا عظیم مظاہرہ کرکے ریاست میں زرعی ترقی کو ایسے مرحلہ تک پہونچا دیا ہے جہاں اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس شعبہ کے فاضل ساز و سامان اور زائد انسانی قوت کو صنعتی شعبے میں استعمال کیا جائے اس طرح کا عمل کوئی آسان کام نہیں ہے اسلئے کہ ایک نئے شعبہ میں بالکل ہی جدا نوعیت کی کارکردگی درکار ہوگی اور اس کیلئے یہ ضروری ہوگا کہ نئے شعبہ میں آنے والوں کے خصائل و عادات میں قابل لحاظ تبدیلی پیدا کی جائے ۔ آندھرا پردیش کی معیشت اب اس مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں ہمارے لئے یہ بات فائدہ مند ہوگی کہ ریاست میں صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے بیرون ریاست کے سرمایہ کاروں کو یہاں سرمایہ مصروف کرنے کی رغبت دی جائے تاکہ اندرون ریاست بھی لوگوں کو اس سلسلہ میں دلچسپی پیدا ہو اور صنعتی میدان میں جدوجہد کا جذبہ فروغ پائے ۔ چنانچہ ہماری موجودہ پالیسی یہ ہے کہ صنعتی ترقی کے لئے ہمیں جہاں سے بھی سرمایہ کار دستیاب ہو سکیں ان کا خیر مقدم کیا جائے ۔

ہماری منصوبہ جاتی سرگرمیوں کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ریاست کی عام معیشت کو فروغ حاصل ہو ۔ مسز اندرا گاندھی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سرکاری پروگراموں کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ وہ راست طور پر غربت پر اثر انداز ہوں غریبی کو دور کریں ۔ یہ بات انتہائی موزوں اور حق بجانب ہے کہ ہماری تیار کی ہوئی اسکیمات کی بدولت ہمارے سماج

کے نادار طبقات کی سب سے زیادہ شدید ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ چنانچہ اس ریاست میں جو پروگرام روبہ عمل لائے جا رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اُن کے فوائد زیادہ سے زیادہ غریب اور کمزور طبقات کو حاصل ہوں۔ اپنے قائد کے مطمع نظر کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت آندھرا پردیش نے علاوہ مقاصد کے حصول کی خاطر متعدد خصوصی اداروں کے ذریعہ فلاحی اسکیمات شروع کئے ہیں۔ ایک نیا ادارہ قائم کیا گیا ہے جس کو کمزور طبقات کے لئے ہاؤزنگ پروگرام کی عمل آوری کی نگرانی اور رہنمائی سونپی گئی ہے۔ درج فہرست اقوام، درج فہرست قبائل اور پسماندہ طبقات کو مختلف سرگرمیوں میں مصروف کرنے کے لئے اُن فینانس کارپوریشنوں کے ذریعہ سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے جو بالکلیہ طور پر ان طبقات کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ دیہی ترقیاتی پروگرام بھی جیسے اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی اور انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام بھی پوری شدت اور قوت کے ساتھ روبہ عمل لائے جا رہے ہیں۔

آندھرا پردیش کے لئے چھٹا منصوبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس منصوبہ کی مدت کے دوران میں ہم برقی قوت کے معاملہ میں خود مکتفیت کے موقف سے بھی آگے بڑھ جائیں گے اور آبپاشی کی گنجائشوں کے ایک بڑے حصہ سے استفادہ کرلیا جائے گا اور اس طرح زرعی اور صنعتی ترقی کے لئے درکار بنیادی ضروریات کا ڈھانچہ تیار ہو چکا ہوگا۔ ان اقدامات اور ماضی میں اختیار کردہ تدابیر کے نتیجہ میں ریاست کو صنعتی بنانے کی سرگرمیوں میں قابل لحاظ تیزی پیدا ہو جائے گی اور نتیجتاً ہماری معیشت گونا گونیت حاصل کرلے گی۔ پھر یہ ہوگا کہ سماجی کاموں کے لئے درکار بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لئے ہمیں فاضلات بدست ہو جائیں گے جن کی بدولت علاقہ واری عدم مساوات کو ختم کرنے میں قابلِ لحاظ مدد ملے گی۔

عدم مساوات اور غیر متوازن حالات کا خاتمہ منصوبہ بند ترقی کا ایک مقصد ہوگا، غربت، بیروزگاری اور افلاس جیسے مسائل کا بڑا سبب ملک کے مختلف حصوں میں غیر متوازن ترقی کو ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اسلئے ان بین علاقہ جاتی نابرابریوں کو کم کرنا اور مفلس ترین طبقات آبادی کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا ہماری حکمت عملی کا لازمی مقصد ہونا چاہئیے۔ ریاست آندھرا پردیش تین بڑے علاقوں پر مشتمل ہے جو یہ ہیں۔

تلنگانہ - رائلسیما - اور ساحلی آندھرا

ان تینوں علاقوں میں وسائل اور ترقیاتی معیارات کے لحاظ سے نمایاں اور بین فرق ہے۔ ماضی میں پیدا شدہ سیاسی بےچینی کے پس منظر میں ریاست کی سالمیت اور یکجہتی کو برقرار رکھنے کے مقصد سے مرکزی حکومت نے ۱۹۷۳ء میں ایک ۶ نکاتی فارمولے کا اعلان کیا تھا اس فارمولے کے جُز کے طور پر مرکز میں ریاست کے پسماندہ علاقوں کو پانچویں منصوبہ کے دوران تیز رفتاری کے ساتھ ترقی دینے کے لئے ۹۰ کروڑ روپیوں کی ایک خصوصی امداد فراہم کی تھی۔ اور اس طرح ہماری فعال وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی جانب سے فراہم کردہ اس فیاضانہ امداد سے ہماری ریاست کے پسماندہ علاقوں کو عاجلانہ طور پر ترقی دینے کا عمل شروع ہوا۔ اس امداد کو موثر اور مکمل طور پر استعمال میں لایا گیا۔ اس سلسلہ میں اولین ترجیح چھوٹی آبپاشی کے کاموں کو دی گئی اور اس کے بعد کا درجہ اہمیت کے لحاظ سے دیہاتوں میں برقی قوت کی فراہمی کے پروگراموں کو دیا گیا۔ اس خصوصی امداد سے جو کام انجام دیئے گئے ہیں وہ انتہائی متاثر کن ہیں جن کی بدولت عوام خصوصیت کے ساتھ کمزور طبقات کے لوگوں کی امیدیں بڑھ گئی ہیں اور اُن کی نظریں وزیر اعظم کی سمت اٹھی ہوئی ہیں کہ وہ اس اسکیم کو جو اُن کی شروع کردہ تھی دوبارہ زندہ کرینگی

آندھرا پردیش کو اپنے بہتر مستقبل کا یقین ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اس ریاست کو ملک میں مرکزی محل وقوع حاصل ہے جہاں سے شمال، جنوب، مشرق اور مغرب ہر سمت کو راستے جاتے ہیں۔ تاریخ نے اس ریاست کو ایک صدر مقام دیا ہے جس کا تمدن آفاقی ہے اور جو نئے رجحانات کو اپنانے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ قدرت نے اسے گوناگوں نوعیت کے اور وافر مقدار میں زرعی، جنگلاتی، معدنی اور انسانی وسائل عطا کئے ہیں۔ ان تمام موافق حالات نے مل کر آندھرا پردیش کو ایک ایسا قطعہ ارض بنادیا ہے جہاں ہر قسم کی امیدیں پوری ہوسکتی ہیں۔

ہماری وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی پرجوش قیادت میں ہم سماج کے کمزور طبقات تک معاشی ترقی کے فوائد پہنچانے کی مساعی تازہ قوت اور نئے عزم کے ساتھ جاری رکھیں گے۔

آندھرا پردیش کی ترقی کیلئے چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی اور ان کی حکومت کے عزائم
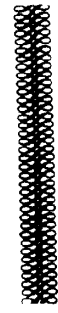
مرتبہ

ملک محمد علی خاں

اوپن بک سسٹم : نئے تعلیمی سال سے حکومت تمام مدارس اور کالجوں میں اوپن بک سسٹم کا آغاز کر کے امتحانی اصلاحات کے تعلق سے ایک اہم پیشرفت کر رہی ہے اس کے علاوہ ہر ضلع میں ٹیچرس اور اسٹوڈنٹس کے ویلفیر کی خاطر علحدہ مشاورتی کمیٹیاں بھی قائم کی جارہی ہیں جس میں ٹیچرس کی تنظیموں طلبۂ تنظیموں کے نمائندوں کے علاوہ ماہرین تعلیم اور اولیائے طلباؑ کے نمائندے بھی شامل رہیں گے اور تعلیمی بہتری کے لئے بھی حکومت مختلف پیانس قائم کر رہی ہے۔ اوپن بک سسٹم کے نفاذ اور اساتذہ و طلبا کے خوشگوار مراسم کی بحالی میں بڑی مدد ملے گی ۔

(شری بی وینکٹ رام ریڈی - وزیر تعلیم)

محنت کش طبقات کی بھلائی : مرکزی اور ریاستی حکومتیں دونوں ہی ہمارے محنت کش طبقات کے منصفانہ مطالبات کو قبول کرنے پر نہ صرف آمادگی کا اظہار کرتی ہے بلکہ کئی مرتبہ تو خود ہی ان کے نقیب و علمبردار بن جاتی ہے۔ ہماری قابل احترام وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے ایک جزو کی حیثیت سے اقل ترین اجرتوں کے قانون کی عمل آوری مزدور طبقہ سے ہماری وابستگی کی مظہر ہے ہماری ریاست میں مزدور محاذ پر کہیں انتشار نہیں پایا جاتا۔ مجھے یقین ہے کہ پیداوار میں اضافے کے ذریعہ ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے آئندہ بھی صنعتی امن کو باقاعدہ برقرار رکھا جائے گا۔

(ڈاکٹر ایم چنا ریڈی - وزیر اعلیٰ)

گھڑی سازی کی فیکٹری کے قیام کا فیصلہ : حیدرآباد آلوین میٹل ورکس نے جو حکومت آندھرا پردیش کے زیر انتظام ادارہ ہے جاپان کی ایک واچ کمپنی سیکو کے تعاون سے حیدرآباد میں گھڑی سازی کا ایک پلانٹ شروع کر رہا ہے جس پر ۲۰ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی۔ آلوین کی نئی گھڑی آئندہ چار ماہ میں تیار ہو کر مارکٹ میں آئے گی۔

(شری اجیت سنگھ صدر نشین آلوین فیکٹری)

۲۰ نکاتی معاشی پروگرام : وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام انقلابی معاشی و سماجی ہے۔ اور اس پروگرام کو ریاست میں پورے تقدس کے ساتھ روبۂ عمل لایا جارہا ہے۔ کمزور طبقات کے امکنہ کی اسکیم خصوصی روزگار اسکیم زرعی اصلاحات کے ساتھ کمزور طبقات پسماندہ طبقات اور مذہبی غریبوں کی ترقی پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

(ڈاکٹر ایم چنا ریڈی - وزیر اعلیٰ)

سربراہی آب کی اسکیمات پر عمل آوری : ریاست کے بعض علاقوں میں پیدا شدہ خشک سالی کی صورت حال اور پینے کے پانی کی شدید قلت کے پیش نظر ریاستی حکومت نے بلدیات کے تحت سربراہی آب کی اسکیمات کے لئے ۳۵ لاکھ روپے کی مزید رقم جاری کی ہے۔ سربراہی آب سے متعلق اسکیمات بشمول بورویل کی ڈرلینگ اور باؤلیوں وغیرہ کی کھدائی پر خصوصی توجہ کی جارہی ہے۔

(شریمتی سروجنی پلا ریڈی - وزیر بلدی نظم ونسق و اطلاعات)

صنعتی مزدوروں کے لئے اجرت پالیسی : حکومت آندھرا پردیش صنعتی مزدوروں کے لئے ایک اجرت پالیسی مدون کرنے کی پالیسی رکھتی ہے جو ملازمین کی اجرتوں کو باقاعدہ بنانے اوران پر منصفانہ نظر ثانی کو یقینی بنائے گی اور ملازمین کی جانب سے ہڑتالوں اور احتجاجوں کو اپنائے جانے کے اقدامات کا خاتمہ کرے گی اور حکومت زرعی مزدوروں کے لئے بھی بہتر حالات کو یقینی بنائے گی۔

(ڈاکٹر ایم چنا ریڈی - وزیر اعلیٰ)

کام کے بدلے اناج پروگرام : کام کے بدلے اناج پروگرام مقبول ہوتا جارہا ہے ریاستی حکومت نے مرکز سے اپیل کی ہے کہ وہ کام کے بدلے اناج پروگرام کے تحت مزید ۸۰ ہزار ٹن اناج سربراہ کرے ۔ مرکز نے سال کی پہلی قسط کے طور پر پچھلے ماہ ۶۳ ہزار ٹن اناج سربراہ کیا تھا۔ پروگرام کے آغاز سے اب تک ۱۰۰ کروڑ روپے کی لاگت کے کام کئے گئے ۔

(شری ایم باگا ریڈی وزیر پنچایت راج)

مواضعات کو بس سرویس : ویلیج لنک ٹرانسپورٹ سرویس اسکیم کی عمل آوری کے جائزہ کے دوران اس امر کا انکشاف کیا کہ ریاست میں صرف ۴۵۴ ایسے مواضعات رہ گئے ہیں جنھیں بس سرویس کے ذریعہ مربوط کرنا ہے اور جہاں سڑکیں نہیں ہیں ان حالات میں بس سرویس کا آغاز وہاں ممکن نہیں ہے ۔ آر ٹی سی کے پروگرام کے تحت مارچ سنہ ۱۹۸۱ء تک ۸۰۰۰ مواضعات کو بس سرویس سے مربوط کردیا جائے گا۔ آر ٹی سی کی جانب سے ۱۲۵۰ بڑی بسوں اور ۶۰۰ چھوٹی بسوں کی اس سال کے دوران خریدی کے انتظامات کئے جارہے ہیں۔

(ڈاکٹر ایم چنا ریڈی - وزیر اعلیٰ)

کھادی انڈسٹریز انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا فیصلہ : حکومت آندھرا پردیش نے فیصلہ کیا ہے کہ گیارہ لاکھ روپیوں کے صرفہ سے ایک کھادی انڈسٹریز انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے ۔ ریاستی حکومت اس

انسٹی ٹیوٹ کے قیام کے لئے حکومت ہند کی منظوری کا انتظار کر رہی ہے، مجوزہ انسٹی ٹیوٹ میں تقریباً ۲۳ اقسام کے کورس پڑھائے جائیں گے تربیت پانے والوں کو وظائف بھی دیئے جائیں گے۔

(شری سیتا رام - وزیر زرعی ترقیات)

وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری

وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری : وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے (۲۰) نکاتی پروگرام کی عمل آوری کے سلسلہ میں آندھرا پردیش کو دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں اول رہنے کا اعزاز و امتیاز حاصل ہے۔ آندھرا پردیش ملک کی پہلی ریاست جہاں ہریجنوں کے خلاف جرائم کی پاداش میں برسر موقعہ مقدمہ چلانے متحرک عدالتوں کا قیام عمل میں لایا۔ اور یہ پہلی ریاست ہے جہاں پنچایت راج اداروں کے انتخابات کے سلسلہ میں درج فہرست طبقات و قبائل کو تحفظات فراہم کئے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ بعض قانونی شکایتوں پر قابو پانے کے بعد اس پر عمل درآمد ہو سکے گا۔ سارے ملک میں آندھرا پردیش ہی وہ واحد ریاست ہے —— جسے یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں پر ہریجنوں کے فائدے کیلئے ہر گھر میں ایک برقی بلب کی فراہمی سے متعلق انوکھی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ اور وہ واحد ریاست ہے جہاں کی ہر ہریجن بستی کے لئے کمیونٹی ہال کے تعمیر کی تجویز ہے۔ اس کے علاوہ پانچ مساوی کی عوام کے عطیوں سے بڑے پیمانے پر تجدید کی تجویز ہے۔ طویل مدتی امداد باہمی قرضوں کی فراہمی کے معاملہ میں آندھرا پردیش میں سرفہرست ہے چنانچہ سال ۷۹ - ۱۹۸۰ء کے دوران ۵۷ کروڑ روپے بطور امداد چھوٹے کسانوں اور پسماندہ طبقات اور دیگر کو مہیا کئے گئے ہیں۔ آندھرا پردیش میں نیشنل رورل بنک کی ہر شاخ میں لگ بھگ (۵۴۶۵) لاکھ روپے بطور ڈپازٹ اکٹھا کئے گئے ہیں۔ یہ شرح جنوبی ریاستوں میں سب سے زیادہ ہے آندھرا پردیش ہی وہ واحد ریاست ہے جس نے خشک سالی ریلیف سے متعلق جامع پروگرام مرکزی حکومت کو سب سے پہلے پیش کر کے دیگر ریاستوں کو پیچھے کر دیا۔ اسکے علاوہ ریاست میں مرکزی امداد کا انتظار کئے بغیر ہی ریلیف کارروائیوں کا آغاز کیا گیا ہے ●●

زر سالانہ ۶ روپے ، فی پرچہ ۵۰ پیسے

اپنا زر سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے

منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے

پتہ : ڈائرکٹر انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشن حکومت آندھرا پردیش

"کرباکلیا" مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ اے پی

سیکولر ہندوستان میں اسلامی تعلیمات

خواجہ عبدالغفور
(آئی اے ایس)

ہندوستان بے شک جنت نشان ہے کہ یہاں پر دودھ اور شہد کی نہریں تو نہیں بہتی ہیں لیکن گنگ و جمن نے اس کو گل و گلزار بنا رکھا ہے۔ کشمیر جنت نظیر بھی ہے۔ برفیلے ہل اسٹیشن بھی ہیں، سمندر کے پُرلطف نظارے بھی ہیں۔ غرض کہ تصور کی دنیا کی ہر خوبصورت چیز موجود ہے۔ لوگ بھی بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں، اپنے اپنے دھرم اور ایمان پر مفتخر ہیں اور آزادی کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔ مسلمانوں کی دنیا بھر میں ۵۵ کروڑ تعداد ہے۔ گو اسلام نے عرب میں جنم لیا اور وہیں سے ساری دنیا میں پھیلا، لیکن ان ممالک کی مُسلم آبادی صرف ۷ فی صد ہے اور عربی بولنے والے مُسلم صرف ۲۰ فیصد ہیں۔ ایک آدھ دیس کو چھوڑ کر ہندوستان ہی میں سب سے زیادہ مُسلمان رہتے بستے ہیں اور یہ پکّے ہندوستانی اور سچّے وطن پرست ہونے کے باوجود بھی کچھ حد تک اپنی انفرادیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ حج کے موقع پر جب عرب میں ساری دنیا کے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں تو ہندوستانی مسلمان اپنی خاص تہذیب اور ثقافت سے نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ محض اس لئے ہے کہ ہندوستان ہی ایک ایسا دیس ہے کہ جو سیکولر بھی ہے اور یہاں کے باشندوں کو وہ ساری سہولتیں اور آزادیاں بھی میسر ہیں کہ جن سے وہ مذہبیات یا دینیات کی تعلیم کھلے عام حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے ملک میں اسلامی تعلیمات پر کافی توجہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے عام مسلمان اچھا شہری، اچھا ہندوستانی اور حب الوطنی سے سرشار نظر آتا ہے، یہ اس کے مذہب کا لازمی جُز ہے کہ وہ اپنے وطن سے محبت کرے۔ اس کا عقیدہ ہے ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

یوں تو ہندوستان کے ہر دورِ حکومت میں دینی آزادی حاصل رہی اور دینی ادارے ہر محلہ اور ہر شہر میں، مسجدوں، خانقاہوں اور درگاہوں میں چلائے جاتے رہے، لیکن آزاد ہندوستان کی سیکولرزم نے کچھ زیادہ ہی بڑھاوا دیا اور ان اداروں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ پابندِ مذہب آدمی سماج دشمن عناصر سے دُور اور شہری فرائض سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

محض مُسلم گھرانے میں پیدا ہو کر کوئی مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہوتا اس پر لازم ہے کہ

وہ اسلام کے بنیادی اصول سمجھے ان پر ایمان لائے اور اُن اصولوں پر پابند و کاربند رہے۔ پیغمبر اسلام نے تاکید کی ہے کہ قرآن حکیم اور احادیث کے مطالعہ سے اپنے عقیدہ اور ایمان کو تازہ رکھے اسلئے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات پر خاطر خواہ زور دیا جائے، چنانچہ ہندوستان میں قرآن، حدیث فقہ، دینیات، فلسفہ اور عربی تعلیمات کیلئے چھوٹے بڑے ادارے قائم ہیں اور بعض تو عالمگیر شہرت کے حامل ہیں، اور ان کی ڈگریاں مستند مانی جاتی ہیں۔ اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشن۔ اکاڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشن، لکھنؤ نے ریسرچ کے بعد "اسلام اینڈ دی ورلڈ" جیسی مستند کتاب شائع کی، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشینی اور سائنسی دور میں، اسلام کیوں کر روزمرہ کی زندگی کے مسائل حل کرنے میں رہنمائی کر سکتا ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تصنیف "اسلام کیا ہے؟" کافی مقبول ہے۔ جامعہ قاسمیہ مرادآباد، دارالعلوم دیوبند، جامعہ سیفیہ، سورت، جامعۂ رحمانیہ، بنارس، سلطان المدارس، لکھنؤ اور ایسے اَن گنت ادارے قلوبِ مُسلم میں روشنی اور دیگر مذاہب کو صحیح معلومات فراہم کر رہے ہیں، اسلامی تعلیمات کے ماسواء اسلامی روایات، اخوت، برادری، مساوات، سماجی شعور معاشرہ کی صحیح زندگی۔ دیگر مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ قومی اور انسانی یکجہتی کے سبق بھی دیئے جاتے ہیں۔ ابھی تو میں کئی ایک اور اداروں کی کارگزاریاں سُنانے چلا ہوں جن کو سُن کر آپ کو یقین ہوگا کہ ہندوستان کے مسلمان دیگر ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ ہی راسخ العقیدہ اور صحیح معنی میں مردِ مومن ہے۔

حالیہ دور میں مدارس اور ان اداروں، جامعوں اور کالجوں نے اسلامی تعلیمات کو ایک نیا موڑ، ایک نئی جہت اور ایک نیا مقام عطا کیا ہے، جس طرح اور مضامین کے لئے شعبہ جات قائم ہیں جہاں ڈگری کورس اور ریسرچ وغیرہ کے لئے مکمل انتظامات ہیں اسی طرح اسلامیات نے بھی اہمیت اور اولیت حاصل کرلی ہے۔

۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی وائس چانسلری کا عہدہ سنبھالا تو ان کی دُور رس نگاہوں نے اسلامی تعلیمات کی اہمیت کا اندازہ کیا اور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے نام سے ایک خاص ادارہ قائم کیا تاکہ اسلامیات کی تعلیم و تدریس کا خاطر خواہ انتظام ہو۔ چنانچہ اس عرصہ میں

اسی انسٹی ٹیوٹ نے نمایاں ترقی کی ہے اور اس کے تحت ایک بے مثال کتب خانہ بھی ہے جس سے اسلامیات میں بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے طالب علموں اور ریسرچ اسکالروں کو بہت مدد ملتی ہے اسی انسٹی ٹیوٹ سے دیگر مسلم ممالک جیسے ایران اور عرب سلطنتوں کے متعلق نہایت ہی مستند کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس ادارے نے اپنے شائع کردہ مقالوں سے یہ ثابت کردیا ہے کہ سیکولر ہندوستان نے اپنے یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کی کس قدر حفاظت کی ہے اور اس کو کس قدر بڑھاوا دیا ہے۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کا یہی وہ ادارہ ہے جو اسلام کو تنگ نظر مولویوں اور جاہل قسم کے اساتذہ کے رجعت پسند اور ازکار رفتہ نظریات کو مٹانے اور نئے رجحانات کو پھیلانے میں مدد دے رہا ہے۔ اسی ادارہ کے تحت کل ہند اور کبھی کبھی بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں، جہاں پر نئے انداز سے فکر و تجزئیے کئے جاتے ہیں تاکہ اسلام کے نام لیوا محض توہم پرستی اور قدامت پرستی کے شکار نہ بنے رہیں۔ تقریباً ۱۴ سو سال پہلے کے اسلامی قوانین جیسے زکوٰۃ، بیت المال، اجتماعی زندگی، شانہ بشانہ امیر و غریب کا ساتھ، ان سب کا آجکل کی سوشلزم، سماجیات، عمرانیات، نفسانیات، اکنامکس اور ویلفیئر ٹیکس کے اصولوں کی روشنی میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اسی علی گڈھ یونیورسٹی میں ایک اور ادارہ بھی ہے جس کو مغربی ایشیائی اسلامک اسٹڈیز کا مرکز کہا جاتا ہے اور وہ فی الحقیقت ان مسائل پر غور و خوص کرتا ہے کہ جو اسلام کو آج کے بدلتے دور میں بھی تازہ رکھتا ہے، حکومت ہند کا یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اس ادارہ کا نگراں و سرپرست ہے اور اسی کے عطیہ سے یہ ایک بین الاقوامی مرکز کا درجہ حاصل کرچکا ہے۔ مغربی ایشیائی ممالک اس سے بہت استفادہ کرتے ہیں۔ اور یہیں پر مغربی ایشیائی اسٹڈیز کے ڈپلوما بھی دیئے جاتے ہیں جن کو دنیا بھر میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور جو عالمگیر مقبولیت رکھتے ہیں۔ ویسے تو شاید اس کے نام سے یہ لگے کہ یہ محض اسلامی تبلیغی ادارہ ہے لیکن یہاں پر عربی زبان، دینیات، سماجیات، عمرانیات، معاشیات اور سیاسیات کے میدانوں میں جو ترقی ہو رہی ہے، اس پر بھی خاطر خواہ تحقیقات ہوتی ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی نے سب سے پہلے ہندوستانی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا کامیاب تجربہ کیا۔ یہاں پر بھی ایک شعبہ عرصہ سے قائم ہے، جہاں پر ریسرچ کی ساری سہولتیں مہیا ہیں اور ہر سال ڈاکٹریٹ

کی ڈگریاں بھی دی جاتی ہیں۔ اس شعبے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے اسلامک کلچر کے نام سے ایک مستند تحقیقاتی رسالہ شائع ہوتا ہے جو دنیا بھر میں مقبول ہے اور اس کے مضامین بطور حوالہ جات ریسرچ میں کام آتے ہیں۔

اکاڈمی آف اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد اور انسٹی ٹیوٹ آف انڈو مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز کے تحت مرحوم ڈاکٹر عبداللطیف نے اپنی زندگی میں بے حد مستند اور لائق تحسین کام انجام دیئے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ "القرآن" کی اشاعت ہے اور انہوں نے "THE MIND THAT AL-QURAN BUILDS" کے نام سے ایک بڑا اچھا مقالہ لکھا ہے

اسی طرح قرآن وسیرت سوسائٹی حیدرآباد سے بھی قرآنی تعلیمات کی اشاعت، اردو، انگریزی اور تلنگی میں بیش بہا لٹریچر ابلاغ دین و ترویج سیرت کے لئے وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے۔ اس ادارہ کی ایک تصنیف "قرآن حکیم اور ہماری زندگی بصیرت افروز ہے" ایک اور ادارہ پچاس برس قبل علی گڑھ میں "ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز" کے نام سے ہنری مارٹن نے قائم کیا تھا۔ یہ درحقیقت عیسائی مشن میں کام کرنے والوں کے لئے اسلام اور دیگر مذاہب سے مفید مواد جمع کرتا ہے تاکہ ان کے تبلیغی کاموں میں مدد ملے۔ اب یہ ادارہ حیدرآباد میں اسی نام سے کام کرتا ہے اس ادارہ کی طرف "ہما" (اردو) البشیر (انگریزی) دو رسالے بھی شائع کئے جاتے ہیں۔

دی گرانڈ مسلم مشن مسافر خانہ روڈ، بمبئی کی جانب سے دی ہولی پرافٹ محمدؐ ' ایک اچھی تصنیف شائع کی گئی یہاں پر میں نے ابھی تک صرف دو اہم جامعات کا ذکر کیا ہے ورنہ ہندوستان میں اور بھی بہت سارے ادارے ہیں، بہت ساری جامعات ہیں، کلیات اور انجمنیں ہیں جو از خود معروف و مستند ہیں۔

شانتی نکیتن میں رابندر ناتھ ٹیگور کی قائم کردہ وشوا بھارتی یونیورسٹی میں بھی اسلامی فلسفہ پر اسلامی تعلیمات کے شعبہ کے تحت بی۔ اے کی ڈگری دی جاتی ہے جس کے لئے مسلم اور غیر مسلم دیسی بدیسی طالب علم جوق در جوق آتے ہیں۔

صوبہ پنجاب نے ۱۹۶۰ء کے اوائل سے اسلامیات میں کافی دلچسپی لی ہے چنانچہ پنجاب

یونیورسٹی پٹیالہ میں مذہبیات اور دینیات کی تعلیم کے لئے باقاعدہ شعبہ قائم ہے جہاں پر ایم اے، ایم لٹ اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ اس یونیورسٹی کی خاص بات یہ ہے کہ چار اہم مذاہب یعنی ہندو دھرم، بدھ مت، عیسائیت اور سکھ مذہب کے ساتھ ساتھ اسلام کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ چنانچہ اس یونیورسٹی سے اسلامیات پر کئی ایک گرانقدر مقالے شائع ہوئے ہیں جن پر دیگر مذاہب کے بنیادی اصولوں کی ہم آہنگی اور یکسانیت کو قابلِ قبول طریق پر پیش کیا گیا ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور عثمانیہ یونیورسٹی کی طرح پنجاب یونیورسٹی بھی ایک رسالہ شائع کرتی ہے جو مذاہب کی تعلیمات پر سیر حاصل ریسرچ پیپر ہوتا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ کے ماسوا پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں بھی ایک شعبہ قائم ہے جو پنجاب کے مانے ہوئے مسلم بزرگ شیخ فرید شکر گنج کے نام گرامی سے معنون ہے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ گرو نانک یونیورسٹی امرتسر نے بھی حضرت میاں میر کے نام سے اسلامیات کا شعبہ قائم کیا ہے۔ یہاں پر اسلام اور صوفی ازم پر بطور خاص ریسرچ ہو رہی ہے اور وہ بھی اس ڈھنگ سے کہ ہندوستان کی قومی زندگی پر اسلام نے کیا تاثرات مرتسم کئے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور اس کی تدریسی کارروائیوں کا احاطہ بھی ضروری ہے کہ یہاں برسہا برس سے اسلامیات پر کافی زور و شور سے کام ہو رہا ہے۔ لیکن اس جامعہ نے بھی یونیورسٹی کی سطح پر اسلامیات کی تعلیم کا شعبہ قائم کیا ہے اور ایک نیا محکمہ بنایا گیا ہے جس کو اسلامک و عرب ایران اسٹڈیز کا نام دیا گیا ہے۔ اس جامعہ ملیہ کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا اگر سیکولر ہندوستان نے صحیح معنی میں سیکولرازم کی مثال قائم نہ کی ہوتی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا آئندہ کا لائحہ عمل یہ ہے کہ اسلام کے عام مسائل اور ہندوستانی مسلمان کی خاص الجھنوں کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے عملی حل دریافت کئے جائیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اب ایک اور ادارہ قائم کیا ہے جس کا نام ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز رکھا گیا ہے۔ اس ادارہ میں بطور خاص ہندوستانی مسلمانوں کو جدیدیت اور ترقی پسندی کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ اس ادارے نے مسلم کردار کے تعلق سے حضرت امام غزالی کی تعلیمات پر کافی مبسوط اور سیر حاصل مقالہ شائع کیا ہے۔

یونیورسٹی، کالج، ادارے، مدارس، علمی و تحقیقاتی انجمنیں اور جماعتیں اس قسم کی سہولتیں سرکار کی طرف سے مہیا ہیں۔ جو مخیر حضرات ان میں دلچسپی لیتے ہیں انہیں عوام الناس اور سرکار دونوں ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۱۹۶۰ء سے ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن آف انڈیا بھی انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز چلا رہا ہے
یہاں پر بھی ایک عمدہ کتب خانہ ہے اور اس کی جانب سے ایک درجن سے زیادہ مستند کتابیں شائع ہو چکی ہیں "اسٹڈیز
ان اسلام" کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے لائحہ عمل میں چار اور اداروں کا قیام بھی
ہے (۱) اسلامک اسٹڈیز (۲) مذاہب کا تقابل (۳) شرح شریعت (۴) معاشیات۔

نئی دہلی میں ایک اور ادارہ ہے جو "ماڈرن ایج سوسائٹی نئی دہلی" کے نام سے قائم ہے۔ یہاں پر
ویسے تو تمام مذاہب کی تعلیمات اور ان کے سائنسی تجزیہ پر ریسرچ ہو رہی ہے لیکن اسلام پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے
اسلام اور عصر جدید" (اردو) اور اسلام اینڈ ماڈرن ایج (انگریزی) معیاری جریدے بھی شائع ہوتے
ہیں ان میں بھی دنیا کی تہذیب تمدن اور ثقافت پر اسلام کے اثر پر مدلل مضامین شائع ہوتے ہیں اسی ادارہ نے
پانچ جلدوں میں دنیا کے مذاہب کی تاریخ شائع کی ہے۔

ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے احاطہ میں قائم ہے اور یہاں سے
مختلف موضوعات پر مفید کتب شائع ہوتی رہتی ہیں۔

ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے اور ہر صوبہ اتنا بڑا کہ ان میں جو کارہائے نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان
کا احاطہ کرنا ناممکن ہے لیکن جتنی بھی معلومات فراہم ہو سکی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دیس میں مذہب
اور مذہبیات پر کس آزادی اور کس عمدگی سے کام ہو رہا ہے کہ جو ساری دنیا کے لئے مفید ہے۔

"بشکریہ قومی راج بمبئی"

-عمران فاروقی

آندھرا پردیش

قبل مسیح سے موجودہ دور تک

(آندھرا پردیش کی مختصر ترین تاریخ)

اگر میں یہ کہوں کہ لفظ آندھرا میں زمانۂ گذشتہ کی ایک پوری تاریخ پوشیدہ ہے تو آپ حیران مت ہوئیے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آندھرا نام کی ایک نسل حضرت عیسیٰ سے ایک ہزار سال پہلے ہندوستان میں آباد تھی۔ اس نسل کے متعلق ایک انتہائی قدیم اور مقدس کتاب میں تفصیلی ذکر ملتا ہے جس کا نام "اینا دنا"۔ "برہمنہ" ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی حضرت عیسیٰ سے تقریباً ہزار یا پانچ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔

یہ تو تھی ما قبل تاریخ کی بات۔ اب سنئے آندھرا حکومت کے متعلق تاریخ کے زمانے۔ جس زمانے میں شمالی ہندوستان میں چندر گپت موریہ راج کرتا تھا اسی زمانے میں جنوب میں کوہ بندھیاچل کے جنوب میں آندھراؤں کی کی وسیع و عریض اور پُر شکوہ سلطنت تھی۔ اس سلطنت میں چالیس مضبوط قلعے تھے، ایک لاکھ پیادہ فوج تھی اور دو ہزار گھوڑ سوار فوج۔ اشوک کی لاٹھوں میں بھی آندھرا حکومت کا ذکر ملتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آندھرا خاندان کی حکومت زمانۂ دراز سے دکن میں قائم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ مگاس تھینز یونانی کے زمانے میں آندھرا حکومت، سلطنت مگدھ کے بعد ہندوستان میں سب سے طاقتور مانی جاتی تھی۔ ان کا تعلق دراوڑی نسل سے تھا۔ اور اس قدیم زمانے میں گوداوری اور کرشنا کے دہانوں کے درمیان کا علاقہ جسے تلنگانہ کہتے ہیں ان کا خاص علاقہ سمجھا جاتا تھا تاریخ کے مطالعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قدیم پایۂ تخت "سری کاکولم" تھا۔

یہ ریاست چوتھی صدی قبل مسیح تک تو خود مختار رہی لیکن اس کے کوئی ستر اسی سال بعد یہ سلطنت مگدھ کی باج گزار ہوگئی تھی۔ اس کا پتہ بھی اشوک اعظم کے کتبات سے چلتا ہے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آندھرا حکومت مگدھ کے باج گزار تو تھی لیکن اس کی اندرونی خود مختاری میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ لیکن اشوک کی موت کے بعد یہ سلطنت مکمل طور پر پھر خود مختار ہوگئی تھی۔ زیادہ ترین قیاس تو یہ ہے کہ اشوک ہی کے عین حیات

میں یہ سلطنت خود مختار ہوگئی تھی ۔ یہاں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن تمام مورخین اشوک کے بعد اس سلطنت کے خود مختار ہونے کو مانتے ہیں ۔ جو مورخین یہ کہتے ہیں کہ یہ سلطنت اشوک کے جین حیات میں خودمختار ہوگئی تھی ان کا استدلال یہ ہے کہ اس خاندان کا راجہ "سموکا" جس زمانے میں سربر آرا سلطنت تھا یہ اشوک کی زندگی کا زمانہ تھا اور راجہ سموکا اپنی ریاست کا مطلق العنان بادشاہ تھا ۔ اور اس کے جانشین راجہ کرشنا نے مغرب میں ساحل سمندر تک تمام علاقے فتح کرکے اپنی ریاست میں شامل کرلئے تھے ۔ یہ واقعات تیسری صدی قبل مسیح کے ہیں ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کے تقریباً دوسو سال تک آندھراؤں کے حالات تاریخی روشنی سے محروم رہے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دوسو سال کا طویل زمانہ آندھرا خاندان پر کس طرح گذرا ۔ وہ کیا کرتے رہے اگر برسر حکومت تھے تو ان کے حالات سے تاریخ کے صفحے محروم کیوں رہ گئے ۔ اور اگر انہیں حکومت سے بے دخل کردیا گیا تھا تو وہ اتنے طویل زمانے تک کیوں خاموش رہے ۔ کسی قسم کی جدوجہد اور انقلاب کی کوشش کیوں نہیں کی ؟ یہ تمام باتیں تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو پریشان کرتی ہیں اور وہ سمجھ نہیں پاتا کہ ایسا کیوں ہوا —————— پھر دو صدی بعد اس خاندان کے کسی راجہ نے "مگدھ میں کانو" خاندان کے آخری راجہ "سوسرما" کا خاتمہ کیا (۲۷ سنہ قبل مسیح میں) اور جنوب میں اپنا پائے تخت بجائے "دھانیا کٹک" (آندھراؤں کا قدیم ترین پائے تخت جسے اس زمانے میں ضلع گنٹور کہتے ہیں) کے پٹن کو قرار دیا اور ساتھ ہی ساتھ شمال میں پاٹلی پترکو بھی پائے تخت کی حیثیت سے برقرار رکھا ۔ تیئس آندھرا راجاؤں میں گوتمی پترا ستاکرنی کو جو شہرت اور تاریخی اہمیت ملی وہ کسی کے حصے میں نہیں آئی ۔ یہ آندھراؤں کا تیئسواں راجہ تھا ۔ جو دوسری صدی عیسوی کے ابتدائی حصے میں برسر حکومت پایا جاتا ہے ۔ اس سے قبل ستواہن حکومت کی بنیادیں کمزور پڑ چکی تھیں لیکن اس نے اپنی حکمت، صلاحیت اور کامیاب حکومت سے اپنے خاندان کا کھویا ہوا وقار پھر سے حاصل کرلیا تھا ۔ اس نے شاکاؤں کو شکستیں دے کر ان کی حکومت کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا ۔

گوتمی پترا کے بعد اس کا بیٹا وشستا پترا پلوائی ۱۲۸ء سنہ میں تخت نشین ہوا تھا ۔ یہ بڑا لائق اور حکومت کا اچھا تجربہ رکھنے والا تھا ۔ کیونکہ یہ ایام شہزادگی ہی میں سلطنت کے کاموں میں حصہ لیا کرتا تھا اور اپنے باپ کا دست راست بن گیا تھا ۔ اس نے اپنے اس تجربے سے خوب فائدہ اٹھایا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی سلطنت میں مہاراشٹرا کا علاقہ بھی شامل ہوگیا تھا ۔ لیکن شاکا سردار رودرادمن نے وہ تمام علاقہ آندھراؤں کے قبضے سے نکال لیا ۔ جسے بے حد محنت اور جانفشانی کے بعد گوتمی پترا نے حاصل کیا تھا ۔ اس ذلت کو آندھراؤں نے برداشت نہ کرتے ہوئے وشستا پترا نے پٹن ہی کو اپنا پائے تخت بنایا تاکہ شاکاؤں سے محفوظ رہ سکے ۔

اس کے بعد راجہ سری یگنا سری نے تخت سنبھالا ۔ اس نے انتیس[۲۹] سال حکومت کی اور یہی آندھراؤں کا آخری مشہور راجہ گزرا ہے ۔ جس نے آندھرا حکومت کی پامال ہوتی ہوئی ناموس کو سہارا دیا اور شاکاؤں سے جنگ کرکے کھوئے ہوئے علاقے واپس لئے ۔ اس حکومت کے ساتھ ساتھ سیناپترا SINA · PUTRA سلطنت کا بھی اشوک کی لاٹھوں میں ذکر ملتا ہے ۔ سیناپترا سلطنت ستواہن نسل سے تھی اور اس نسل کے راجا ۲۵۰ سال قبل مسیح میں حکومت کرتے تھے ۔ حضرت عیسٰی کے بعد تیسری صدی عیسوی میں سیناپترا سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے بعد جنوبی ہند میں بہت سی سلطنتیں بنیں جن میں پالو سلطنت مشہور ہے، پالونسل کے راجہ بلاری امراوتی اور کانچی درم پر حکومت کرتے تھے ۔ ایک اور سلطنت کالنگا کی تھی جو گوداوری اور مہاندی کے علاقے میں تھی ۔ اس سلطنت کا ایک راجہ اننت ورمابت مشہور ہے اس نے ساٹھ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی تھی ۔ ان سلطنتوں کے علاوہ جنوب میں ایک اور سلطنت چالوکیہ تھی ۔ اس سلطنت کا ایک راجہ پولیشن دوم تھا یہ اپنے زمانے کا بہت ہی مشہور راجہ سمجھا جاتا ہے ۔ اس سلطنت کے زوال کے بعد ورنگل میں کاکتیہ حکومت قائم ہوئی ۔ اس خاندان کے راجہ ۲ سو سال تک حکمرانی کرتے رہے ۔ ان کے زمانے میں کاکتیہ سلطنت ہر قسم کی ترقی کرچکی تھی ۔

مگر بعد میں چل کر جب وجیانگرم میں شہنشاہیت قائم ہوئی تو یہ ساری چھوٹی چھوٹی جنوب کی ریاستیں اس میں ضم ہوگئیں ۔

۱۳۴۷ سنہ میں علاءالدین حسن گنگو بہمنی نے جنوب میں بہمنی سلطنت

داغ بیل ڈالی۔ چند دنوں بعد اس سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہوگئے۔ بیدر، برار، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ۔ گولکنڈہ میں قطب شاہی سلطنت بنی اور تلنگانہ علاقہ اس سلطنت میں شامل ہوگیا۔ بہمنی سلطنت اور بیجاپور کی سلطنت میں ہمیشہ حکومت کے لئے لڑائی ہونے لگی۔ آخر کار ۱۵۶۵ء میں تالی کوٹہ کے مقام پر ایک معرکتہ الآرا اور فیصلہ کن لڑائی ان دونوں میں ہوئی اور بیجاپور کی حکومت کو ایسا دھکا پہنچا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور مختلف مقامات پر دوسری چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں۔

۱۶۸۷ء میں اورنگ زیبؒ کی فوجوں نے تین مہینے کی لگاتار کوششوں کے بعد گولکنڈہ فتح کر لیا اور اس کے چند دن کے بعد اورنگ زیبؒ کے سپہ سالار آصف جاہ نے نظام الملک کے خطاب سے دکن کے علاقے کو اپنی صوبہ داری میں لیکر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے ان کے ورثا اس ریاست پر حکومت کرنے لگے۔

ہندوستان پر برطانوی راج قائم ہو جانے کے بعد انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی جس نے ہندوستان کی عظیم قومی تحریک کو جنم دیا۔ جب مانٹی گو چامسفورڈ اصلاحات کا زمانہ آیا تو اس کے خلاف کانگریس نے ایک باضابطہ تعاون کی اسکیم چلائی۔ اس تحریک میں آندھراؤں نے بہت ہی شاندار حصہ لیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۵ء میں ہندوستان میں صوبہ داری حکومت قائم ہوئی اور مدراس کی ایک علحدہ حکومت بنی اس کے وزیر اعلیٰ راجگوپال چاری تھے۔ ان کے عہد میں تین وزیر اور چار پارلیمنٹری سکریٹری آندھرا کے تھے۔

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کو آزادی ملی تو اس کے بعد برطانوی ہند اور ریاستی ہند کی تقسیم ختم کر دینے کا سوال اٹھا۔ یہ سوال چونکہ قومی حکومت کی طرف سے اٹھایا گیا تھا اس لئے کوشش یہ کی گئی کہ اس کو پوری طرح حل کیا جائے۔ چنانچہ والیانِ ریاست، راجہ، بادشاہ یا نواب کے بجائے راج پرمکھ ہوگئے حیدرآباد کے آصف سابع بھی اور راجاؤں کی طرح راج پرمکھ بنے اور اسی سال پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد میں پہلے فوجی حکومت اس کے بعد فبروری ۱۹۵۲ء میں عوام کی نمائندہ حکومت قائم ہوئی۔ یہ حیدرآباد میں ہو رہا تھا اُدھر مدراس کی صوبائی حکومت میں آندھرا کے باشندے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ صوبہ مدراس سے آندھرا ضلعوں کو علحدہ کروالینے کی کافی کوششیں ہوتی رہیں مگر آندھراؤں کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ اس پر آندھرا کے ایک جوشیلے کارکن پٹی سری راملو نے مرن برت رکھا اور اسی میں اپنی جان دی۔ ان کی یہ قربانی بڑی کام آئی اور یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء کو مدراس سے آندھرا کے ضلعے علحدہ ہوگئے اور اس طرح ایک علحدہ آندھرا اسٹیٹ قائم ہوئی۔ یہ تقسیم سیاسی اعتبار سے ہوئی تھی مرکزی حکومت لسانی بنیادوں پر پورے بھارت کو صرف چند حکومتوں میں تقسیم کرنا چاہتی تھی اور حکومت کے پیش نظر یہ مسئلہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے علاقے زبان کی بنیادوں پر کچھ اس طرح جوڑ دیئے جائیں کہ صرف چند سلطنتیں بنیں۔ آندھرا کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ تلگو کی بنیاد پر یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو ایک بڑی آندھرا اسٹیٹ قائم ہوئی۔ جو اب آندھرا پردیش کے نام سے حکومت کر رہی ہے اسمیں آندھرا کے پورے اور حیدرآباد کے چند ضلعے شامل ہیں۔

حیدرآباد کے اضلاع یہ ہیں۔ عادل آباد، کریم نگر، نظام آباد، میدک، حیدرآباد، محبوب نگر، نلگنڈہ، کھمم، ورنگل اور ضلع رنگا ریڈی۔

آندھرا کے اضلاع حسب ذیل ہیں:
کرنول، اننت پور، گنٹور، کڑپا، سری کاکولم، مشرقی گوداوری، وشاکھاپٹنم، نیلور، چتور، کرشنا، مغربی گوداوری، وجیانگرم اور پرکاشم ●●

ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے مشورے بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

پتہ: ایڈیٹر "آندھرا پردیش" اردو دفتر اطلاعات و تعلقات عامہ
گرہا کلپا، چھٹی منزل، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۱.... ۵ اے پی

ظہیر نیازی

خاندانی منصوبہ بندی

خوش حالی کی ضامن

انسانی زندگی کی خوشحالی کا بہترین راستہ ہے۔ بیچ کا راستہ یعنی اعتدال کی راہ! پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے بھی اعتدال کی راہ کو ہی اپنایا تھا۔ اور اسی بہترین راہ (یعنی صراطِ مستقیم) پر قائم رہنے کے لئے دنیا کا ہر اچھا مسلمان اور اچھا انسان خدا سے پانچوں وقت کی نماز میں دعا کرتا ہے۔ الگ بات ہے کہ ہر آدمی اس اہم ترین نکتے کو نہیں سمجھ پاتے کہ خاندانی زندگی کی خوشحالی کے لئے بھی یہی بیچ کی راہ کارگر اور مفید ہے اور اس کے لئے لازمی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اپنائی جائے یعنی پورے خاندان کو ایک منصوبہ بند اور منظم طریقے سے چلایا جائے! اور یہ تبھی ممکن ہے کہ خاندان کو شیطان کی آنت کی طرح بڑھنے نہ دیا جائے!

خاندانی منصوبہ بندی پورے انسانی سماج کے لئے ضروری ہے چاہے اس عالمگیر انسانی سماج کے افراد کا تعلق کسی طبقے یا فرقے سے ہو۔ خوشی کی بات ہے کہ اس ضرورت کو دنیا کے بڑے مدبروں نے بھی سنجیدگی سے محسوس کیا ہے اور اس کو عمل میں لانے کی بھرپور کوششیں بھی کی ہیں۔

اقوام متحدہ نے ۱۰ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک زوردار بیان جاری کیا تھا ـــــ بڑھتی ہوئی آبادی کی روک تھام کے حق میں۔ اس بیان پر دنیا کے ۱۹ ممالک کے سرکردہ رہنماؤں کے دستخط تھے جن میں ۶ مسلم رہنما بھی تھے یعنی ایران کے شاہ محمد رضا پہلوی، مراقش کے شاہ حسین ثانی، اردن کے شاہ حُسین، ملیشیا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن، متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کے صدر جمال عبدالناصر اور ٹیونس کے صدر حبیب بورقیبہ۔

اس کے علاوہ کچھ لوگوں کے شک و شبہات کو دور کرنے کی خاطر مقتدر مذہبی رہنماؤں کے فتوی بھی جاری ہوئے۔ اردن کے مفتی اعظم نے اپنے فتوے میں کہا ـــــ "ہم پورے اعتماد و یقین کے ساتھ خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں اپنا فیصلہ دیتے ہیں!" جامع مسجد دہلی کے امام صاحب نے بھی اسی فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی کی مجلسِ فتاوی نے بھی کہا ـــــ "ہر میاں بیوی کو یہ مکمل آزادی ہے کہ آپسی رضامندی سے مانع حمل طریقوں کو اپنائیں!" اس کے علاوہ دنیا کے چوٹی کے عالموں اور مصنفوں نے بھی اپنی تقریر و تحریر میں خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانے کے لئے بھرپور زور دیا ہے اور اس کے لئے تگڑی دلیلیں دی ہیں۔ ملیشیا کی راجدھانی کوالالمپور میں ۱۹ اپریل ۱۹۶۹ء کو بین الاقوامی سطح کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس نے فیصلہ دیا تھا کہ دنیائے اسلام کے لئے

خاندانی منصوبہ بندی یعنی فیملی پلاننگ کو ایک ضروری پروگرام
کے طور پر اپنایا جانا چاہیئے ۔ ویسے اس فیصلے سے بہت پہلے ہی سے
دنیا کے بیشتر مسلم ممالک نے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا شروع کردیا
تھا جیسے —— ترکی نے ۱۹۶۵ء سے مصر نے ۱۹۶۶ء سے مراکش
تیونس اور ملیشیا نے بھی ۱۹۶۶ء سے' ایران نے ۶۵-۱۹۶۴ سے اور پاکستان
نے تو ۱۹۶۰ء ہی سے ! ان دنوں ان ممالک کے علاوہ بھی اگر مسلم کثیر
آبادی والے ملکوں میں فیملی پلاننگ پر اور سختی سے زور دیا جارہا ہے بالخصوص
پاکستان میں !

قرآنِ کریم کی ایک آیت کے ایک جملے کا یہ حصہ انتہائی
قابلِ توجہ ہے —— "..... اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں سے اور
اپنے بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما !" اور اسے سمجھانے اور
دلیل دے کر واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بیوی اور بچے آنکھوں کی
ٹھنڈک تبھی بن سکتے ہیں جب وہ تعداد کے لحاظ سے دائرے ہی میں ہوں'
دائرے سے باہر نہیں !

دنیا دی "موہ مایا" میں بچے اور مال اسباب خاص مقام رکھتے
ہیں ۔ اس ضمن میں قرآن شریف فرماتا ہے ۔ " اور جان لو کہ تمہارے
مال اسباب اور تمہارے بچے تمہارے لئے آزمائشیں ہیں .... اگر تم اچھے
ڈھنگ سے ان کی دیکھ بھال نہ کرسکو تو سمجھ لو کہ وہ تم کو تباہی (زوال) کی
طرف لے جائیں گے یا ان سے تمہاری محبت تمہیں خدا کی راہ سے دور
کردے گی " ۔ ایک جگہ قرآنِ حکیم اور فرماتا ہے —— تمہاری عورتیں
تمہاری کھیتیاں ہیں' جب چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ اور اپنے لئے (کچھ اچھے
عمل) آگے بھیجو لیکن محبت اور نیک اولاد کی صورت میں !"

مال اسباب کے ساتھ بچے بچیاں بھی واقعی آزمائش ہوا کرتی
ہیں اور ان کی دیکھ بھال ڈھنگ سے نہ ہو تو بلاشبہ ہمیں تباہی کا شکار ہونا
پڑے گا ۔ عورتوں یعنی بیویوں کی تعداد بھی ایک سے تجاوز نہ کرے تبھی
یہ ممکن ہے کہ ان سے خاطر خواہ محبت کے ساتھ پیش آیا جاسکے ! اور اپنی
اولاد کو نیک اور صالح بنانے میں بھی گوناگوں کامیابی تبھی مل سکتی ہے جب
اولاد کی ڈور لمبی نہ ہو! لمبی ڈور میں تو خود ہی الجھ کر رہ جائے گا ایسا آدمی'
پھر وہ دوسروں کو کیا سلجھائے گا ۔ اماموں میں مشہور امام حضرت امام
غزالی کا قول ہے کہ کچھ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ " اگر خدا کسی شخص سے ناراض
ہوجاتا ہے تو اسے زیادہ دانت بخش دیتا ہے تاکہ وہ اسے چوہے کی طرح کتریں ۔
اور یہ زیادہ دانت ہیں —— زیادہ بچے ! ایک جگہ اور ذکر ہے کہ مفلسی
میں زیادہ بچے ایسے دانتوں کی طرح ہوتے ہیں جو چوہے کی طرح اپنے ماں
باپ کو کترتے رہتے ہیں ۔

قرآنِ مقدس میں ایک جگہ ذکر ہے —— " .... اور شادی سے پہلے
رہنے کو مکان حاصل کرو ...." مکان اور ٹھور ٹھکانا کے بغیر بھی بہت سے
لوگ شادی کرلیتے ہیں' وہ صریحاً غلطی کرتے ہیں ۔ اس ایک بات میں اس
نکتے کی طرف بھی واضح اشارہ ہے کہ بچے پیدا کرنا تو دور' شادی بھی نہیں کرنی
چاہیئے ایسے آدمیوں کو جو اپنے پیر پر پورے اعتماد کے ساتھ کھڑے نہ ہوسکیں'
"جو شادی نہیں کرپاتے (اپنے محدود وسائل و ذرائع کے باعث) وہ اپنے
آپ کو بچائے رکھیں' یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے !"

یعنی ان مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے خاندان
کی خوشحالی کے لئے انسان کی خوشی و شادمانی کے لئے' خاندانی منصوبے کو مکمل طور
پر اپنانے کی بھرپور اور پُرزور سفارش کی ہے —— شادی سے لے کر بچوں
کی پیدائش تک' ہر معاملے میں' اور میری نظر میں تو خاندانی منصوبہ بندی کا
ایک وسیع مفہوم ہے اور اس مفہوم کے تحت خاندانی منصوبہ بندی کو انسان کے
پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک برسرِ عمل ہونا چاہیئے ۔ یعنی خاندانی منصوبہ بندی
کا ایک سیدھا سادا اور لے دے کر ایک ہی مطلب نہیں کہ بچے کم پیدا کئے جائیں
بلکہ اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہونا چاہیئے کہ شادی خانہ آبادی اور دیگر خاندانی
امور کی طرف بھی مکمل طور پر توجہ دینی چاہیئے ۔ جب تک بچے بالغ نہ ہوجائیں'
اپنے پاؤں پر خود کفیل بن کر کھڑے نہ ہوجائیں' معقول تعلیم و تربیت کے
زیور سے آراستہ نہ ہوجائیں اور ایک مکمل گھریلو زندگی گذارنے کے قابل نہ ہوجائیں
ان کی شادی ہرگز ہرگز نہیں ہونی چاہیئے ۔ تمام تر ذمہ داریوں کو حسن و خوبی
نبھانے کی صلاحیت رکھنے والے بالغان کی شادی ہوجائے تب ان کا فرض

ہوجاتا ہے کہ بچے کی پیدائش میں عجلت سے کام نہ لیں بلکہ ضبطِ ولادت
کے جدید طریقوں میں سے اپنے لئے آسان تر نظر آنے والے طریقے کو اپنائیں
پھر ایک بچہ پیدا ہوجائے تو سال ہی بھر بعد دھڑ سے ایک عدد اور بچے
کو جنم نہ دے ڈالیں بلکہ کچھ سال کا وقفہ اختیار کریں۔ (قرآنِ کریم میں
بھی ہے کہ "مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں") اس کے بعد
اپنے ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین بچوں کی پیدائش کے بعد اس پیدائش
پر قطعی طور پر فل اسٹاپ لگادیں! بس یہیں تک ان کی ذمہ داری ختم نہیں
ہوجاتی بلکہ اصل ذمہ داری تو شروع ہوتی ہے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد ہی
بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت خاندانی منصوبے
کے سنہرے اصولوں کے مطابق کریں۔ اچھی پرورش اور معقول ترین تعلیم و تربیت
کے بعد بچے جب باشعور ہوجائیں تو انہیں بھی خاندانی منصوبے بندی کی اہمیت
کو اچھی طرح ذہن نشین کرادیں تاکہ وہ بھی اپنے والدین کی طرح ایک آدرش
اور مثالی خاندانی زندگی گذارنے کے قابل ہوسکیں اور ان کی شادی تب تک
نہ کریں جب تک وہ اس کی ذمہ داری بحسن و خوبی نبھا سکنے کے قابل نہ ہوجائیں
اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اچھے باشعور اور مثالی انسان کی زندگی اس
کی آخری سانسوں تک خاندانی منصوبہ بندی سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی بلکہ
مرتے دَم تک قائم رہتی ہے، قائم رہنی چاہیئے۔

دنیا کے دوسرے فرقوں اور مذاہب کے رہنماؤں نے بھی خاندانی
منصوبہ بندی کو اپنانے کی بھرپور سفارش کی ہے۔ ویدوں کی بیحد معقول
جانکاری رکھنے والے عالم شری سدیشور شاستری نے فرمایا ہے کہ ویدوں
میں بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ زیادہ بچوں کی جگہ کم اور باحوصلہ بچے پیدا ہوں
رگ وید کا متعلقہ منتر اس طرح ہے۔

य इम चकार ना सो अस्य वेद, -
य इम ददर्श हिरुगिन्नु तस्मात ।
स मातर्योना परिवीतो अन्तरा,
बहु प्रजा निरिनिमा विवेश ।।

विश्व को ईश्वर के बारे मे, जिसने
पृथ्वी की रचना की और जो उसकी देख -
भाल करता है, कोई जानकारी नहीं है ।
मानव जन्म और मरण के सतत चक्र मे होकर
गुजरता है । अधिक बच्चे इस दुनिया में सभी
दुखों के मौलिक कारण हैं ।

زیادہ بچے اس دنیا میں سبھی دکھوں کے بنیادی باعث ہیں!
(بحوالہ "سوشلسٹ بھارت" ۲۴ر اپریل ۱۹۷۷ء)

ویدوں کے علاوہ دنیا کے دیگر بڑے مذہبی فلسفوں کی رُو سے
بھی کثیر اولاد باعثِ رحمت نہیں بلکہ باعثِ زحمت ہیں۔ بچے بلاشبہ
خدا کی نعمت ہیں مگر تبھی جب انہیں نعمت بنے رہنے دیا جائے ورنہ بلاشبہ
یہ زحمت اور مسلسل زحمت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور اس زحمت کے
ذمہ دار لوگ بلاشبہ قابلِ ملامت ہیں، وہ خاندانی منصوبہ بندی کو نہیں
اپنا کر نہ صرف اپنے اور اپنے بال بچوں کے ساتھ ظلم کرتے ہیں بلکہ اپنے
ملک و ملت اور معاشرے کو ایک فاضل اور ناقابلِ برداشت بوجھ
سے لاد کر ایک ایسا مذہبی، انسانی اور قومی گناہ کرتے ہیں جس کے لئے
ملک و ملت تو کیا خود ان کا پیدا کرنے والا خدا بھی انہیں معاف
نہیں کرسکتا۔

○○○

رام پال

رات اندھیری بھی تھی ۔ برفیلی بھی ۔ بارش آلود بھی ۔

وقت ۔ نیم شبی کا تھا ۔ ماحول میں سناٹا تھا ۔ سڑک ویران بھی تھی ۔ سنسان بھی ۔ لیکن جب وہ ڈاکٹر کے مطب سے برآمد ہوئی جہاں روشنی ۔ اندھیرے کا منہ چڑا رہی تھی ۔ تو اُس کا چہرہ تمتمایا ہوا ۔ پسینہ سے نہایا ہوا تھا ۔ اسے گمان بھی نہ تھا ۔ کہ ایک صحت دینے والا عزت لینے کے درپے بھی ہو سکتا ہے ۔ اس کی شہر میں عزت تھی ساکھ بھی ۔ شفا اس کے ہاتھ میں تھی ۔ زبان حد درجہ شیریں تھی ۔ اسے کیا سب کو اس پر بھروسہ تھا ۔ لیکن جب اس نے ڈاکٹر کی فیس دینے کو پرس کھولا ۔ تو ڈاکٹر نے اس کی گوری کلائی مروڑتے ہوئے کہا ۔ " اس کی کیا ضرورت ہے " اور وہ سمجھ گئی ۔ کہ اسے اِس رات کی تنہائی میں کس چیز کی ضرورت ہے ۔ اُس نے دوائیاں ضرور ہاتھ میں سنبھال لیں ۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ڈاکٹر آگے بڑھے وہ کمرے سے باہر تھی ۔ ہانپتی کانپتی ۔ ماں بیمار تھی ۔ ورنہ شاید وہ ایسے وقت میں کبھی بھی گھر سے باہر قدم نہ نکالتی ۔ مگر مجبوری ۔ اسے اس وقت کسی سہارے کی اشد ضرورت تھی ۔ ایک ایسے شخص کی جو انسان بھی ہو ۔

وہ تیز تیز قدموں سے سڑک پر چلنے لگی ۔ ایسے اندھیرے میں خود اس کا سایہ بھی اُس سے جُدا ہو چکا تھا ۔ ڈاکٹر کے مطب کی روشنی بجھ چکی تھی ۔ اور رہا سہا ایک آدھ کرن کا سہارا بھی دم توڑ چکا تھا ۔ اور تب ایک کار کی تیز روشنی سڑک پر بکھر گئی ۔ کار قدم بہ قدم اس کے نزدیک آ رہی تھی اور اس وقت اسے کسی کا بھی ساتھ گوارا تھا ۔ کار نے اس کے قریب آ کے بریک لگائی ۔ اندر ۔ شہر کے مشہور ۔ متمول ۔ مخیر ۔ سیٹھ دولت رام تھے ۔ اُن کا نام اور شکل ۔ اخباروں کے ذریعے ہر ایک کو معلوم تھا ۔ اُن کے دان کا چرچا تھا ۔ شہر میں بہت سے ودھوا آشرم ۔ یتیم خانے اور دیگر اس قسم کے ادارے اُن کی نظر عنایت سے چلتے تھے ۔ بہت سے جلسوں کے صدر ۔ بہت سی انجمنوں کے سربراہ اور شہر کے مشہور محسن قوم اور سوشل ورکر تھے ۔ کار کا دروازہ کھلا ۔ اور اجلے براق سفید کپڑوں میں ملبوس ۔ سیٹھ صاحب نے ڈرائیور سے کہا ۔ "بے چاری" ۔ اور ڈرائیور نے بے چاری کو بٹھا لیا ۔ اس نے بھیگی کبوتری کی طرح چند لمحے اپنے پر پھڑپھڑائے ۔ لیکن وہ حالات سے اس قدر تنگ تھی ۔ کہ مزید سوچنے کی طاقت سلب ہو چکی تھی ۔ اس نے دوائیوں والا لفافہ ہاتھ میں مضبوطی سے تھاما ۔ اور

ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی۔ دنیا میں فرشتے بھی بستے ہیں۔ اور کار فراٹے لینے لگی۔ چند ثانیوں کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا۔ کہ کار اس کے گھر کی طرف نہیں جا رہی۔ اس نے چونک کے سیٹھ صاحب سے استفسار کرنا چاہا۔ لیکن وہ کھسک کے اس کے اور قریب آ گئے۔ وہ سمجھ گئی۔ کہ اسے کہاں اور کس مقصد کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ ڈری۔ سہمی۔ کراہی۔ ڈرائیور نے گھوم کے سیٹھ صاحب کی طرف دیکھا۔ مسکرایا۔ اور جواب میں سیٹھ صاحب نے اسے اشاروں ہی اشاروں میں سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ سمجھ گئی۔ کہ آسمان سے گر کے وہ اب کھجور میں اٹکی ہے۔ اس نے بے بسی سے باہر کی طرف جھانکا۔ ایک پولیس کا سپاہی گشت کرتا۔ ادھر ہی آ رہا تھا۔ اس نے چیخ بلند کی۔ اور ڈرائیور نے فوراً کار کی بریک لگا دی۔ اور جس پھرتی سے اسے کار میں بٹھانے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس سے زیادہ تیزی سے اسے باہر کی طرف دھکیل دیا گیا۔ اور بیشتر اس کے کہ پولیس کا سپاہی نزدیک آ سکے۔ کار کی پیچھے کی سرخ بتی۔ دور سے دور تر ہوتی گئی۔

وہ ہانپتی رہی۔ وہ کانپتی رہی۔ اب اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔ سپاہی نے نزدیک آ کے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ وہ دراصل گشت پہ نہ تھا۔ ڈیوٹی ختم کر کے مقامی شراب خانہ سے اپنا حصہ وصول کر کے آیا تھا۔ اور اب شراب کے نشہ نے اس کی تشنگی دوبالا کر دی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ میں لفافہ دیکھ کے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔ "روٹیوں کے علاوہ پھل فروٹ بھی لے آئی"۔

"یہ دوائی ہے" اس نے نہایت بے بسی کے انداز میں کہا۔ "میری ماں بیمار ہے" سپاہی کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس نے نہایت فلمی انداز میں سینے پہ ہاتھ رکھ کے کہا۔ "ہم بھی تو بیمار ہیں۔ پہلے ہمارا علاج تو کر لو"۔ اور وہ کانپنے لگی۔

بارش تیز ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے قدم بھی۔

سپاہی نے نشہ کی حالت میں اس کا پیچھا کرنا چاہا۔ لیکن شرابی کی چال سے۔ اس نے مڑ کے دیکھا۔ تو سپاہی اس سے کہیں دور رہ گیا تھا۔ اب اس نے چال تو مدھم کر لی۔ لیکن اس کا دل دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کاش۔ وہ ماں کی بات مان لیتی۔ بخار تھا۔ صبح کو دوائی لے آتی۔ لیکن وہ بے تابی ہو رہی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی ماں کو بیمار نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسے پورا یقین تھا۔ کہ اس آزاد ملک میں اچھے آدمی ہیں۔ رات ہوئی تو کیا۔ ڈاکٹر سے دوائی لے کے وہ چند منٹوں میں واپس آ جائے گی۔ وہ اکیلی ہے۔ تو کیا۔ مگر اسے کیا معلوم تھا۔ کہ عورت ہونا ایک گناہ ہے۔ اور وہ بے کس و مجبور اکیلی لڑکی ہونا گناہِ عظیم۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ابر آلود آسمان اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔ اور تب اس نے اس کی بے کسی پہ پانی برسانا شروع کر دیا۔ بارش دھواں دھار شروع ہو چکی تھی۔ اور وہ سرتاپا شرابور تھی۔ اب اسے کسی پناہ کی ضرورت تھی۔ وہ سردی سے کپکپا رہی تھی۔ اور اس کے قدم خود بخود سامنے مندر کی طرف بڑھ گئے۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ بھگوان کے گھر کا دروازہ بھی بند تھا۔ لیکن برامدے میں ایک دیوار سے ٹیک لگا کے وہ بیٹھ گئی۔ اب وہ ان پے درپے صدموں اور ان انسانی شکل کے بھیڑیوں سے اس قدر ذہنی طور پہ مفلوج ہو چکی تھی۔ کہ اس نے اس در پہ اپنا جسم پٹک دیا۔ اور شاید اس ہی عالم میں اسے جھپکی سی آ گئی ہوگی۔ جب اسے محسوس ہوا۔ کہ کوئی اس پہ جھکا ہے وہ گھبرا کے۔ چونک کے اٹھی۔ آنکھیں کھولیں۔ تو پجاری کی بھنگ اور چرس سے نشیلی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اور اس کے ہاتھ اسے سمیٹنے کو بڑھ رہے تھے لیکن شاید بھگوان کو اس کی لاج رکھنی مقصود تھی۔ ایک سایہ کہیں اندھیرے سے نکلا۔ اور اس زناٹے کا تھپڑ پجاری کو رسید کیا۔ اور وہ لڑکھڑا کے مندر کے دروازے سے جا ٹکرایا۔

"تم کون ہو"

اس کے لہجے میں کرختگی تھی۔

بجلی چمکی۔ نوآمدہ کی مونچھیں بڑی بڑی۔ آنکھیں سرخ۔ قد لمبا۔ چہرہ سیاہ اور چیچک زدہ۔ اور ہاتھ میں ایک لہلہاتا چمکدار چاقو تھا۔

"میں میں" اس کی ڈر سے گھگھی بندھ گئی۔ "میں ماں کی دوائی لینے آئی تھی"۔ اس نے اس کی طرف گھور کے دیکھا۔ "کسی آدمی کو بھیج دیا ہوتا" "آدمی گھر کوئی نہیں تھا۔ بابو مل میں گئے تھے۔ رات کی ڈیوٹی ہے"۔

وہ چند ثانیہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔

" اٹھ چل"۔ اور وہ ایک جاپانی گڈیا کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب وہ اس کے ساتھ تھا۔ وہ پیچ در پیچ گلیوں کو یوں عبور کر رہا تھا۔ جیسے شہر کے چپے چپے سے واقف ہو۔ اور عین اس کے مکان کے سامنے آ کے اس کو دستک دی۔ " فورمین صاحب" دروازہ کھلا۔ اور ایک ادھیڑ عمر کا آدمی باہر آیا۔ بیشتر اس کے کہ لڑکی کو دیکھ کے وہ چونکے۔ وہ آنے والے کو دیکھ کے ٹھٹھک گیا۔ "برجو - تم" جی - میں، اور تب سختی سے بولا ۔" بابو پنا لال - اکیلی بچی کو کبھی رات کو باہر مت بھیجا کرو۔ دنیا بہت خراب ہے" لیکن فورمین اسے ٹک ٹک تک رہا تھا۔ اس نے ہکلا کے کہا۔" برجو - تمہارے جوئے اور شراب کی وجہ سے میں نے شکایت کر کے مل سے نکلوایا تھا۔ اور تم" برجو نے چاقو بند کر کے کہا ۔ بابو - وہ معاملہ میرا آپ کا ہے۔ لیکن بچی سب کی سانجھی ہوتی ہے۔ ہم اپنا معاملہ خود طے کریں گے"۔

پنا لال نے بچی کو کلیجے سے لپٹا کے کہا ۔

" کل سے نوکری پہ آ جانا"۔ ●●

غزل

علقمہ شبلی

کبھی پڑھو تو مجھے حرفِ معتبر کی طرح
یہ کیا کہ پڑھتے ہو فرسودہ سی خبر کی طرح

ہمارے ذوقِ پرستش کو تم دعائیں دو
چمک رہے ہیں یہ پتھر جواب گہر کی طرح

اداسی کھول کے بال اپنا سو رہی ہے یوں
کہ جیسے شہر میں ہر گھر ہے میرے گھر کی طرح

شامِ جاں میں ابھی تک ہے اُس بدن کی باس
کھلا تھا رات جو اک غنچۂ سحر کی طرح

ہر اک سنگ پتہ پوچھتا ہے گھر کا مرے
نہیں ہے کیا کوئی سر اور میرے سر کی طرح

نواحِ جاں میں اجالوں کا رقص ہے شبلی
یہ کون آیا دبے پاؤں یوں سحر کی طرح

کلیمہ تسنیم

شام، احساس، نیاپل، وہی شوریدہ سری
نئی تہذیب، سلگتی ہوئی قدریں، وہی اصنامِ خیال
کس کو سینے سے لگائیں، کسے مہجور کریں
کس سے پیمانِ وفا باندھیں، کسے دُور کریں
زینہ زینہ وہی تنہائی صدا دیتی ہے
رینگتے جسم، جھُلستے ہوئے چہرے ہیں وہی
اک طرف اطلس و کمخواب میں ترشے ہوئے جسم
جن کا ہر خطِ بدن، برگِ حنا کی تحریر
جن کا ہر روپ، ہر اک رنگ، سحر کی تنویر
روشنی اور اندھیرے کی کشاکش کا فشار
شیشہ و سنگ کو دیتا ہے گدازِ آہن،
زندگی شام کی وادی میں مہک جاتی ہے
اور سنورتی ہے، کچھ اور بہک جاتی ہے
شام جب پُل سے گزرتے ہیں تو آتا ہے خیال
نئی تہذیب کی قدریں ہیں اِدھر اور اُدھر
سر بہ زانو کوئی آنسو، کوئی اُلجھن، کوئی پیمانِ وفا
کشمکش آتش و آہن میں چلی آتی ہے
شام دم توڑتی ہے
رات گھٹا کی مانند
اپنے آنچل میں نئی صبح چھُپا لاتی ہے
اور مرا شہر چمک جاتا ہے جگنو کی طرح

بانو طاہرہ سعید

راجکماری سرجیت ماں باپ کی دلاری بیٹی تھی۔ بچپن سے یہہ شوخ و شیریں ادا اور طرار واقع ہوئی تھی۔ محل کے چھوٹے بڑے اس سے محبت کرتے کیونکہ وہ روتوں کو ہنسا دیا کرتی تھی۔

راجہ جے سنگھ اپنے زمانہ میں ذوقِ طبع اور خوش مذاقی کے لئے دور دراز ملکوں تک مشہور تھے۔ انہیں پھولوں، درختوں، جانوروں، تصویروں اور موسیقی سے بہت دلچسپی تھی۔

شاہی باغات کے مالیوں کے سردار کی بوڑھی آنکھیں اب درست کام نہ کرسکتی تھیں۔ اپنی جوانی میں بازو گجرے، گلدستے اور پھولوں کے زیور بنانے میں وہ سارے ہندوستان میں بے نظیر تھا۔ راجہ صاحب اسکے ساتھ قدردانی اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ اب اسکی جگہ اسکے ہنرمند بیٹے جگدیش نے لی تھی۔ جگوا بھی پھولوں کی صنعت میں اپنے باپ کی طرح مشہور ہوگیا تھا۔

راجہ رانی اور شاہی خاندان کے سب راجکمار و شہزادیاں اس مالی کی مالاؤں اور پھولوں کے زیوروں کو مسرت سے پہنتے۔ پھولوں کے دلفریب رنگوں کی آمیزش اور "جگوا" کی نئی نئی جدتوں کی دل کھول کر مداحی کرتے تھے۔ انعام بھی دیتے تھے۔

جگدیش نفیس مذاق و استادانہ صنعت کے علاوہ عجیب دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ اسکے چہرہ پر لطافت۔ نرمی کے ساتھ ساتھ گہرا وقار برستا تھا بھینچے بھینچے ہونٹ، بھرا ہوا ورزشی جسم اور آنکھوں میں کچھ لاپروائی کا انداز اسمیں سپاہیانہ شان پیدا کر رہا تھا۔ لیکن قسامِ ازل نے اسے مالی کا بیٹا بنایا تھا۔

شاہی خاندان کے مختلف انعام واکرام سے جگدیش مالامال ہوگیا تھا لیکن سب سے زیادہ بیش قیمت انعام وہ تھا جو گذشتہ سالگرہ پر راجکماری سرجیت نے عطا کیا تھا!

جشنِ سالگرہ کے موقع پر راجدھانی کے سارے کاریگر اپنی اپنی صنعتوں کے بہترین نمونے بطور تحفہ لائے تھے اور جے سنگھ سے منہ مانگا انعام لے کر رخصت ہو رہے تھے۔ راجہ جے سنگھ راجکماری کا جنم دن راجکمار کی پیدائش سے بھی زیادہ شاندار پیمانے پر مناتے تھے۔ یہہ انکی سب سے پہلی اولاد تھی اور ایسی مبارک قدم کہ اسے دیوی سمجھ کر پوجا بھی کرتے تھے۔ اسکی پیدائش کے بعد نہ صرف راجہ کو انکے کھوئے ہوئے علاقے ہی ہاتھ لگے بلکہ موسم بارش پیداوار اور لگان ہر چیز غیر معمولی طور سے حسب دلخواہ ہوتی گئی۔

جب کاریگروں کے سب عمدہ عمدہ نمونے پیش ہو چکے تو جگدیش بھی راجکماری کے واسطے پھولوں کا ایک دلفریب تاجِ گل لیکر تختِ سلطنت کے سامنے حاضر ہوا۔ تاج کی حیرت انگیز خوشنمائی پر راجہ جے سنگھ عش عش

کر رہے تھے کہ راجکماری سرجیت نے فرطِ مسرت میں آکر اپنے گلے سے انمول موتیوں کی مالا اتار کر شاہی مالی کے ہاتھوں کی طرف اچھال دی ۔ لڑکی کی اس فیاضی پر سارا دربار انگشت بدنداں تھا ۔

راجہ اپنی راجکماری کی بلند نظری پر پھولے نہ سمائے ۔ کہنے لگے " شاباش راجکماری " شاہی مالی کو شاہانہ انعام ہی ملنا چاہیئے تھا !!!

سرجیت شاہی باغ میں سہیلیوں کے جھرمٹ کیساتھ تفریح کو جاتی تھیں ۔ جگدیش کا دل راجکماری کی پایل کی جھنکار سُنکر دھڑکنے لگتا ۔ جب راجکماری مالی کو پھولوں اور کلیوں کے ہار، گلدستے بنانے میں مصروف پاتی تو چلبلے انداز میں ہنسکر کہتی " جگدیش تمہارے مضبوط ہاتھ تلوار کے دستے پر زیادہ موزوں تھے ۔ تمہاری انگلیوں کی لچک اور نزاکت پر مجھے سخت حیرت ہے، ایسے انوکھے ہار اور پھولوں کے زیور گوندھنا تو کسی سُندر مہ جبیں استری ہی کا حصہ ہوسکتا ہے، لیکن دنیا کی ساری نازنین عورتیں اگر تمام عمر بھی " جگوا " کی شاگردی کریں تب بھی اس صفائی سے ایک گجرا بھی نہیں گوندھ سکتیں !! " تعریف سُنکر جگدیش کے چمپئی چہرہ پر گلاب کھل جاتے ! وہ اپنی نظریں جھکالیتا ۔

سرجیت کی سہیلیاں بھی بلا کی چنچل تھیں ۔ وہ بھی ایک آدھ فقرہ کس دیتیں ۔ اور بیچارے مالی کو جھنجھلا دیتیں ۔

محل میں ایسا کوئی مرد و زن نہ تھا جسے سرجیت نے اپنی شوخیوں کا نشانہ نہ بنایا ہو ۔ !

— ۲ —
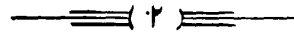
راجدھانی میں عنقریب بہت دھوم دھام ہونے والی تھی " سرجیت " " مہری نگر " کے بہادر راجکمار رام سنگھ سے بیاہی جانے والی تھی ۔ رعایا اس مبارک گھڑی کی بے چینی سے منتظر تھی ۔ رام سنگھ کی شہرت کا ڈنکا بجا ہوا تھا ۔ سرجیت دل ہی دل میں بہت خوش تھی کہ اسکا بَر کوئی ایسا ویسا معمولی راجکمار نہیں ہے سکھیاں رات دن ناچنے گانے میں مشغول تھیں محل میں دن عید، رات شب برات تھی ۔

آخر کار وہ مبارک گھڑی آن پہونچی جب دو عظیم الشان سلطنتوں کے مہمان اکٹھا ہو گئے ۔ شہر چراغانی سے دیوالی کی یاد دلا رہا تھا ۔ ہر طرف آتشبازیاں چھوٹ رہی تھیں ۔ سلطنت کا ہر بڑا کاریگر اور اہلِ ہنر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دلہن کے حضور میں نادر تحفے پیش کرتا اور انعام سے مالامال ہوکر واپس جاتا ۔

شادی بیاہ کے موقعوں پر سب سے زیادہ پھولوں، ہاروں، گجروں اور گلدستوں کی مانگ ہوتی ہے دور و نزدیک کے پھول والوں نے اپنے اپنے طرز کے خوشنما گُل دستے، گُل مالائیں، طرّے اور رنگ برنگ کے خوبصورت کنگن، گجرے اور پھولوں کے آرائشی زیورات بھیجکر شاہی محل کی رانیوں سے انعام وصول کئے تھے ۔ آج مالیوں کا سردار " جگوا " کہیں دکھلائی نہ پڑا تھا ۔ تعجب ہے کہ یہ ساری عمر کی محنت وصول ہونے کا دن تھا پھر بھی شاہی مالی آج خوشی کے موقع پر اپنا کوئی شاہکار نہ لایا ۔

راجکماری کو غصہ آنے لگا ۔ اس نے اپنے خاص مالی کے واسطے کوئی بہت ہی بیش قیمت انعام رکھ چھوڑا تھا ۔ باہر محفل میں رقص و سُرور کا شور تھا دولہا براتی اور راجہ جے سنگھ ہزاروں لاکھوں روپیہ لٹا رہے تھے ۔

راجکماری نے اپنی ایک خاص داسی سے چپکے سے کہا " سوشیلا جاؤ معلوم کرو ۔ جگدیش کی اس گستاخی کی وجہ کیا ہوسکتی ہے ؟ میری عقل تو کام نہیں کرتی کہ وہ اپنا انعام لینے کیوں نہ آیا ۔ شاید کسی نے اسے رنج پہنچایا ہے " ۔

سوشیلا سیدھی قدم بڑھاتی ہوئی شاہی ملازمین کے کمروں کی جانب روانہ ہوئی جو محل سے قریب تھے ۔ سب ہی ملازمین جشن میں شریک تھے اور یہاں سناٹا تھا ۔ سوشیلا نے " جگوا " کے کمرہ کا رُخ کیا اسکا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے مالی بیمار ہوگیا ہو ۔

کمرہ میں داخل ہوتے ہی ایک بستر نظر آیا جس پر جگدیش ساکت پڑا تھا ۔ سینہ پر راجکماری کا عطا کیا ہوا موتیوں کا بیش قیمت ہار تھا اور سرہانے تازہ پھولوں کے ڈھیر لگے تھے ۔ پاس ہی میں ایک خالی کٹورا نظر آرہا تھا شاہی مالی راجکماری کی جُدائی برداشت نہ کرسکا ۔ اور حق نمک ادا کردیا ۔ !

" وہ بھی باورا چاند سے پریت لگائے !! " ○○○

سُہا قادری حیدرآبادی

آہ! سنجے گاندھی

ہے موت سنجے گاندھی کی ہندوستاں کی موت
موت ایسے عندلیب کی اک گلستاں کی موت

یہ حادثہ فروغِ سیاست کی موت ہے
اک غمگسارِ قوم کی اک مہرباں کی موت

سالارِ کارواں یہ سرِ راہ چل بسا
یہ ناگہانی موت ہے، کُل کارواں کی موت

جس نے بڑھایا حوصلہ ہر نوجوان کا
مایوس اُن کو کر گئی اِس نوجواں کی موت

مرنے کے دن ابھی تھے کہاں اِن کے حسرتا!
یہ موت، اک اُبھرتے ہوئے نوجواں کی موت

نانا نے دیکھا ہو گا یہ منظر سُورگ سے
لختِ جگر کی، اور پسر کامراں کی موت

فیروز گاندھی کی بھی تڑپ اٹھی ہو گی رُوح
ہے اک عظیم سانحہ فخرِ جہاں کی موت

پھٹ جائے سینہ غم سے جو ماں کا ہے کیا عجب
نُورِ نظر و لختِ جگر، جانِ جاں کی موت

لیکن کمالِ ضبط کا ایسا مظاہرہ
ہے موت سینہ کوبی کی، آہ و فغاں کی موت

بھائی کو غم ہے ہمتِ بازو نہیں رہا
ہمدرد، ہم خیال کی، اس رازداں کی موت

بیوہ جوان بیوی کا ہوتا ہے اک غضب
اک عُمر بھر کے ساتھی کی اک پاسباں کی موت

معصوم بچے ہو گئے واحسرتا! یتیم
کیا داغ دے گئی پدرِ مہرباں کی موت

عبرت کا ایک درس ہے زندوں کے واسطے
دنیا میں چند روز کے اِس مہماں کی موت

ماں، بھائی اور بیوی کو توفیقِ صبر ہو
موت ایسے ہی عزیز کی ہے خانداں کی موت

تقسیم ماما ہوئی ہر فردِ مُلک پر
زندہ کروڑوں بیٹے ہیں اک مر گیا پسر

۲۰ سورج

بیس سورج چمک رہے ہیں آج
خار، پتے ہیں سب تر و تازہ
خوفِ صیاد ہے نہ فکرِ قفس
جن طلوں میں تھا موت کا سا سکوت
جنکے سینے چٹان جیسے تھے
جنکی تشنہ لبی مقدر تھی
ہمسرِ آسماں تھے جو کل تک
لعل و گوہر سمیٹنے والے

سارے چہرے دمک رہے ہیں آج
پھول، غنچے مہک رہے ہیں آج
سب پرندے چہک رہے ہیں آج
قلب اُنکے دھڑک رہے ہیں آج
کھیت وہ بھی لہک رہے ہیں آج
اُنکے ساغر کھنک رہے ہیں آج
وہ خلاء میں لٹک رہے ہیں آج
اپنا دامن جھٹک رہے ہیں آج

کل کے "خضرِ حیات" اے واحد
راستوں میں بھٹک رہے ہیں آج

واحد پریمی

باعثِ فخرِ وطن ہیں اندرا

ہر نفس یوں ضو فگن ہیں اندرا
قاتلِ ظلماتِ تخریب و فساد
واقفِ ہر منزلِ راہِ حیات
اک نئی تہذیب کی معمارِ نو
خیر خواہِ کاروبارِ خاص و عام
عزم و سعی و جہد کی تصویرِ خاص
جذبہ و جوش و طلب کا ذکر کیا
دلکشی جنت نشاں کشمیر کی
سربلندی میں قطب مینار کی
برگ و گل کو اب خزاں کا خوف کیوں
کیوں نہ ہم اہلِ وطن کو ناز ہو

جیسے شمعِ انجمن ہیں اندرا
امن کی روشن کرن ہیں اندرا
قائدِ قوم و وطن ہیں اندرا
دشمنِ طرزِ کہن ہیں اندرا
قدردانِ علم و فن ہیں اندرا
دورِ نو کی کوہکن ہیں اندرا
سر سے پا تک اک لگن ہیں اندرا
عظمتِ گنگ و جمن ہیں اندرا
تاج کا بھی بانکپن ہیں اندرا
جب نگہبانِ چمن ہیں اندرا
باعثِ فخرِ وطن ہیں اندرا

کیوں نہ ہو واحد ثنا خوانِ آجکل
ایک موضوعِ سخن ہیں اندرا

غزل

رونق دکنی سیمابی

وہ راز کب شعور کی گہرائیوں میں ہے
واضح جو ذہن و فکر کی سچائیوں میں ہے

وہ اشک خون جو حاصل ارب حیات ہے
مضمر نوائے چشم کی پنہائیوں میں ہے

اک جوشِ انبساط، باندازِ اختلاط
موجود صبح و شام کی انگڑائیوں میں ہے

ہے انتشارِ ذہن، تماشائے روزگار
یک جہتی نگاہ تماشائیوں میں ہے

تسخیر کائنات سہی، مایۂ حیات!
لیکن وہ شے جو درد کی پرچھائیوں میں ہے؟

تخلیق شعر ہے جو سراپا چمن نواز
خوشبو سی ذہن و فکر کی انگنائیوں میں ہے

کل تک جو شخص امن و سلامت کا تھا امیں
حیرت ہے آج کیوں وہ صف آرائیوں میں ہے

تفسیر درد ہے وہ کتابِ حیات کی
وہ اک چمک جو حسن کی رعنائیوں میں ہے

وقت کسی کی یاد ہے وجہ سکون دل
حاصل کسی کا قرب تو تنہائیوں میں ہے

احمد نگر کا قیدی

صابر کوسگوی
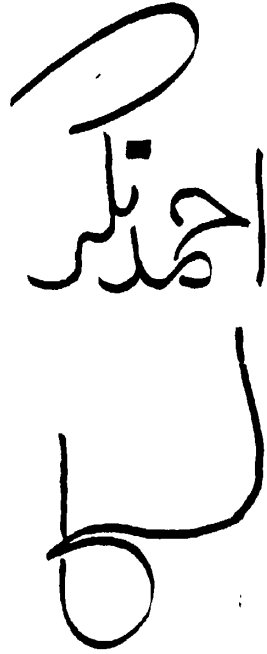
امام الہند
مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم
کی حریت پسند
روح کے نام

زنداں کے پٹ جھول رہے ہیں جھوم رہی ہیں زنجیریں
چوم رہی ہیں دستِ جنوں کو آزادی کی تنویریں

شمع دکھائی جس نے دلوں کو غم کی اندھیری راتوں میں
کھول کے جس نے سامنے رکھدیں حق و یقیں کی تفسیریں

سناٹے بھی کانپ اٹھے ہیں عزم جنوں کے نعروں سے
شورِ سلاسل میں پنہاں ہیں خوابِ جنوں کی تعبیریں

ضربِ جنوں سے زندانوں کے طوق و سلاسل چور ہوئے
خاک بداماں تدبیریں ہیں چاک بداماں تقدیریں

دیوانوں نے شور مچایا جینے کا حق مانگ لیا
زنجیروں نے اور بڑھائیں پاگل پن کی توقیریں

کس نے بہائے خون کے دریا کس نے چمن کو لوٹا ہے
جھانسی کی خونیں فضا میں لہرائی تھیں شمشیریں

شعلہ غم کا بھڑکا جائے ظلمتِ شب کے سینے میں
آگ میں ڈوبی تقدیریں ہیں خون میں ڈوبی تحریریں

دیوانوں نے شور مچایا، ویرانے بھی جاگ اٹھے
زندانوں میں دھوم مچی ہے ٹوٹ گئیں سب زنجیریں

خاکِ وطن کا ذرہ ذرہ پھول بھی ہے انگارا بھی
عزم جنوں کے ہاتھوں میں ہیں آزادی کی تعبیریں

غزل

سعید شہیدی

میرا غم ہو غمِ دوراں یہ ضروری تو نہیں
اُن کی زلفیں ہوں پریشاں یہ ضروری تو نہیں

سب پہ یکساں نہیں ہوتا اثرِ فصلِ بہار
چاک ہوں سب کے گریباں یہ ضروری تو نہیں

جس فسانہ کا ترے نام سے آغاز ہوا
اس فسانہ کا ہو عنواں یہ ضروری تو نہیں

اور بھی غم ہیں مرے دل کی تباہی کے لئے
ساتھ ہو گردشِ دوراں یہ ضروری تو نہیں

رفتہ رفتہ انہیں ہو جائے گا خود اندازہ
غم ہو چہرہ سے نمایاں یہ ضروری تو نہیں

ان کو فرصت نہ سہی موت تو آسکتی ہے
دن آئیں شبِ ہجراں یہ ضروری تو نہیں

سُن کے افسانہ نشیمن کی تباہی کا سعیدؔ
برق ہو جائے پشیماں یہ ضروری تو نہیں

قطعات

تابشؔ صدیقی

کیا ہے تونے بڑا کام اندرا گاندھی
بیاں کریں گے مورخ تری شجاعت کا
جو خواب دیکھ رہے تھے ہم ایک مدت سے
لباس تونے دیا ہے اسے حقیقت کا

○

کوئی جواب نہیں تیرا اندرا گاندھی
جو کام کر نہ سکا کوئی کر دیا تُو نے
صد آفریں تری جرات، ترے تدبر پر
کہ سارے دیش کو آغوش میں لیا تونے

○

جو عیش کرتے رہے بے کسوں کی محنت پر
وہ لوگ آج نظر آرہے ہیں مرتے ہوئے
زباں سے اپنی جو بوتے تھے بیج نفرت کے
وہ اپنے آپ سے بھی بولتے ہیں ڈرتے ہوئے

○

کبھی بھلا نہ سکے گا مورخ فرد
تجھے مقام ملا ہے بلند ہینوں میں
نکال کر تری جرأت نے دور پھینک دیئے
وہ سارے ناگ چھپے تھے جو آستینوں میں

شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی

ستم نے لوٹا، کرم نے لوٹا، الم نے لوٹا، خوشی نے لوٹا
قدم قدم پر سنبھل سنبھل کر کیا بہت صبر وضبط لیکن
کوئی بھی عالم ہو کوئی پہلو ہوا نہ ہم کو سکوں میسّر
انہیں کی ناکامی مقدر یہ شمع آنسو بہا رہی ہے
جنوں بھی اپنے نہ کام آیا، خرد بھی ہمکو نہ راس آئی
نہ حرف کوئی خزاں پر آیا، نہ دستِ گلچیں پر آنچ آئی
جنہیں لگا تھا اجل کا دھڑکا کہ مرنے سے مرقدوں میں سوئے ہیں

تمنائیں کس کس کے نام تم کو ہمیں تو مل کر سبھی نے لوٹا
متاعِ ہوش وخرد کو پھر بھی کسی کی جلوہ گری نے لوٹا
کبھی تری دشمنی نے مارا، کبھی تری دوستی نے لوٹا
جنہیں چراغوں کی روشنی میں چھپی ہوئی تیرگی نے لوٹا
کہیں ہمیں بیخودی نے لوٹا، کہیں ہمیں آگہی نے لوٹا
گلوں کو ذوقِ جنوں نے لوٹا، کلی کو خندہ زنی نے لوٹا
کہیں نہ چین آیا رازؔ ان کو جنہیں غمِ زندگی نے لوٹا

غزلیں

کمال جائسی

وحشتِ دل کو وہ نظر شہرتِ عام دے گئی
حُسنِ فریب کی کرن تلخیٔ شام دے گئی

شہرِ وفا میں جا بسی صبحِ تبسّمِ حسیں
فصلِ بہار کو مگر اذنِ خرام دے گئی

برگِ سکوت پر لکھے خوں سے جنوں کا ماجرا
مہکے ہوئے بدن کی رُت دل کو یہ کام دے گئی

شعلۂ تشنگی بجھا رنگ کے میکدے کھُلے
موجِ نسیم نو بہ نو پھولوں کا جام دے گئی

شوخیٔ دید سے خفا ہو گئی شانِ دلبری
دل کو نظر کو بددعا نام بہ نام دے گئی

بام پہ حسن کا سماں کیا کہوں کیا تھا شام
طاقِ شفق کو تابِ رخِ ماہ تمام دے گئی

سازِ جنوں کو چھیڑتی یاد کسی کی آئی تھی
فکرِ غزل کے واسطے طرزِ کلام دے گئی

فرضِ نیاز یوں ہوا محفلِ حسن میں ادا
میری نظر کو بیخودی رنگِ سلام دے گئی

اس کی نگاہِ شرمگیں بزم فراز تھی مگر
کوئی نہ یہ سمجھ سکا کس کو پیام دے گئی

میری غزل کی آبرو کچھ نہ سہی مگر کمالؔ
پھر بھی کسی کی برہمی دادِ کلام دے گئی

باسط نقوی

شہرِ دل، شہرِ وفا، شہرِ تمنا جیسے
اجڑا اجڑا سا ہے خوابوں کا جزیرہ جیسے

یہ شب و روز بدلتے ہوئے عنوانِ حیات
زندگی درد کا پُر ہول فسانہ جیسے

ہائے کس درجہ حسیں ہیں ترے گونگے الفاظ
خامشی کہتی ہے رنگین فسانہ جیسے

کوئی دیتا ہی نہیں اب درِ دل پہ دستک
یہ شہر لگتا ہے ویران سا صحرا جیسے

سوچتا ہوں تو ہر اک بات پہ آتی ہے ہنسی
زندگی ہو گئی اپنی بھی تماشہ جیسے

کارخانوں سے وہ اٹھتا ہوا کالا سا دھواں
اب بھی کہتا ہے کہ میں تانا و بانا جیسے

اور رہ رہ کے پگھلتا رہا باسطؔ کا وجود
وقت کی دھوپ میں جلتا ہوا سایہ جیسے
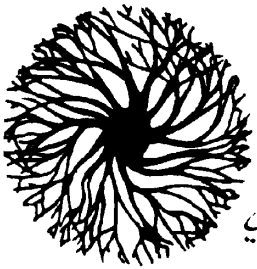
شاہد میر

تلاش جن کو کیا ہم نے لالہ زاروں میں
ملے وہ خون اگلتے ہوئے نظاروں میں

کہیں اماں نہیں اشجار کی قطاروں میں
بھٹک رہی ہے نظر زرد استعاروں میں

نہ لالہ زار نہ صحرا نہ کوہساروں میں
بسے ہیں خواب مرے جانے کن دیاروں میں

بڑا سکون ہے ماضی کی یادگاروں میں
اٹھو کہ لوٹ چلیں اپنے اپنے غاروں میں

کوئی ثبوت نہیں جن کے پاس جینے کا
شمار ان کا بھی ہوتا ہے جانداروں میں

کیا تھا گھر سے نکلنے پہ جب سے آمادہ
اسی سکوت کی یورش ہے رہگزاروں میں

ہوئے ہیں جا بجا روشن ترے بدن کے خطوط
اتر کے دیکھو کبھی میرے نظر پاروں میں

میرا آندھرا پردیش

نورالنساء تسکین

میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

سرزمین ہے الفت کی
باہمی مروت کی
پیار کی محبت کی

آبرو ہے بھارت کی میرا آندھرا پردیش
میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

شہر ہے شرافت کا
مرکز آدمیت کا
گڑھ ہے یہ اخوت کا

آبرو ہے بھارت کی میرا آندھرا پردیش
میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

خانۂ سحر ہے یہ
آشتی کا گھر ہے یہ
بھاگیہ نگر ہے یہ

آبرو ہے بھارت کی میرا آندھرا پردیش
میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

اس دیار کے باسی
اک چمن کے سب پنچھی
صدق دل سے سب بھائی

آبرو ہے بھارت کی میرا آندھرا پردیش
میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

شور و شر نہ ہنگامہ
یہ سکوں کا گہوارہ
یہ نگر ہے تسکیں کا

آبرو ہے بھارت کی میرا آندھرا پردیش
میرا آندھرا پردیش میرا آندھرا پردیش

عبدالمتین نیاز

مقدس زمین کو منظوم خراج عقیدت

اے ماں
اے دھرتی اے ماں

ذرہ ذرہ سونا تیرا، ندیاں ساگر، چاندی
تیری ممتا نے بخشی ہے کھیتوں کو ہریالی
تیرے تن سے لوگ نچوڑیں دنیا کی ہر مستی
تو نے سب کے دکھ پر وارے اپنے سکھ ارماں
اے دھرتی، اے ماں

ٹکڑوں میں بٹ کر بھی تو نے جیون گیت سنایا
اپنے لہو سے تو نے اپنے بیٹوں کو نہلایا
آزادی کے اجیالوں سے بھارت کو چمکایا
تو ہے ایک دیا کا ساگر سہتی سب طوفاں
اے دھرتی، اے ماں

تیرا سینہ چیر کے ہم نے پائے ہیرے موتی
تو نے ہمیں پہچان بنایا اس آدھونک یگ کی
تو ہے کرم کی شکتی ماتا تو شکتی کی جیوتی
تیرے آگے شیش نوایں محنت کش انساں
اے دھرتی، اے ماں

ہم تیرے ہونٹوں کو ہمیشہ امن ترانے دیں گے
دشمن کو پل بھر بھی نہ کوئی گھات لگانے دیں گے
تیرا دودھ ہے جب تک تن میں آنچ نہ آنے دیں گے
ہم تجھ پر واریں گے خود کو ہم ہوں گے قرباں
اے دھرتی، اے ماں

وقت کی آواز

جرار چھولسی

تفریق مذاہب کو مٹاؤ تو ہے اچھا
انساں کی عظمت کو بڑھاؤ تو ہے اچھا

پسماندگی کو اپنی مٹاؤ تو ہے اچھا
اس وقت سے کچھ فیض اٹھاؤ تو ہے اچھا

اب شکوۂ کوتاہیِ تقدیر کہاں تک
غفلت کی درازی کو مٹاؤ تو ہے اچھا

یہ وقت تمھیں پھر کبھی ہاتھ آ نہ سکے گا
اے اہلِ وطن ہوش میں آؤ تو ہے اچھا

اب کرنا ہے کیا کیا تمھیں سوچو تو خدا را !
جو ہو چکا وہ بھول بھی جاؤ تو ہے اچھا

نفرت کے کدورت کے محلوں کو اجاڑو
اب شہرِ محبت کو بساؤ تو ہے اچھا

مل جل کے بڑھو ہاتھ حکومت کا بٹاؤ
کام اپنے وطن کے اگر آؤ تو ہے اچھا

تقدیر کو الزام نہ دو ہوش میں آؤ
تدبیر کو مضبوط بناؤ تو ہے اچھا

یہ خود غرضی تم کو کہیں پھونک نہ ڈالے
بھڑکے ہوئے شعلوں کو بجھاؤ تو ہے اچھا

تم صبح کے بھولے ہوئے پھرتے ہو وطن میں
گھر لوٹ کے تا شام جو آؤ تو ہے اچھا

فرق اپنے پرائے کا مٹا ڈالو عمل سے
ہر ایک کو سینے سے لگاؤ تو ہے اچھا

اس وقت ضرورت ہے بہت یک جہتی کی
آپس میں تعاون جو بڑھاؤ تو ہے اچھا

لو تیز کرو مشعلِ ادراک و یقیں کی
اوہام کی ظلمت کو مٹاؤ تو ہے اچھا

کچھ بھی نہیں اک پیڑ ہی آنگن میں لگاؤ
یاد اپنی کوئی چھوڑ کے جاؤ تو ہے اچھا

زردار کو مزدور کے دامن کی ہوا دو !
زردار کو اب ہوش میں لاؤ تو ہے اچھا

پہلو میں امیروں کے غریبوں کو بٹھا دو
پستی و بلندی کو مٹاؤ تو ہے اچھا

ٹکراؤ تو ناداری و افلاس سے ٹکراؤ
خوشحالی کو سینے سے لگاؤ تو ہے اچھا

جرار غریبی کی جڑیں کھود کے پھینکو
محنت کو شعار اپنا بناؤ تو ہے اچھا

بشکریہ قومی راج بمبئی

ڈاکٹر اسد انصاری

اُردو کے ضربُ الامثال

اردو ہوکہ فارسی، عربی ہوکہ انگریزی، ترکی ہوکہ لاطینی، ہندی ہوکہ تلنگی، ہرزبان میں ضرب الامثال، پائے جاتے ہیں، ضرب الامثال وہ چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں جنکے ذریعے بڑے سے بڑے مفہوم کو ادا کردیا جاتا ہے۔

مضمون نگار، مقرر یا شاعر اپنے مضمون، تقریر یا شعر میں کسی ضرب المثل کو استعمال کرکے مافی الضمیر کے طویل سے طویل مفہوم کو مختصر سے مختصر الفاظ میں ادا کردیا کرتا ہے اگر یہ کہا جائے تو غالباً بیجا نہ ہوگا کہ ہر زبان کے ضرب الامثال اس زبان کی جان ہوا کرتے ہیں، اگر کسی زبان کے ضرب الامثال کو اس زبان سے خارج کردیا جائے تو بعض ایسے موقعوں پر جہاں وقت کم ہو اور گفتگو کے لئے زیادہ ساعتیں درکار ہوں بڑی دشواریاں پیش آجائیں گی۔

اردو کے ضرب الامثال کئی قسموں پر مشتمل ہیں، بعض ایسے ضرب الامثال ہیں جو غیر موزوں جملوں پر مشتمل ہیں، بعض ایسے ضرب الامثال ہیں جو موزوں ہونے کی وجہ سے مصرعے بن گئے ہیں، اور بعض ایسے ضرب الامثال ہیں جو ایک مکمل شعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے وہ ضرب الامثال پیش کئے جارہے ہیں جو غیر موزوں جملے ہیں

انگور کھٹے ہیں۔ اگلا گرا پچھلا ہوشیار۔ اللہ میاں کی گائے۔ اتنا غفیل۔ اتنا ماروں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔ پیٹ کے ہلکے۔ پیچھے سے ہتی جائے آگے سے رتی نہ جائے۔ ٹیڑھی کھیر۔ جب تک مٹھی بند ہے بھرم قائم ہے۔ چراغ تلے اندھیرا۔ چیونٹی کے پر نکل آئے۔ خلیل خاں فاختے اڑا چکے۔ خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کے دیتا ہے۔ خرگوش کو اسکی موت شیر کی طرف لاتی ہے۔ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔ دسترخوان کے بلاوڑ۔ دور کے ڈھول سہانے۔ دھوبی کا گدھا گھر کا نہ گھاٹ کا۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ ساجھے کی ہانڈی چوراہے پر۔ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ سو گز ناپوں ایک گز نہ پھاڑوں۔ طویلے کی بلا بندر کے سر۔ غریب کی جورو سب کی بھابی۔ قالین کے شیر۔ قاضی جی دبلے کیوں شہر کے اندیشے سے۔ کاٹھ کے اُلّو۔ کتے کی دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ کڑوا کریلا نیم چڑھا۔ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ کل کی مرغی سے آج کا انڈا بھلا۔ کسی کے دن بڑے تو کسی کی راتیں۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ گھر کے رئیس۔ گدّی پاٹ انڈے دیتی ساٹ۔ گلگلے کھاتے ہیں گُھی سے پرہیز ہے۔ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ مُلّا کی دوڑ مسجد تک۔ مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔ مفت کی ملے تو قاضی کو بھی حلال ہے۔ مر گئے مردود فاتحہ نہ درود۔ مرذہ دوزخ میں جائے کہ جنت میں یاروں کو اپنے حلوے مانڈے سے کام۔ نماز بخشوانے گئے روزے گلے پڑے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ ہرن کے ناخن لیجئے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔

اب ایسے ضرب الامثال پیش کئے جارہے ہیں جو مصرعوں کی شکل میں ہیں۔
اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی۔ آدمی آدمی میں انتر ہے۔ اکیلے دوکیلے
کا اللہ بیلی۔ ایک حمام میں سبھی ننگے۔ ایرے غیرے نتھو خیرے۔ آنکھ کا
اندھا گانٹھ کا پورا۔ آدمی سا بکھیڑ کوئی نہیں۔ اری ترا کُلّا نبی صاحب کا جُلّا۔
اندھا کیا چاہتا ہے دو آنکھیں۔ ابھی آپ کے دودھ کے دانت ہیں۔ ابھی فتنہ
ہے کوئی دن میں قیامت ہوگی۔ آنکھ سے اوجھل نہ ہوجائے کہیں نور نظر۔
اُلّو کی دم فاختہ منہ لال کلیجہ کانپتا۔ اپنی عادت نہیں برائی کی۔ بات پر بات یاد
آتی ہے۔ بولتا ہے جب تلک ہے بولتا۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔ بس ہوچکی
نماز مصلّا اٹھائیے۔ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ بازو کاٹے نام ہو تلوار
کا۔ بلّی بھی چوہے مارتی ہے پیٹ کے لئے۔ پیت کی ریت ہی نرالی ہے۔ پہلے
گھر میں تو پیچھے مندر میں۔ پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے۔ تم آگ لینے
آئے تھے کیا آئے کیا چلے۔ تدبیر کے پر جلتے ہیں تقدیر کے آگے۔ تو گور کھود میری
میں گاڑاؤں تجھکو۔ جوگی جگت جانے نہیں کپڑے رنگے تو کیا ہوا۔ جو اس پر
بھی نہ سمجھے وہ تو پھر اس سے خدا سمجھے۔ جونک ماٹی میں رہے بھی تو لہو پیتی ہے۔
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ چشم بددور آنکھیں موتی چور۔ چیل کے گھونسلے میں
ماس کہاں۔ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری
رات ہے۔ چلا جب چال کوا ہنس کی اس کا چلن بگڑا۔ خدا نے زبان ایک دی
کان دو۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔ خاکساری کے سوا بندہ کے گھر خاک نہیں۔
خدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے
والے میں۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔ ذوق میں شوق نفع میں لڑکا۔ رسّی
تمام جل گئی پر بل نہیں گئے۔ زاہد کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں۔ سدا ناؤ کاغذ کی
چلتی نہیں۔ شام کے مردے کو کب تک روئیے۔ شمع کی پشت و رو برابر ہے۔
صبر کی داد ہے خدا کے ہاتھ۔ صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں۔
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے۔ قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔
کبتک چھپیگی کیری توپتوں کی آڑ میں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ کاٹو
تو لہو نہیں بدن میں۔ کسی کا گھر جلے اور کوئی تاپے۔ کہیں خیر وخوبی کہیں ہائے ہائے

کون ہر روز اتالیق کو سمجھائے گا۔ کام پیارا ہے نام پیارا نہیں۔ گرتے ہیں شہسوار ہی
میدان جنگ میں۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ گل گئے گلشن گئے جگ میں مقوڑے
رہ گئے۔ گر گئے دانت آم کھانے کے۔ لاکھ سر پیٹئے کوئی بھی وقت تو ملتا نہیں۔
لنگڑی گھوڑی مسور کا دانہ۔ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں۔ مقابلہ تو دل
ناتواں نے خوب کیا۔ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔
منہ سے نکلی ہوئی پرائی بات۔ میں تو ڈوبونگا مگر تجھکو بھی لے ڈوبونگا۔ نہیں محتاج
زیور کا جسے خوبی خدا نے دی۔ ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا۔ وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت
نہیں رہی۔ وہ دل نہیں رہا کہ ہمیں جس پہ ناز تھا۔ وہ الگ باندھ کے رکھا ہے
جو مال اچھا ہے۔ ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے۔ ہزار آفتیں ہیں
ایک دل لگانے سے۔ ہم تو مرشد تھے تم ولی نکلے۔ ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔
ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے۔

اب وہ ضرب الامثال پیش کئے جاتے ہیں جو اشعار کی شکل میں ہیں یا کثرت
استعمال سے زبان زد عوام ہوکر ضرب المثل کا مقام حاصل کرچکے ہیں۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔
آدمی بنتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد۔ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے
بعد۔ آہ کو چاہئیے اک عمر اثر ہونے تک۔ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔
اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی۔ اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
آدمی پہچان لیتے ہیں قیافہ دیکھکر۔ خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھکر۔ آگاہ اپنی
موت سے کوئی بشر نہیں۔ سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں۔ آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے
رہ گئے۔ صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا۔ انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے
اٹھا کے ہاتھ۔ دیکھا جو مجھکو چھوڑ دئیے مسکرا کے ہاتھ۔ اب تو آرام سے گذرتی
ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے۔ مر کے
بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔ ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق۔
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔ ایک سے جب دو ہوئے تو لطف یکتائی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں۔ الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی
ہوں بےقرار۔ دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی۔ اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف
سراسر۔ آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے۔ آپ نے خوب قدر دانی کی۔ اب بھی

پوچھا تو مہربانی کی۔ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق۔ نوحہ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی۔ اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں۔ تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل۔ ابن مریم ہوا کرے کوئی۔ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی۔ بُرا کہے جسے دنیا اسے بُرا سمجھو۔ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا۔ آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا۔ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا۔ بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب۔ تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں۔ برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن۔ جوانی کی راتیں مُرادوں کے دن۔ بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے۔ ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے۔ پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔ پڑھیں فارسی بیچیں تیل۔ دیکھو یہ قدرت کے کھیل۔ پہلو کے داغ جل اٹھے سینے کے داغ سے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ پڑھوگے لکھوگے تو ہوگے نواب۔ کھیلوگے کودوگے تو ہوگے خراب۔ پی بھی لے زاہد جوانی میں شراب۔ عمر بھر ترسے گا اس سن کے لئے۔ تم سلامت رہو ہزار برس۔ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار۔ تاکہ مشہور رہوں ہزاروں میں۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔ تنگدستی اگر نہ ہو سالک۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تم ہو ہرجائی تو اپنا بھی یہی طور سہی۔ تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ تمام عمر ترا انتظار کرلیتے۔ مگر یہ رنج رہے گا کہ زندگی کم ہے۔ ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو۔ کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو۔ ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملینگے کسی سے ہم۔ پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم۔ جس دل پہ ناز تھا ہمیں وہ دل نہیں رہا۔ یہ دل کہیں لگانے کے قابل نہیں رہا۔ جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی۔ اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو۔ جیحو ندر لگائے چنبیلی کا تیل۔ عجب تیری قدرت عجب تیرے کھیل۔ چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد۔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔ خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے۔ خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو۔ یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو۔ در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں۔ دل کے آئینے میں ہے تصویر یار۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔ مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں۔ حسن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا۔ کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگیں جو پنہاں ہوگئیں۔ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔ عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے۔ صفائی عجب چیز دنیا میں ہے۔ صفائی سے بہتر نہیں کوئی شئے۔ غضب کیا تیرے وعدے کا اعتبار کیا۔ تمام رات قیامت کا انتظار کیا۔ فانوس بن کے جسکی حفاظت ہوا کرے۔ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے۔ قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں۔ رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن۔ کتنے شیریں ہیں ترے لب کے رقیب گالیاں کھاکے بے مزہ نہ ہوا۔ کیا ملا عرضِ مدعا کرکے۔ بات بھی کھوئی التجا کرکے۔ مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے۔ نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن۔ بہت بے آبرو ہوکر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔ وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے۔ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے۔ ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی۔ اف تیری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی۔ ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے۔ تمہیں بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے۔ یار آرام میں ہے وصل کی شب آخر ہے۔ متحیر ہوں کہ بیدار کروں یا نہ کروں۔ یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو۔ جب میں جانوں کہ میرے بعد میرا دھیان رہے۔ یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور۔ اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے۔ عشق نے غالب نکما کردیا۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے۔ فلک دیتا ہے جنکو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں۔ جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں۔ نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو۔ کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے۔ ناز ہے طاقت گفتار پر انسانوں کو۔ بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو۔ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی۔ اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی۔ یا میرے مولا میری حاجت روائی کیجئے۔ یا علی مشکل کشا مشکل کشائی کیجئے

تعارف و تبصرہ

مبصر
وقار خلیل

***

نئی مطبوعات

فکر اقبال کا تدریجی انقلاب

مصنف : سردار احمد ۔ کراون 1/16 سائز مجلد صفحات : ۱۳۶
قیمت : دس روپے ۔ ناشر : ایجوکیشنل بک ہاؤس نگری ۔ جھاؤ لال کا پل ۔ لکھنؤ
مصنف کا پتہ : اردو لکچرار ۔ اسلامیہ کالج ۔ اٹاوہ (یوپی)

شاعر مشرق علامہ اقبال کی عظیم شخصیت، فلسفہ اور فکر و فن کے روشن گوشوں پر اردو ہی نہیں دنیا کی کئی بڑی زبانوں میں مقالے اور کتابیں لکھی گئی ہیں "اقبالیات" اردو ادب کا ایک گوشہ بن گیا ہے۔

اسرار احمد، اتر پردیش کے قلم کار اور اردو کے استاد ہیں۔ ان کی چند تصانیف میں تنقیدی مضامین کے مجموعے جانچ اور پرکھ کے علاوہ حاجی وارث علی شاہ کی حیات مقدس پر کتاب "دانائے راز" اور شکسپیئر کی چند معروف کہانیوں کے تراجم شامل ہیں۔

اسرار احمد نے زیر نظر کتاب کے ذریعہ اقبال شناسی کی سعی مشکور انجام دی ہے۔ وحدت الوجود کے باب میں اقبال کے ذہنی و فکری رویہ اور ارتقاء کو فاضل مصنف نے انکی مستند سوانح ذکر اقبال اور کلام کی روشنی میں سمجھانے میں تجسس اور دقت نظر کا ثبوت دیا ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور ڈاکٹر قمر رئیس نے بھی ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ اسرار احمد کا یہ مطالعہ اقبال شناسی کے باب میں وقیع کارنامہ تو نہیں ٹھہرتا۔ یہ بھی کیا کم ہے کہ اس سیدھے سادے طریقہ پر انہوں نے اقبال کو سمجھا اور سمجھایا ہے

خاکِ انا (شاعری)

راشد آذر ۔ ڈیمائی سائز 1/8 مجلد معہ خوبصورت ڈسٹ کور ۔
صفحات ۱۰۴، قیمت ۱۰ روپے ۔ ناشر : نزاد کتاب گھر ۱۷۳، معظم پورہ حیدرآباد ۔ مصنف کا پتہ : "تمنا" راج بھون روڈ، حیدرآباد ۔ ۵۰۰۴۸۲ ۔

حیدرآباد کو اردو شعر و ادب کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ محبت اور محنت کے اس شہر آرزو کی نہاد میں صحت مند ادبی، تہذیبی اور تاریخی روایات اور گنگا جمنی کلچر کی اقدار شامل ہیں، ڈاکٹر زور، مخدوم، جامی، سلیمان اریب، شاذ اور مغنی تبسم ایسے کتنے ہی قدیم و جدید اسلوب کے نمایندہ دانشوروں نے اردو شعر و ادب کو حیدرآباد میں روشن رکھا۔ راشد آذر اسی سلسلۂ رنگ و نور کے باشعور اور دانشورانہ ادراک و ذہن رکھنے والے سخنور ہیں۔ راشد کا زیر نظر تیسرا شعری مجموعہ انکی انا اور دانش کا مرقع ہے۔ آذر نے حساس دل و دماغ پایا ہے۔ انکی ستھری اور عطر بیز شخصیت میں روایت کا حسن اور بغاوت کی خوبو اپنا انمٹ تاثر چھوڑتی ہے۔ علم شعر اور ابلاغ کے فن پر انکی صائب نظر قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے، راشد آذر کی نظموں

لوں میں فانی زندگی کا کرب، چاہتوں کے گلاب، ارتقائی رہگزر، محبت
نت کے رموز، جدوجہد کے نقوش اپنے اظہار اور اسلوب کی انفرادیت
مث چونکاتے اور متاثر کرتے ہیں۔ فانی کے بعد راشد ہی وہ نیاز من ہیں
ں نے عصری حیثیت کو بروئے کار رلاتے ہوئے تقدیس غم کی اشاریت
غ سے ہمکنار کیا ہے۔ غم کو زندگی کا اثاثہ بناتے کا ہنر راشد کی غزلوں
ں میں ادھر چند سال سے نمایاں نظر آرہا ہے "خاکِ انا" کی ایک غزل
، کے اظہار کے لئے کافی ہے ؎

یوں ادھورا مجھے چھا ہا نہ کرو	رات رہنے دو، سویرا نہ کرو
پھر کوئی زخم نہ تازہ ہوجائے	ٹانکے اِس طرح اُدھیڑا نہ کرو
وسوسے دل میں بہت آتے ہیں	تم اِس انداز سے سوچا نہ کرو
آنچ پاتے ہی سلگ جاؤں گا	تم مجھے اِس طرح دیکھا نہ کرو
ساتھ چھوٹا تو کہاں جاؤ گے	ایسی باتیں کبھی پوچھا نہ کرو
میں بھی ماضی نہ کریدوں اپنا	تم بھی اس بات کو چھیڑا نہ کرو
میں ہوں آذر، یہ مرا منصب ہے	تم مرے بُت کو تراشا نہ کرو

آذر نے رسم و رہِ دوستی نبھانے کی حکایت کو تابع نظر سے رقم کیا ہے
یدۂ نمناک سے بعد احتیاط ایک ایک نظم اور غزل کا مصرعہ وقارِ صداقت
ظ رکھکر بیاض سخن خاکِ انا کا حصہ بنایا ہے۔ ۲۳ غزلوں اور ۱۴ نظموں پر
ں اس کتاب میں اپنے حوصلہ، وضع داری، سلوکِ یاراں، عشرت غم اور حریم دانش
سودگی کے لمحات کو دوام بخشنے کا منصب بطریقِ احسن ادا کیا ہے۔ "خاکِ انا"
د آذر کی شخصیت اور فکر و فن کا عطر مجموعہ ہے اور اچھا شعری ادب پڑھنے
ں کے لئے بیش قیمت ادبی تحفہ بھی۔ ○○○○○○○

تنہائی زادے (شاعری) شفیع اللہ خاں راز اٹاوی

ت مجلد، روپے صفحات (۱۹۲)

ے کا پتہ: شیونرائن کالج۔ کڑہ پردل خاں (اٹاوہ) یوپی/
اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ۔

غزل کی کلاسیکی اقدار نے دبستانِ لکھنؤ کے روایتی اور حسن و ترنم کے شعبوں میں ارتقائی منزلیں طے کیں۔ زیرِ نظر شعری مجموعہ جس کا غیر شاعرانہ نام "تنہائی زادے" ہے دبستانِ سیماب کے قادر الکلام سخنور شفیع اللہ خاں راز اٹاوی کی شریفانہ فکر سخن کا گلدستہ ہے۔ اِس انتخاب میں جسے یوپی کی اردو اکیڈمی کی اعانت حاصل ہے (۱۴۹) غزلیں اور ۶۶ رباعیاں مطبوع ہوئی ہیں۔

راز اٹاوی خوش فکر اور پُرگو شاعر ہیں، انکی غزلیہ شاعری زبان و بیان کی سلاست اور محاورہ بندی کی لطافت سے عبارت ہے۔ ڈاکٹر بشیر بدر نے لکھا ہے کہ "وہ زندگی میں خیر و برکت کے متلاشی ہیں، مثبت قدروں، اعلیٰ انسانیت اور وسیع محبت اور باہمی تعاون کو زندگی کے لئے بنیادی اقدار سمجھتے ہیں، انکی غزلوں اور رباعیوں میں زندگی آمیز تصورات کا دلکش امتزاج ملتا ہے۔"
نشور واحدی نے بھی انکی غزلوں کو زبان و بیان کا خوبصورت اظہار قرار دیا ہے۔

لہجے کی پختگی، غزل کی روایات کا احترام، اقدارِ حیات کا پاس و لحاظ یا تہذیب کی مہک اور مسائل کا ادراک راز کی فکر سخن کو آئینہ دکھاتا ہے۔ چھوٹی بحروں میں جو غزلیں شائع ہوئی ہیں وہ اپنا گہرا اثر پڑھنے والے پر چھوڑتی ہیں۔ راز کا لہجہ عمومی غزل گو شاعروں کا سا ہے۔ ندرتِ فکر اور بے نہایت طور پر جی میں اترنے والے نئے انداز کے شعر ان کے اِس مجموعہ میں قال قال ہی ملے۔ رباعیوں میں فراق کی سی جھنجھناہٹ اور حرکت کا فقدان ہے۔ سیدھے سادھے اور فوٹو گرافک طریق کی رباعیاں راز صاحب نے لکھی ہیں۔ ذرا پرانے طریقے کی شاعری پڑھنے والوں اور زبان و بیان کی صحت پر نظر رکھنے والوں کے لئے یہ مجموعہ ذائقہ دار ٹھہرتا ہے۔ یہ چند شعر مشتے از نمونہ کے مصداق نقل کئے جارہے ہیں ؎

نکہتِ گُل بھی بارِ خاطر ہے	کتنا نازک ہے آدمی کا مزاج
مسکرانے لگی اجل اے راز	ہم نے پوچھا جو زندگی کا مزاج

آپ نظریں بدلتے رہتے ہیں	اس طرح دوستی نہیں ہوتی
دوستو، آؤ اور گلے لگ جاؤ	عمر بھر دشمنی نہیں ہوتی

ایک رباعی ملاحظہ ہو ؎

باطل کے اندھیروں سے حقیقت نکلی	تقلید کی وادی سے عقیدت نکلی
کورانہ عقائد کے جو پردے اٹھے	ہنستی ہوئی قبروں کی تجارت نکلی

○○

اتر پردیش کو گنگا اور جمنا کے دوآبہ نغمہ و شعر کا مرکز کہا گیا ہے۔

ఆంధ్ర ప్రదేశ్ ప్రభుత్వం
APH
584
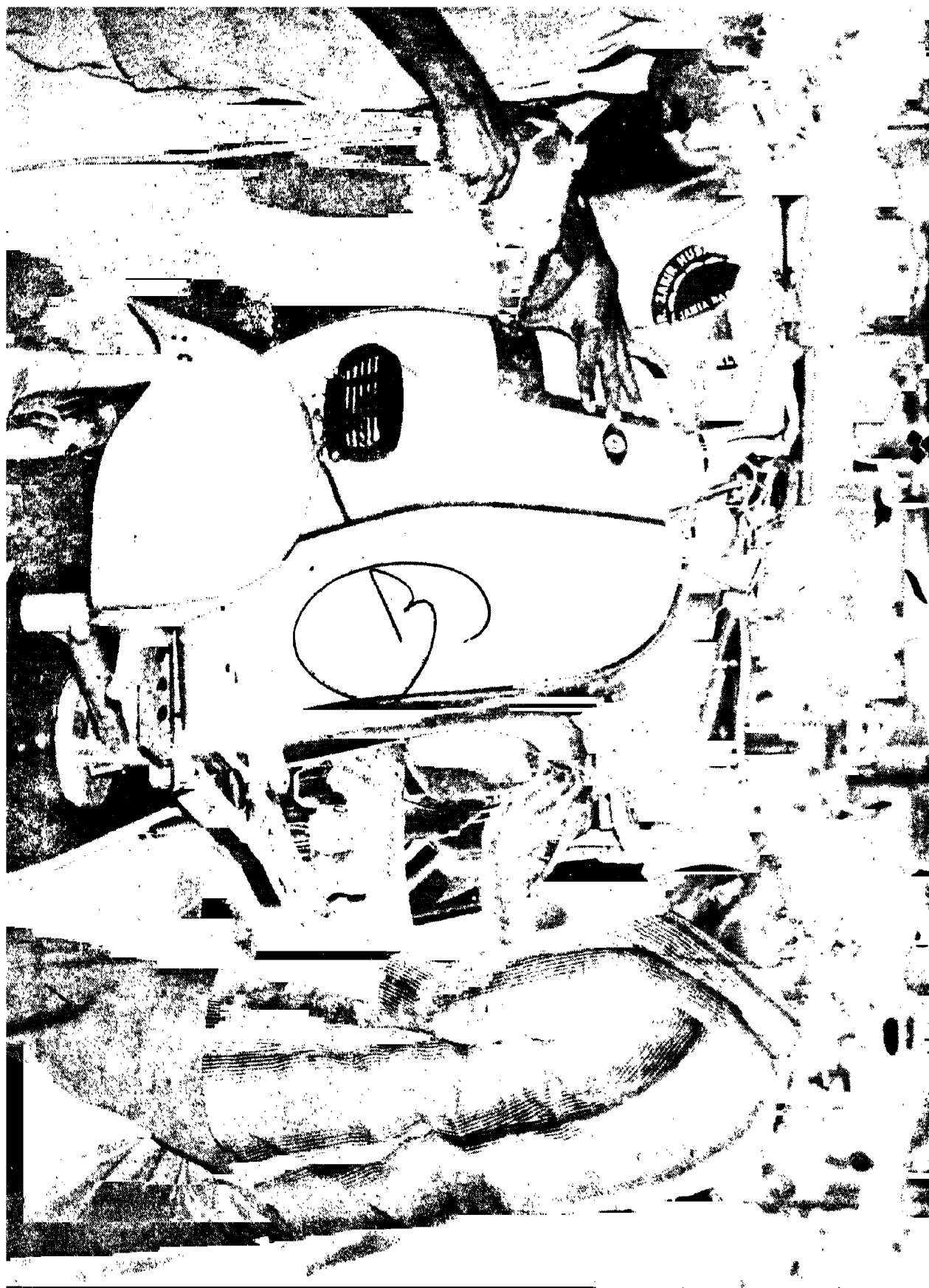
ماہنامہ آندھرا پردیش (اردو)

ایڈیٹر : ملک محمد علی خان

ماہ اگست سنہ ۱۹۸۰ء • شراون - بھدرا سنہ ۱۹۰۲

جلد : ۲۵ • شمارہ : ۵

سرورق کا پہلا صفحہ : اے - پی اسکوٹرس

سرورق کا دوسرا صفحہ : آندھرا پردیش میں خود روزگار اسکیم کے تحت تربیت پانے والے
(فوٹو شری کے - جگدیشور راؤ)

سرورق کا تیسرا صفحہ : اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور واکنڈا برانچ کی جانب سے فراہم کردہ
مالی امداد کے ذریعے اور واکنڈہ میں کمزور طبقات کے لئے بھیڑوں
کی یونیٹیں منظور کی گئیں (اور واکنڈا ضلع اننت پور)

سرورق کا چوتھا صفحہ : قبائلی خاتون (فوٹو شری کے - جگدیشور راؤ)

اس شمارہ کے تعلق سے اپنی رائے ضرور تحریر کیجئے (ادارہ)

خط و کتابت کا پتہ

ایڈیٹر "آندھرا پردیش (اردو) گرھا کلپا کامپلکس
(چھٹی منزل) مکرم جاھی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے-پی)

آندھرا پردیش (اردو)

زرسالانہ : ٦ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں ہے
زرسالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے

ترتیب

صفحہ نمبر

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا

محمد رضی الدین معظم

اور آج پھر ۱۵ اگست ہے

قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں افراد کی جو خصوصیت ہوتی ہے وہی قوم کا مزاج بن جاتی ہے۔ ہر فرد افراد کے مقابلہ میں برتری کا متمنی ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح قوم بھی دوسری اقوام کے مقابلہ میں برتری و سیادت کی خواہشمند ہوتی ہے۔

یہ ایک ایسی خواہش ہوتی ہے کہ جو نہ افراد کے قلب و دماغ سے محو کی جا سکتی ہے نہ قوموں کے مزاج سے خارج ہو سکتی ہے یہی خواہش برتری ہے جو عظیم ترین جنگوں اور اقوام کی غلامی کا باعث ہوتی ہے۔

آدمی ہمیشہ اس سعی میں مصروف ضرور رہا ہے کہ ان بڑی بڑی جنگوں کو روکا جا سکے جو ایک عام تباہی کا باعث ہوتی ہیں لیکن ابھی تک اس پر قابو نہیں پا سکا۔ آدمی جیسے جیسے مسائل حیات میں ترقی کرتا جا رہا ہے ویسے ہی ویسے جنگی تباہ کاریاں بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔ ہمیں میکڈوگل کا یہ قول مان ہی لینا پڑے گا کہ "انسان ترقی ہی اسلئے کرتا ہے کہ وہ لڑائیاں لڑتے رہے۔"

جنگ ہمیشہ امن کے نام پر لڑی گئی ہے۔ لیکن حقیقتاً اقوام کی اپنی خواہش برتری جنگوں کا سبب ہوئی ہے۔! انسان اپنی ذات کے بارے میں انتہائی متعصب واقع ہوا ہے۔ رقابت، جھگڑا، سابقت، اقتدار کی خواہش اس کی فطرت کا جزو ہے اور اقوام کے مزاج میں بھی یہی جذبات و خواہشات ملے جلے ہیں۔

انسانی ذہن اپنے علم و تجربہ میں روزانہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ ہم جو آج جانتے ہیں کل نہیں جانتے تھے، اور جو کچھ بھی آج ہمیں جان رہے ہیں اسے کل جان لیں گے یہی علم و تجربہ ہے جس کی ترقی کو ہم انسانی ترقی کہتے ہیں۔ ورنہ آدمی کے بنیادی جبلات و جذبات جو کچھ کل تھے وہی آج بھی ہیں اور آئندہ بھی وہی رہیں گے۔ آدمی علم و تجربہ میں جیسے جیسے آگے بڑھ رہا ہے اس کا ذہن اسی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے اگر ہم قبل تاریخ کے کسی آدمی کو آج

مہیا کرسکیں تو وہ یقیناً آج کے آدمی کے مقابلہ میں اتنا زیادہ سادہ ہوگا کہ ہم اسے "غیر انسان" سمجھنے پر مجبور ہوں گے۔ پہلے آدمی کے مسائل اتنے پیچیدہ نہیں تھے پہلے آدمی کی ضروریات اتنی زیادہ نہیں تھیں جتنی آج کے آدمی کو ہیں۔

افراد ہوں یا اقوام ——— ان کی تمنائے برتری مختلف لباسوں اور نقابوں میں چھپی ہوئی ہے ہندوستان میں بسنے والی ماضی کے اقوام بھی کسی نہ کسی نوع سے اسی برتری کی تمنا میں ایک دوسرے سے دست گریباں تھیں۔

یہی کمتری و برتری کے جذبات تھے جو انگریزوں اور ہندوستانیوں کی آویزش اور پھر دونوں میں جنگ و فساد کا سبب بنے۔ ان سطور میں اسکی گنجائش نہیں ہے اور نہ اسکی تفصیل کی چنداں ضرورت ہے کہ اس پر کوئی گفتگو کو دہرایا جائے کہ انگریزوں نے ہمارے نفوس کو کس طرح متاثر کیا تھا۔

برصغیر میں بسنے والے ہندوستانیوں نے حالات و واقعات کی روشنی میں محسوس کرلیا تھا کہ وہ متحد ہوکر ہی ہندوستان میں رہ کر آزادی کے بغیر انگریزوں کی تمنائے برتری پر غالب نہیں آسکتے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں حقیر و کمتر بن کر رہنا پڑے گا۔ اگر ہندوستانیوں کے سامنے ان کا شاندار ماضی نہ ہوتا یا وہ طاقت میں بہت زیادہ کمزور ہوتے تو وہ عام انسانی فطرت کے مطابق "اطاعت پذیری" اختیار کرلیتے یا پھر غلبہ و سیادت کے کچھ دوسرے راستے ڈھونڈھتے لیکن ایسی صورت میں کہ انہیں اکثریت حاصل تھی اور وہ خود کو برتر سمجھنے کے عادی تھے ——— آسان صورت میں یہی تھی کہ وہ علٰحدگی کا مطالبہ کریں!

آزاد ہند بظاہر ہندوستانیوں کی فتح اور انگریزوں کی شکست تھی فطرتاً انگریز علٰحدگی کا مخالف تھا، اس مخالفت نے جذبات کو ہوا دی اور عام ہندوستانی جذباتی طور پر ہندوستان کے طالب ہوگئے ——— اور ہندوستان آزاد ہوگیا۔

جب دو آدمیوں یا دو اقوام میں اس نوعیت کے جذباتی جھگڑے پیدا ہوجاتے ہیں تو علٰحدگی ہی بہترین علاج ہوتا ہے۔

اگر قتل و غارت گری آزاد ہند کے لئے عام نہ ہوجاتی تو آج برصغیر ہمیشہ کے لئے غلامی کے بندھنوں میں جکڑ جاتا ——— یہ جو کچھ بھی ہوا یہی برتری کا جذبہ تھا جس نے آدمی کی خوئے فساد کو بھڑکایا تھا ورنہ ذاتی طور پر نہ کوئی ہندوستانی کسی انگریز کا دشمن تھا نہ انگریز کسی ہندوستانی کا!

جب کسی قوم یا فرد میں یہ احساس پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ دوسرے افراد یا اقوام اسے کمتر سمجھ رہے ہیں تو اس کی بعض دبی ہوئی وحشی عادتیں عود کرآتی ہیں۔ اس کا غصہ بیدار ہوجاتا ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے ہنگامے اور انقلاب پیدا ہوتے ہیں وہ مرنے مار ڈالنے مٹنے اور مٹا دینے پر تل جاتی ہے ——— !

جب تک نفسیں اتنی ترقی نہ کرالیں کہ آدمی کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ ان جذبات و جبلات کا رُخ بدل دیا جائے اس وقت تک یہ ہنگامے مٹائے نہیں جاسکتے ——— ہمیں انسان کے مستقبل سے قطعاً کوئی مایوسی نہیں لیکن شاید انسان سے یہ جذبات کبھی خارج نہ کئے جاسکیں گے کہ اسی پر ساری انسانی ترقی کا مدار ہے! البتہ یہ ہونا ہی چاہیے کہ ان جذبات کا دھارا "شر" کی طرف نہ بہے اور "خیر" کیلئے کام میں آئے۔

ہمارے قائدین کو عہد انگریز میں اس کا موقع ہی نہ ملا تھا کہ وہ اپنے عوام کی صحیح ذہنی و جذباتی تربیت کرسکتے۔ ان کو یقین تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ انگریزوں سے چھٹکارا پائے بغیر وہ اپنے لوگوں کو انسانیت کی بلندی پر نہیں لے جاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ذہنی و جذباتی تربیت سے زیادہ توجہ طلب آزادی پر دی اور آزادی حاصل کرلی ———! اب آزادی کے بعد قائدین کا کام ہے کہ وہ اپنے عوام کو اس بلندی تک لے جائیں جس کا خواب طلبگاران آزادی نے دیکھا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے ہندوستان حاصل کرلیا، اب اسے قائم رکھنا تمہارا کام ہے" یقیناً قائد قوم راشٹر پتا مہاتما گاندھی اپنا فرض

پورا کر چکے اب ہندوستان کا قائم رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو موجود ہیں۔ ——— اور آج پھر ۱۵ اگست ہے اسی دن ہمارا ملک دنیا کے نقشہ پر ایک آزاد مملکت بن کر ابھرا تھا۔ دنیا کی عظیم مملکت ——— ہندوستان ! ہندوستان بنے ہوئے ۳۳ سال کی طویل مدت گذر گئی۔

یقیناً کسی قوم کی تعمیر و احیا کیلئے یہ اہم زمانہ ہے ہمارے سامنے ایسی حکومتیں اور ایسی اقوام موجود ہیں جنہوں نے انتہائی قلیل مدت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے اگر ہمارے قائدین چاہتے تو اس مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے۔

ہمارے ارباب اقتدار ہر سال عوام کے سامنے اپنی کارگزاریوں کی ایک فہرست پیش کر دیتے ہیں اور پھر ایک مختصر سے جملے کے ساتھ قوم کو مطمئن کر دیتے ہیں۔ ہم نے اس تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کیا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی اس حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں کہ اس "بڑی مدت" میں انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا ——— !

آج بھی ہماری زراعت و صنعت اسی طرح سر برہنہ چیخ رہی ہے
آج بھی ہمارے بچے تعلیم سے محروم ہیں
آج بھی ہم پر افلاس اسی شدت سے مسلط ہے
آج بھی ہم اسی طرح تباہ حال ہیں
آج بھی وقت بر وقت فسادات بپا ہوتے رہتے ہیں
آج بھی ہمارے ملک میں جرائم کی اسی طرح بھرمار ہے
آج بھی ہم اسی طرح دواؤں سے محروم ہیں۔

سچ پوچھئے تو ہمارے عوام کی جو ذہنی و جذباتی تربیت ہونی چاہیئے تھی وہ بالکل نہیں ہو رہی ہے۔

انگریزی عہد میں اگر ہمارے عوام کو صحیح تربیت نہیں دی گئی یا نہ دی جا سکی تو کوئی شکایت نہیں لیکن اگر اب بھی ہمارے عوام اسی نوع کی زندگی گزاریں تو آزادی کا مصرف اور آزاد ہندوستان کا حاصل ——— ؟ آج ہمارا اہم ترین مسئلہ روح قومی کی بیداری ہے ——— جس کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ ! اگر ہم میں شعور قومی بیدار ہوتا، اگر ہم میں عزت نفس موجود ہوتی، اگر ہم کو ہندوستان کی آن کا لحاظ ہوتا تو یقیناً دوسرے مسائل شائد پیدا ہی نہ ہوتے۔ اور اگر ہوتے بھی تو ختم کر دیئے جاتے۔ کسی زندہ قوم کے سامنے کوئی مسئلہ ناقابل حل نہیں ہوتا۔ وہ ہر مرحلہ کو فتح کر لیتی ہے۔

پندرہ اگست کو جاندار دن بنایئے
اور اپنے آپ سے عہد کیجئے کہ
ہم سچے اور صحیح ہندوستانی بنیں گے۔!
ہماری کوشش ہوگی کہ :

اپنے ملک سے افلاس دور کرنے میں مدد دیں کہ افلاس ہی ام الجرائم ہے۔

فٹ پاتھوں پر سونے والوں کے لئے سایہ اور مکانوں کی فراہمی میں بقدر ظرف امداد و اعانت کریں۔

طبی امداد عام کرنے کی سعی و جہد کریں۔

تعلیم مفت اور عام کرنے میں تعاون و اشتراک سے کام لیں

پھر کبھی ایسا نہ ہونے دیں کہ ہمیں امریکہ سے روٹی کی بھیک مانگنی پڑے ——— مشرق وسطی سے پٹرول مانگنا پڑے

آندھرا کی تباہ کاریوں، جمشید پور، علی گڈھ کی خونریزیوں کی تجدید پھر کبھی نہ ہونے دیں کہ لاکھوں آدمی بے گھر بے سہارا فقر و فاقہ اور موت کے شکار ہوں۔

زندہ قومیں صرف حکومت ہی سے امداد طلب نہیں کرتیں ان کے افراد اپنے سر پر بھی کچھ فرائض عائد سمجھتے ہیں !

اگر آپ نے یہ کیا تو یہ یوم آزادی صحیح معنوں میں یوم رستگاری ہوگا۔

ہندوستان زندہ باد
یوم آزادی پائندہ باد

شریمتی بی سروجنی پلا ریڈی

وزیر بلدی نظم و نسق و اطلاعات

پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات پر سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن نے پنڈت نہرو کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان کی ذات اور ان کی خدمات نے ہماری اجتماعی ذہنی ساخت پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ وہ عصری ہندوستان کے معمار اور اس کے تقدیر ساز تھے۔ اور اپنے سیاسی گرو مہاتما گاندھی کے اس عقیدہ پر بھرپور ایقان رکھتے تھے کہ کسی اچھے اور نیک مقصد کی تکمیل کے لئے بُرے وسائل اور ذرائع اختیار کرنے سے مقصد کی تقدیس برقرار نہیں رہتی۔ انہوں نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے عیش و آرام کی زندگی ترک دینے میں بھی کوئی تامل نہیں کیا۔ ان کے نزدیک اپنے سیاسی مشرب اور نظریات کی پائیداری میں بڑی سے بڑی صعوبت اٹھانا بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ جمہوری سوشلزم پر ان کے اٹل اور غیر متزلزل ایقان ہر مسئلہ کو عالمی چوکھٹے میں جانچنے کا رجحان اور ان کا سائنسی انداز فکر عالمی تاریخ سے ان کی انفرادیت کو منوانے کا سبب بنا۔ بٹوارہ کے فوراً بعد ملک کے طول و عرض میں پھیلنے والے فرقہ وارانہ فسادات اور اس کے نتیجے میں لاکھوں افراد کا بے خانماں اور بے سہارا ہو جانا نہرو کے لئے ایک چیلنج تھا لیکن انہوں نے سیکولرازم پر اپنے راسخ عقیدہ کے ہتھیار سے اس چیلنج کا بڑی اہمیت اور بے جگری سے مقابلہ کیا۔ وہ زندگی بھر فرقہ پرستی اور تنگ نظری کے خلاف ستیزہ کار رہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے وہ بے حد حساس، بے انتہا دردمند اور بڑے فراخدل واقع ہوئے تھے۔ ہندوستان، زراعت صنعت اور بجلی کی پیداوار کے شعبوں میں منصوبہ بند ترقی کی حد تک نہرو ہی کا رہین منت ہے۔ نہرو کے اس تحفہ کو ہندوستان کے عوام کسی دور میں فراموش نہیں کر سکتے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ سائنس کا مقصد انسانیت کی صلاح و فلاح کی نئی راہیں پیدا کرنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو دنیا کی ان طاقتوں کے دوش بدوش آگے بڑھنے کے مواقع پیدا کئے جو سائنس کی ترقی سے پُرامن مقاصد کی تکمیل کے خواہاں تھے۔ اور نیوکلیر توانائی کو بھی وہ اسی حد تک استعمال

کرنے کے حامی تھے کہ اس سے دنیا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے انہی کی دوربینی اور عاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے ملک کے طول و عرض میں بھاکڑا ننگل اور ناگرجنا ساگر جیسے عصر حاضر کی نئی عبادت گاہوں کو دیکھ رہے ہیں - ان کے عالم وجود میں آنے سے پہلے، پانی کا بڑا حصہ محفوظ کرنے کے عصری ذرائع کی عدم موجودگی میں ضائع ہوجاتا ہے - لیکن اب وہی پانی لاکھوں ایکڑ زمین کو سیراب و شاداب کرنے لگا ہے - پبلک سکٹر میں کلیدی صنعتوں کا قیام بھی مسٹر نہرو ہی کی دین ہے - نہرو عالمی امن اور خیرسگالی کے سب سے بڑے علمبردار تھے - ساری دنیا کو وہ ایک برادری سمجھتے تھے - ان ساری باتوں سے ہٹ کر نہرو کو ایک ادیب اور ایک بلند قامت دانشور ہونے کا شرف بھی حاصل تھا - مسز پرل بک نے ان کی وفات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ان کے اٹھ جانے سے دنیائے ادب ایک جلیل القدر مصنف اور ادیب سے محروم ہوگئی ہے - پرل بک نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے افسوس ہے کہ سیاست سے ان کی عملی دلچسپی نے ان کو لکھنے کی بہت کم مہلت دی اور اسطرح ہم کئی بے مثال کتابوں سے محروم رہے جو سیاست سے دور رہ کر نہرو لکھ سکتے تھے - ڈاکٹر رادھا کرشنن نے بھی یہی کہا تھا کہ "نہرو صف اوّل کے مصنف تھے - ان کی خود نوشتہ سوانح حیات، ملک کی سیاست کے امتزاج سے ایک فقید المثال کتاب بن گئی ہے اور اسے ہمارے عصر کی بہترین تصانیف میں شمار کیا جاسکتا ہے"۔ ان کی ایک اور تصنیف "ڈسکوری آف انڈیا" ہندوستان کی تاریخ کا ایک سرسری تنقیدی جائزہ ہے اور اسے توقع کے مطابق عالمی شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی ہے - آندھرا پردیش کا انہوں نے کئی مرتبہ دورہ کیا اور اپنے ایک دورہ میں کہا تھا کہ میں آندھرا پردیش کے عوام پر فخر کرتا ہوں ۱۹۵۵ء میں ناگرجنا ساگر کا سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا کرتے ہوئے نہرو ہی نے کہا تھا کہ میں آندھرا پردیش ... پر فخر کرتا ہوں کیونکہ یہ ہندوستان کی روایتی انسانیت کے ایک مندر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ نہرو ہندوستان کے انداز فکر اور اس ملک کے عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کی ترجمانی کرتے تھے - مسٹر نہرو نے خود اپنے متعلق ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر کوئی مجھے یاد کرنا چاہے تو اسطرح یاد کرے کہ نہرو ایک ایسا آدمی تھا جس نے اپنے قلب و دماغ کی گہرائیوں سے ہندوستان کو ٹوٹ کر چاہا ہے - اور جیسے خود اس ملک کے عوام نے بھی جواب میں اتنی ہی محبت دی - وہ ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے اور اگر چاہتے تو اپنی زندگی بے حد عیش و مسرت کے ماحول میں گذارتے، لیکن اپنے ملک پر بدیسیوں کے تسلط نے انہیں میدان کارزار میں لا کھڑا کیا اور نہرو نے آنند بھون کی چھاؤں کے بجائے قید خانوں کی کڑی دھوپ کا انتخاب کیا

دو غزلیں

درد فرشتہ لگتا ہے
موسم سچا لگتا ہے
گرد کدورت اڑتی ہے
شہر پرایا لگتا ہے
اب تو اس سے ملنا بھی
ایک فسانہ لگتا ہے
لہجہ اس کی باتوں کا
طنز و کنت یہ لگتا ہے
یک ساتھ فضا میں پتوں کا
اڑنا اچھا لگتا ہے
طور طریقہ ساحل کا
ایک معمہ لگتا ہے

||

پیڑ مسافر لگتا ہے
سایہ سایہ چلتا ہے
شکوہ سنجی یادوں کی
آنکھ میں ساون پلتا ہے
ابر کی مانند سایہ بھی
آگے پیچھے چلتا ہے
پیڑ کو آندھی آنے کا
خوف ہمیشہ رہتا ہے
تنگ نظر ہے سورج بھی
دھوپ چرا کر رکھتا ہے
خواب ہمیشہ آنکھوں میں
نیند چھپا کر رکھتا ہے

ساحل احمد

رشید قریشی

ویمنا اور اسکی شاعری

ویمنا، تلگو شاعری میں "شتک" کا عظیم شاعر گزرا ہے "شتک" اس صنف شعر کو کہتے ہیں جسمیں سو بند ہوتے ہیں، لیکن شاعروں نے اس تعداد کی پابندی کو زیادہ اہمیت نہ دی اور سو سے بھی زائد بند نظم کرنے لگے۔ خود ویمنا نے ہزاروں بند کہہ ڈالے ہیں ان ہزاروں میں سے اس وقت جو بند اسکے نام سے منسوب ملتے ہیں انکی تعداد بھی کم و بیش پانچ ہزار ہے۔ تاہم سو کی حد سے متجاوز ہونے کے باوجود اس صنف کا نام نہیں بدلا، اور وہ بدستور "شتک" ہی کہلاتی رہی۔ اسکی ایک خصوصیت یہہ ہے کہ اس کا ہر بند نظم کا جزو ہوتے ہوئے بھی بجائے خود مکمل ہوتا ہے۔ آخری شعر یا شعر کا کچھ حصہ ہر بند میں دہرایا جاتا ہے۔ جسے مکٹ کہا جاتا ہے ویمنا کے بند جس مکٹ سے آراستہ ہیں وہ ہے ۔ اے خدا کے پیارے ویمنا سُن!

دراصل یہ صنف، شکل اور غنائیت کے اعتبار سے اتنی سبک، پیکر اور خوش آہنگ ہے کہ ویمنا کا وجدان اسی کا دلدادہ رہا۔ اور جو کچھ بھی اس نے کہا جاوداں ہوگیا۔ یہ صنف بنیادی طور پر بھگتی کے مضامین کے لئے استعمال ہوتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس میں دوسرے موضوعات بھی داخل ہونے لگے اور جب ویمنا کی شاعری سیلاب کی طرح امڈی، اسکے بہاؤ میں سارے ہی موضوعات اس صنف میں گھس آئے۔ ویمنا کا رنگ کہیں رندانہ کہیں عارفانہ ہے۔ لیکن اسکا ایک رنگ فقیرانہ بھی ہے۔ جو ہر رنگ کے پردہ میں رہ رہ کر کوندتا رہتا ہے اس رنگ کے شاعر وہ ہوتے ہیں جو ماحول یا جبلت کے زیر اثر سیدھے راستے سے پگڈنڈی پر پڑ جاتے ہیں، منزل ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے لیکن ان کا ہر قدم انہیں اس سے دور کرتا جاتا ہے۔ مشیت کا منشا بھی شاید یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی گمرہی میں سرگرداں رہیں اور شاعر سے بڑھ کر کچھ اور نہ بننے پائیں۔ ویمنا اپنے مقام پر مطمئن نہیں تھا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ ایک گرو کی اسے تلاش تھی۔ لیکن دنیا والوں نے اُسے بیچ رستہ ہی میں گھیر لیا۔ اور وقت سے بہت پہلے، خود اُسی کو گرو بنا ڈالا۔ وہ ان سے پیچھا چھڑا کر بھاگ نکلا، تو وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے آئے۔ اُسے پکڑ دھکڑ کر

جوگی کے استھان پر بٹھایا اور دھوم دھام سے اسکے قدموں میں اپنی عقیدتیں گزراننے لگے۔ اس افتاد سے اسکی نامکمل روحانی شخصیت بھٹک کر بازار میں آگئی۔

ویمنا اب نہ گرو تھا نہ جوگی، وہ صرف ایک نا تمام سفر کا ناآسودہ مسافر تھا۔ اور بازار میں کھڑا تھا۔ یہاں اسے چند عورتیں ملیں جن کے قہقہوں کے ساتھ انکی چوڑیاں کھنکتی تھیں۔ لیکن اس نے دیکھا ان قہقہوں اور بانہوں کا مول تول ہوتا ہے اور بھی گاہک دام دیتا ہے ان کا مالک ہوجاتا ہے۔ وہ دل برداشتہ وہاں سے نکلا تو میکدہ میں جا بیٹھا۔ یہاں بیخودی نشاط انگیز تھی لیکن دیوانگی بھی ہنگامہ آرا تھی۔ وہ وہاں بھی ٹھہر نہ سکا۔ اپنے بے چین دل کو سکون آشنا کرنے کے لئے اس نے شادی کرلی۔ گھر بسالیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد گرہستی زندگی کی ذمہ داریوں اور جکڑبندیوں نے اسے اس حد تک پریشان کردیا کہ وہ گھربار چھوڑ کر پھر اپنی آزاد دنیا میں واپس چلا گیا۔

یہ ویمنا کی زندگی کے ایک دور کا سرسری خاکہ تھا۔

ویمنا کی پیدائش، زندگی، اور ذات کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کی الگ الگ دریافتیں ہیں، اس میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ جو تشبیہ اور استعارے استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ عام زندگی سے لئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ چیزیں بے قیمت اور معمولی ہوتی ہیں لیکن ویمنا کی بصیرت انکو اس خوبی سے ذہنی اور شاعری کے تانے بانے میں جوڑتی ہے کہ اشعار میں تاثیر اور دلنشینی کا جادو بکھر جاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے، سمجھنے اور ماننے کا ردعمل ایک ہی وقت میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اسکے چند منتخب اشعار کا اردو ترجمہ مختصر سی تشریح کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

۱۔ ہر گھر کے پچھواڑے کوئی نہ کوئی بیل دیوار پر پھیلی رہتی ہے۔ اور اگر اسے باندھ نہ رکھا گیا تو وہ باہر نکل جاتی ہے۔ اس شعر میں کوئی خاص بات دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن ویمنا کو اسمیں ایک کردار، رجحان نظر آیا۔ وہ کہتا ہے : گھر کے پچھواڑے کی بیل کی دیکھ ریکھ نہ ہو تو وہ پھیل کر باہر نکل جاتی ہے۔ یہی حال گھر کی عورت کا ہے۔ اس بند کی حکمت پر کھلے ذہن اور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کیونکہ جس بات کی طرف اشارہ ہے وہ فطرت سے مطابقت رکھتی ہے اور جس خلوص کو برتا گیا ہے وہ بھی لوچ دار (نرم) کا ابھرا ہوا ہے۔

۲۔ گھر میں محراب ہوتا ہے۔ اسمیں چراغ رکھا جاتا ہے۔ چراغ میں بتی ہوتی ہے اور تیل اسے جلتا رکھتا ہے۔ ویمنا نے اس محراب کو، اس چراغ کو دیکھا اور جو کچھ اسے نظر آیا، اسکی اس نے اس طرح تلقین کی عرفان کے محراب میں، ایک ایسا چراغ ہو جس میں اچھی سیرت کی بتی ہو۔ نیک اعمال کا تیل ہو، اور پھر اس چراغ کی روشنی دیکھو۔ یہ مضمون انتہائی دقیق، روحانیت اور بصیرت کے اسرار و رموز پر مشتمل ہے لیکن اسے ویمنا نے اس سلیس انداز سے بیان کیا ہے کہ سننے والے کے ذہن میں پہلا ردعمل یہی جاگزیں ہوتا ہے کہ اس چراغ کو جلانا کون سا مشکل کام ہے . . . اور جس کام کو مشکل نہ سمجھا جائے . . . وہ کام آسان ہو ہی جاتا ہے

۳۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بکریوں کے ریوڑ میں، ماں سے بچھڑا ہوا بچہ ماں چاہے کہیں ہو، پکارتا، پکارتا . . . اسی کے پاس چلا جاتا ہے

ویمنا نے بھی اس منظر کو دیکھا اور کچھ سوچ کر کہا۔ بکریوں کے ریوڑ میں بچہ اپنی ماں کو پہچان کر، اسکے پاس چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سچا بھگت، اپنے گرو کو ہزاروں میں ڈھونڈتا، آخرکار اسی کے چرنوں میں پہنچ جاتا ہے۔

بھگت اور گرو کے سمبندھ کو سمجھانے کے لئے جو مثال دیگئی ہے وہ جذب اور جستجو کی ذی روح تشریح کی طرح ہے اور سننے والا اسے والہانہ انداز سے اسے قبول کرلیتا ہے، جیسے وہ بات پہلے ہی سے اس کے ذہن میں کہیں چھپی ڈھکی پڑی تھی اور ویمنا نے اسے سامنے لاکر رکھ دیا

۴۔ گرو کے بعد ویمنا خدا کا بھی پتہ دیتا ہے :

انسان خدا کو ڈھونڈنے کے لئے تیرتھ یاترا کرتا ہے۔ لیکن

کبھی اپنے اندر سفر نہیں کرتا۔ اس مگر تو پر دین کچھ بھلا اٹھاتا ہے۔
یہ نادان انسان، اس گدھے کے جیسا ہے، جس پر چندن کی لکڑی
لدی ہو اور گدھے کو خبر ہی نہ ہو کتنی قیمتی چیز اسکے پاس ہے۔

۵۔ باطن کو صاف رکھنے سنوارنے کے لئے بھی وہ نصیحت
کرتا ہے تو گدھے کو سامنے لا کھڑا کرتا ہے جسم پر بھبوت مل لینے سے
کوئی جوگی بن جاتا ہے کیا؟ ... اس گدھے کو دیکھو یہ بھی کوڑے کرکٹ
میں لوٹ لگا کر آیا ہے۔

۶۔ اسی طرح وہ دکھاوے کی عبادت کرنے والوں کی
بھی خبر لیتا ہے:

دل میں کھوٹ رکھ کر تسبیح ڈھالنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
اندھا اگر اندھیرے میں باہر نکلنے کا رستہ ڈھونڈے تو کیا وہ اُسے
مل سکتا ہے؟

۷۔ لوہار کا کام سب ہی دیکھتے ہیں۔ لیکن ویمنا کی نظر
سے تو صرف ویمنا ہی دیکھتا ہے۔ لوہے کے ٹوٹتے ہوئے ٹکڑوں کو لوہار
تپا کر جوڑ سکتا ہے لیکن کیا کوئی کاریگر ایسا ہے جو ٹوٹتے ہوئے دل کے
ٹکڑوں کو جوڑ دے؟

۸۔ ویمنا نے گھاس کو خوشبودار پایا۔ سونے کو بے بو۔ اس
نے سوچا یہ خوشبو اس حقیر گھاس کو کیوں دی گئی اسکا حقدار تو چمکیلا
قیمتی سونا تھا؟ پھر اس نے سوچا اگر خوشبو بھی نہ ہوتی تو گھاس کے پاس
اپنا سر اونچا رکھنے کے لئے کیا رہ جاتا؟ اور وہ خدا کی قدرت کا قائل
ہو جاتا ہے کہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیا جاتا ہے اور کسی کو سب کچھ نہیں
دے دیا جاتا۔

اب ویمنا کے اشعار کا صرف اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے ... ان میں حکمت و
عرفان کی ایسی تجلیاں ہیں جو کسی دوسری روشنی کی محتاج نہیں۔

نیک نیتی اور پاکدلی سے کیا ہوا کام ... کتنا ہی چھوٹا کیوں
نہ ہو۔ اس کا درجہ بلند ہی ہوتا ہے۔ بڑ کا بیج کتنا چھوٹا۔ لیکن درخت
کو دیکھو کتنا اونچا ہوتا ہے۔

انسان کی چھوٹی موٹی غلطیاں سدھاری جا سکتی ہیں۔ اس
طرح جس طرح سوراخ دار گھڑے کو کپڑے کی ڈاٹ لگا کر استعمال کے
قابل بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس شخص کو کس طرح سدھارا جا سکتا ہے جو
انسانیت کے مقام سے گر گیا ہے۔

کتنی معمولی چیزوں سے ہمیں کتنی بڑی تکلیف پہنچتی ہے، جوتے
میں پھنسے کنکر سے، آنکھ میں پڑے کچرے سے، پاؤں میں چبھے
کانٹے سے، اور گھریلو جھگڑے سے۔

ویمنا کی شاعری میں درحقیقت وہ حقیقتیں ہیں، جو ہمارے
آس پاس بکھری ہوتی ہیں لیکن ہم انہیں بے حقیقت سمجھ کر نظرانداز
کر جاتے ہیں، ہم ان چراغوں کی روشنی کو نہیں دیکھتے جن کو وہ
نورِ ازلی سے فروزاں کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اس روشنی کے راستہ
پر بلاتا ہے۔ لیکن لوگ انہی چراغوں کی طرف جاتے ہیں جو ان کے گھروں
کے محرابوں میں جلتے ہیں ... اور لوگ جب اسکے پاس نہیں آتے،
وہ لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کا نباض ہے۔ اسکے لوگوں
میں ریاکار، بدکار، مذہبی ٹھیکیدار، دولت پرستی کرنے والے سب سے زیادہ
نمایاں ہیں، عورت بھی کہیں کہیں اسکی ملامتوں کا نشانہ بنی ہوئی سہمی
بیٹھی نظر آتی ہے۔ لیکن اسے کسی سے شکایت ناراضی یا برہم کوئی نہیں کیونکہ
وہ بےلاگ ہے اور جو کچھ بھی اسکی زبان پر آتا ہے خلوص اور نیک نیتی
کے زیر اثر ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی برائیوں کو مٹانا چاہتا ہے۔ انکو
انسان بنانا چاہتا ہے ... وہ چاہتا ہے مرد، عورت دونوں ہمارے دل
صاحبِ نظر، صاحبِ کردار بنیں، دنیا میں نیکی کا دور دورہ ہو اور
ہر گھر میں سکون آباد رہے۔

اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اپنے مقصد کو
حاصل کرنے کے لئے عالمانہ، گھڑی گھڑائی آسمانی زبان استعمال نہیں کرتا
بول چال کی زبان میں اور جانی پہچانی مثالوں کے ذریعہ زندگی کی بنیادی
حقیقتوں کو ابھارتا اور روح کو پوشیدہ تابناکیوں کو • سلوٹ[11] پر

آندھرا پردیش ترقی کی راہ پر

آندھرا پردیش اپنے زرعی، جنگلاتی، بحری و معدنی وسائل اور ہنر مند انسانی طاقت و قابلیت اور اپنی دیگر بڑھتی ہوئی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک بڑی صنعتی ریاست ہے۔ ہماری اس سب سے بالاتر زرعی ریاست میں دستکاری کا شعبہ گذشتہ چند سالوں کے مقابلہ میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے لیکن پھر بھی اس شعبہ کا حصہ ریاست کی آمدنی میں صرف ۱۲ فیصد ہے جبکہ زرعی آمدنی کا حصہ ۴۷ فیصد ہے تمام ریاستوں میں آندھرا پردیش کا مقام کارخانہ جات کی تعداد کے لحاظ سے پانچواں اور صنعتی پیداوار اور کارکنوں کی تعداد کے لحاظ سے ساتواں مقام ہے۔ آندھرا پردیش کی صنعتوں میں لگایا ہوا جملہ پیداواری اصل سرمایہ ملک کے رجسٹرڈ صنعتوں کے جملہ پیداواری اصل سرمایہ کا ۶ فیصد ہے۔ ان اعداد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کو اپنی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ صنعتوں میں روپیہ لگانے کے اجتماعی متحرک پروگرام کو روبہ عمل لانا پڑے گا اور جدید طرز دستکاری اور صنعتی خاکہ ایسا تیار کرنا پڑیگا جس میں روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہوسکیں۔ ہم نے اپنے اس قابل تحسین مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی پالیسیوں اور انداز فکر کی اصلاح کی اور صنعتوں کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے کام میں مصروف ہوگئے۔ بالاتفاق آرا صنعتی ترقی کے اقدامات کا آغاز کیا گیا اور تقریباً ۵۵۰۰ کروڑ کی بجٹ کا سرمایہ صنعتی پائپ لائین کے لئے مختص کردیا گیا۔ سال ۱۹۷۸-۷۹ء کے دوران آندھرا پردیش کی صنعتی پیداوار کا شانہ سال ۱۹۷۷-۷۸ء سے بڑھ کر ۹۰۲ فیصد ہوگیا۔ سال ۱۹۷۹-۸۰ء میں اسکا فیصد تناسب اور زیادہ بڑھ جانے کی توقع ہے۔ اس دو سال کے عرصہ کے دوران ۴۲ بڑی اور اوسط درجہ کی صنعتیں ریاست میں قائم کی گئیں جن میں ۱۷۳ کروڑ اصل بجٹ کا سرمایہ مشغول کیا گیا اور یہ صنعتیں بڑے پیمانے پر کیمیائی کھاد۔ بجلی۔ کاغذ اور چمڑے کی مصنوعات وغیرہ تیار کرتی ہیں بڑے پیمانے کی صنعتوں میں جو پیداوار ۱۹۷۹-۸۰ء میں ہوئی ہے ان میں رام گنڈم کی یوریا کھاد کی صنعت قابل ذکر ہے جو مقامی کوئلہ کے وسائل سے تیار کر رہی ہے۔ صرف صنعتوں میں بجٹ ۱۵۰ کروڑ روپے سے زیادہ کی ہے۔ مرکزی سیکٹر کے تحت ایک اور مختلف دھاتوں کی آمیزش کرنے والا پلانٹ "مشرا دھاتو نگم" کے نام سے حیدرآباد میں قائم کیا گیا ہے جس میں ۴۷۵ کروڑ روپیہ لگایا گیا ہے جس کی دوسری مختلف خانگی صنعتیں مثلاً بھدرا چلم پیپر بورڈس، کلیر و پیپر مس اور آندھرا اسمنٹ کمپنی جس میں

علی الترتیب ۴۸ کروڑ روپے ۵ کروڑ روپے اور ۴۰۶ کروڑ روپے مشغول کئے گئے ہیں مدد کرتے ہیں۔ ریاست کو گذشتہ دو سال کے دوران ۲۰۷ صنعتی لائیسنس، منصوبہ کی تکمیل مطابیے اور ٹکنیکل ترقیاتی رجسٹریشن کے ڈائرکٹر جنرل کے مراسلے وصول ہوئے ہیں جس کا مطلب ۸۵۰ کروڑ سے زیادہ روپے کی بچت کرتا ہے۔ ان سے کھاد بنانے والی۔ بجلی پیدا کرنے والی۔ بجلی سے کام لینے والی اور سمنٹ وغیرہ کی مختلف صنعتوں کا پھیلاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ ریاست کی شاندار صنعتی ترقی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ریاست کو صرف سمنٹ کے گیارہ منصوبے اور صنعتی لائیسنس بڑے پلانٹ کے قیام کے لئے وصول ہوئے ہیں جن کی سالانہ پیداواری صلاحیت ۴۵ لاکھ ٹن ہوگی۔ علاوہ ازیں بارہ منی سمنٹ پلانٹوں کے منصوبے بھی وصول ہوئے ہیں جنکی عمل آوری کے بعد ریاست کی سمنٹ کی پیداوار کا مقام ملک کی تمام ریاستوں میں سرفہرست رہے گا۔ ریاست نے کاغذ سازی کے سکٹر میں بھی شاندار ترقی کی ہے جسکے تحت گیارہ منی پیپر پلانٹ قائم کئے جارہے ہیں اور گیارہ پلانٹ قائم ہوچکے ہیں۔ ریاست کے صنعتی شعبہ کی کڑیاں صحیح پیش گوئی کرتے ہیں کہ ریاستی اور مرکزی امداد سے قائم ہونے والی مختلف صنعتوں کا مستقبل انتہائی شاندار رہے گا۔ آندھرا پردیش صنعتی ترقیاتی کارپوریشن صنعتی ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لانے والا ملک کا بہترین کارپوریشن ہے۔ بڑے اور اوسط درجے کے سکٹروں میں ۱۳۵ کروڑ روپے لگاکر ۱۹۴ یونٹوں کی مدد کیا ہے۔ صنعتی قرضہ جات کی اجرائی میں آندھرا پردیش اسٹیٹ فینانس کارپوریشن دیگر ریاستوں کے فینانس کارپوریشن کے مقابلہ میں اس سال سرفہرست ہے۔ ریاست کے ۱۴ اضلاع کے مختلف حصے مرکزی مالی امداد کے مستحق ہیں اور انہیں مالی امداد مرکزی حکومت اور مختلف مالی اداروں سے ملتا ہے اور ریاست کے بقیہ حصوں کو امداد سبسڈی۔ بلاسودی قرضہ جات۔ سیل ٹیکس قرضہ جات اور مالی محصول وغیرہ کی شکل میں دی گئی ہے۔ ریاستی حکومت ریاست کے مختلف حصوں میں صنعتی وسائل اور اس سے بہتر طور پر استفادہ کا جائزہ لے رہی ہے

حکومت یہ بھی جائزہ لے رہی ہے کہ چھوٹی صنعتوں کو صنعت کاروں کے ناپسندیدہ طرز عمل سے کس طرح چھٹکارہ دیا جائے تاکہ وہ نئی نئی صنعتیں قائم کرنے کے قابل ہوسکیں۔ اور اس سلسلہ میں ہر ضلع کے لئے ایک ما... ایجنسی قائم کی جارہی ہے تاکہ یہ مناسب امداد کے ذریعہ تیزی کے ساتھ تر... کی راہ پر گامزن ہوں۔ ان اقدامات سے باہر اور اندر تحریک پیدا ہو اور زیادہ روپیہ مشغول کیا جاسکے گا۔ ملک کے مختلف حصوں میں بجلی کی کمی کے پس منظر کے باوجود یقینی طور پر اس کمی کو پورا کرنے کے بہتر مواقع ریاست کو حاصل ہیں۔ چھوٹی اسکیموں کے علاوہ صرف گذشتہ چار ماہ کے دوران ہم نے ۳۲۰ میگھاواٹ زائد بجلی فراہم کی ہے۔ وجے واڑہ تھرمل اسٹیشن میں ۱۱۰ میگھاواٹ کے دوسرے یونٹ کا کام اور ناگرجونا ساگر پمپ اسٹوریج اسکیم میں ۱۱۰ میگھاواٹ کے تین اور یونٹ اور ۱۰۰ میگھاواٹ کے چار یونٹ سری سیلم ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے تحت قائم کئے گئے ہیں جس سے زائد بجلی کی قیمت پیدا کی جائے گی۔ تاکہ بجلی کی بڑھتی ہوئی طلب کو پورا کیا جاسکے۔ ان تمام کے علاوہ رام گنڈم میں سوپر تھرمل اسٹیشن بھی قائم کیا جارہا ہے۔

آج ہماری ریاست میں برقی و صنعتی پیداوار میں ترقی ہماری وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کا ایک جز ہے جو چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی کی رہنمائی و قیادت میں تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ ●●

ویمنا اور اسکی شاعری

صفحہ ۹ کا بقیہ

اجاگر کرتا ہے۔ اس کا روپ فقیرانہ ہے۔ اس کا کلام عارفانہ ہے اور اس کا سلوک مخلصانہ ہے۔ اور اسی لئے لوگ ایسے ضرورتمندانہ انداز سے اسکی طرف بڑھتے ہیں، جیسے وہ اپنی جھولیاں میں سے انکے وجود کے کھوئے ہوئے اجزاء نکال نکال کر انہیں واپس دینے والا ہے۔ ●●

ڈاکٹر کے۔ بھگتہ وتسل راؤ

ہر قوم کا ایک وقار ہوتا ہے۔ ایک سیاسی نظام میں قوم بنتی ہے۔ اس قوم کی پرکھ عالمی سطح پر ہوتی ہے۔ ہندوستانی قوم کئی مذاہب، تہذیبوں کا جوڑ ہے۔ اس قوم کی عظمت اسکی تہذیب سے نمایاں ہوتی چلی جارہی ہے۔

سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری
چشم و چراغ عالم تھی سرزمیں ہماری
(چکبست)

گوتم کی دھرتی، اشوک کی سرزمین، نانک کی جنم بھومی ایسی سرزمین ہند میں آزادی کو حاصل کرنے کے لئے کئی لوگوں نے نامور کارنامے کر دکھلائے ہیں۔ قربانیاں دی ہیں۔ ندیاں بھی روایات کو یاد دلا رہی ہیں۔

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھکو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
(اقبال)

تہذیب کی برقراری ہندوستان کا قابلِ قدر جزو ہے۔ کئی خیالات کا مجموعہ، روایات کا انبار ہماری تہذیب ہے۔

یونان مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
(اقبال)

خیالات و تہذیب کے مختلف دھارے ملکر ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے ایک عظیم الشان دریا بن گئے۔ گاندھی، بوس، تلک، آزاد، نہرو، ذاکر حسین، شاستری جیسے مہانِ وطن نے قربانیاں دی ہیں، وطن کی عزت برقرار رکھنے کے لئے یکجہتی، سالمیت، رواداری کی طرف انکے کارنامے اشارے کرتے ہیں، اصولوں کی مدد سے انہوں نے باہر کے حملوں کا مقابلہ کیا۔

مشکل مسائل کا حل نکالنا یکجہتی کے ماحول میں ہی ممکن ہے۔

دیہاتی زندگی میں ہونے سے جمہوری بنیادیں مضبوط ہو پاتی ہیں۔ مواصلات، آمد و رفت کے ذرائع وسیع ہونے سے، سائنسی شعور کے واقع ہونے سے توہماتی جذبات رفع دفع ہو جاتے ہیں۔ صبر و تحمل کا جذبہ دیکھنے میں آتا ہے۔ زبانیں چاہے الگ ہوں لیکن انسان کے احساسات

یں وحدت ہے۔ رنج وغم ہر ایک کا ایک ہی ہوتا ہے چاہے ہندو یا مسلمان، سکھ ہو یا پارسی، کائینات کو پرکھتے ہوئے، قدرت کا مطالعہ کرتے ہوئے، ماحول میں ڈھلتے ہوئے، رزمیہ نقطۂ نظر رکھتے ہوئے، دوسروں کے احساسات میں رخنہ نہ ڈالتے ہوئے فطری زندگی گذارنا ہی ایک انسان کا فرض ہے اور نفس بھی جو ہر مذہب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس گہری فکر کی وجہ سے مذاہب میں سالمیت منظر عام پر آتی ہے۔ جمہوری طرز زندگی اپنانے سے قومی یکجہتی کے ورثہ میں اضافہ ہوگا۔

قومی تقاریب، تہوار، عید ایسے مواقع ہیں جب کئی تہذیبیں اکثریت میں وحدت کا زندہ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ لوگ خوشی خوشی گلے ملتے ہیں۔ چاہے رمضان ہو، دسہرہ ہو، یوم جمہوریہ ہو یا یوم آزادی۔ قومی سالیت کی برقراری کی کیفیت دیکھی جاسکتی ہے۔ آندھرا پردیش میں کسان " ریر دواکہ " کے گیت فصل کٹائی کے وقت گاتے ہیں۔ پنجاب میں " بھانگرا " اور گدا ناچ نامور ہیں۔ کتھا کلی، کوچی پوڈی، بھارت ناٹیم، منی پوری رقص عالمی ورثہ کی علامتیں ہیں۔

تحقیقاتی اداروں میں کئی افراد مصروف تحقیق رہتے ہیں۔ جب کوئی نئی ایجاد عمل میں آتی ہے تو وہ فرد عوام کا اور قوم کا نمائندہ ثابت ہوتا ہے۔ اسے فرق نہیں کسی مذہب سے۔ قومی صلاحیت میں اضافہ اگر کرنا ہو تو ہر فرد کو اپنے ہمسایہ کو سمجھنا ہے۔ ماحول کو سمجھنا ہے۔ بدلتی ہوئی مادی قدروں کا پہچان ضروری ہے۔ مختلف معیاروں کا، تہذیبی امور کا صحیح اندازہ کرنا ہے۔ جس طرح ہم غلاظت کو گھر سے باہر کر دیتے ہیں اور صاف ستھرا رکھتے ہیں اس طرح جذباتی شکنجہ میں نہ پھنستے ہوئے مسائل کا صحیح حل ڈھونڈھنا چاہیئے۔ قومی بیداری سے یک جہتی پائیدہ آباد ہوتی ہے، قوم کے فرد کے لئے ملک جنت سے بڑھ کر ہے۔

جننی جنم بھومیہ سورگہ دپی گری ییسی

(ماں اور جنم بھومی بہشت سے بڑھ کر ہیں)

آزادی کا تحفظ، جمہوریت کا استحکام، نسل کا مستقبل عوام کی محنتوں پر منحصر ہے۔ آئے دن سماجی بہبودی اسکیموں، معاشی پستی کو دور کرنے کی تحریکیں، افلاس کا خاتمہ کرنے کے لئے خاک ہند کی عظمت کی برقراری کے لئے عوام کو جوش و خروش سے حصہ لینا ہے قومی یکجہتی کی برقراری کی وجہ سے خوشحال، نمو، ترقی تبدیلی ارتقاء دیکھنے میں آتی ہیں اور ہمیں اس ملک کا شہری ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔

اے خاک ہند تری عظمت میں کیا گماں ہے
دریائے فیض و قدرت تیرے لئے رواں ہے
(چکبست)

سکینہ عرفان

ہم کو معلوم ہے وہ ہم کو برا کہتے ہیں
ٹھیک کہتے ہیں غلط کیا ہے، بجا کہتے ہیں

زندگی موت کے سانچہ میں ڈھلی جاتی ہے
ہم ترے عشق میں جینے کو قضا کہتے ہیں

جو ہوا چھو کے گزرتی ہے تری زلفوں کو
جانیں کیوں لوگ اسے باد صبا کہتے ہیں

خلق تو کہتی ہے دیوانہ و وحشی مجھ کو
وہ مرے حال پہ اب دیکھئے کیا کہتے ہیں

ان کو معلوم نہیں قدر و قضا کی حکمت
اپنی تقدیر کو جو لوگ برا کہتے ہیں

کتنے سیدھے ہیں سکینہ یہ زمانے والے
سُرخیٔ بازوئے قاتل کو حنا کہتے ہیں

سُدرشن بالی

وطن پرست

دوپہر کا کھانا کھا کر میں نے بازار جانے کے لئے جونہی گھر سے باہر قدم رکھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ واپس اندر جاکر رسیور اٹھایا تو ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"انکل میں کرانتی بول رہا ہوں، آپ فوراً ہمارے ہاں پہنچ جائیے۔ لالہ جی ....."

اس کا گلا رُندھ گیا تھا۔ آگے کچھ کہے بغیر اس نے فون بند کر دیا۔

لالہ جی! لالہ جی کو کیا ہوا۔ میں نے دو چار مرتبہ ٹک ٹک کیا مگر فون تو بند ہو چکا تھا۔ کرانتی کے پاس اپنا کوئی ٹیلی فون نہ تھا۔ دفتر کے کس نمبر سے اس نے بات کی تھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا مگر اس کے ادھورے فقرے کو مکمل کرنا مشکل نہیں تھا۔ لالہ جی کی عمر ستر سے اوپر تھی۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ کافی تندرست تھے بلکہ آج صبح بھی سیر کرتے ہوئے میری ملاقات باغ میں اُن سے ہوئی جہاں سے ہم دونوں اکٹھے لوٹے مگر آج میں انہیں گوارثر تک پہنچانے نہیں گیا تھا۔

لالہ لوک ناتھ سے میری ملاقات دو سال پہلے ہوئی تھی۔ سیر کرتے ہوئے میں برساتی نالے کی طرف نکل گیا تھا جہاں سے ڈھلان شروع ہوتی ہے کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر اپنے سامنے گھاٹی کا نظارہ کرتا رہا، چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اونچے اونچے گھنے درخت تھے اور ایک پہاڑی کا سا منظر تھا۔ میں نے روزانہ اسی طرف آنے کا تہیہ کر لیا۔ پھر نیچے جانے والی سڑک پر اُترا اور باغ کے اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑے فاصلے پر کنوئیں میں سے پمپنگ سیٹ کے ذریعے پانی نکل رہا تھا جو ایک بڑے حوض میں گرنے کے بعد چھوٹی سی ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ حوض کے قریب ہی کھادی کے سفید کرتے پاجامے میں ملبوس ایک بزرگ کھڑے تھے جن کے چہرے پر جھریاں پڑ چکی تھیں مگر جھریوں کے پیچھے اُن کے عزم و استقلال کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ ماتھے پر ایک بڑا سا نشان تھا، چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بڑی کشش تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ، قریب پہنچا تو میرا سر تعظیم سے اُن کے آگے جھک گیا۔ جواب سر کی ہلکی سی جنبش سے دینے کے بعد انہوں نے چھاتی میں بھری ہوئی گہری سانس کو آہستہ آہستہ باہر نکالتے ہوئے کہا،

"اچھی صحت اور لمبی عمر کے لئے پرانایام بہت ضروری ہے۔"

"جی" میں نے کہا

"کبھی پرانایام کیا ؟"

"جی نہیں"

"تو آج سے شروع کرو میرے ساتھ"

میں نے بھی بالکل سیدھے کھڑے ہوکر بازوؤں کو نیچے کی طرف کھینچتے ہوئے لمبا سانس اندر کھینچا مگر زیادہ دیر تک اندر روک نہیں سکا۔ جلدی ہی سانس باہر نکال دیا۔

"ایسے نہیں، سانس دھیرے دھیرے باہر نکالئے۔ شروع شروع میں کچھ دقت ہوگی مگر کچھ دنوں میں ہی آپ کو مہارت حاصل ہو جائے گی۔ پرانایام سے پھیپھڑوں میں دور تک تازہ ہوا اندر جاتی اور گندگی صاف ہو جاتی ہے۔"

اور پھر کچھ دیر تک پرانایام کرنے کے بعد لالہ جی نے میرا نام پتہ وغیرہ پوچھا۔ اپنے بارے میں اتنا ہی بتایا کہ وہ اپنے بھتیجے کے پاس رہتے ہیں جو ایم ای ایس میں ملازم ہے۔ واپسی پر MES ایم ای ایس کے کوارٹروں کے پاس سے گذرتے ہوئے لالہ جی نے کہا "وہ سامنے اپنا کوارٹر ہے۔ آیئے۔"

میں انکار نہیں کر سکا اور اُن کے ساتھ چل پڑا۔ مین روڈ سے ذرا آگے ایک تختی لٹک رہی تھی۔ سیکنڈ کلاس آفیسرز کوارٹرز۔ پہلے بلاک کے ہی نچلے کوارٹر کے سامنے چھوٹے سے لان میں مُوڑھے پڑے تھے مجھے ایک مُوڑھے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے لالہ جی اندر چلے گئے۔ قریب ہی تپائی پر اردو کا اخبار پڑا تھا۔ میں وہ اٹھا کر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لالہ جی اپنے بھتیجے کے ساتھ باہر آئے جس نے میرے لئے لسی کا گلاس اٹھا رکھا تھا۔ تعارف کراتے ہوئے انہوں نے بتایا۔ یہ میرا بھتیجا ہے کرانتی کمار۔ اسکے نام کرن سنسکار کے وقت میں جیل میں تھا۔ میں نے اس کا نام جیل سے ہی تجویز کرکے بھیجا جسے میرے مرحوم بھائی نے ڈرتے ڈرتے منظور کر لیا تھا کیونکہ وہ انگریزی استبداد کا زمانہ تھا۔ اور انگریز کرانتی یعنی انقلاب کے نام سے بہت گھبراتے تھے۔

میں نے لسی پینے سے معذرت چاہی تو لالہ جی نے کہا۔ یہ گلاس مجھے دے دو اور ان کے لئے چائے بھیجدو۔

کرانتی کمار دفتر جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اُن کے دفتر کے اوقات صبح آٹھ بجے سے دو بجے دوپہر تک ہیں۔ وہ چلا گیا تو لالہ جی نے کہا "بڑا سعادت مند لڑکا ہے اسکی بیوی بھی بڑی سوشیل ہے اور بچے بھی میری بڑی تعظیم کرتے ہیں۔"

چائے کے انتظار میں مَیں اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالنے لگا تو انہوں نے کہا "یہ توکل کا اخبار ہے یہاں اردو اخبار میرے سوائے اور کوئی نہیں لیتا اخبار والا صرف ایک پرچہ کہیں سے میرے لئے لے کر آتا ہے۔ تقسیم سے پہلے یہ اخبار لاہور میں چھپتا تھا کیا بات تھی اس کے ایڈیٹوریل کی۔ اس کا ایڈیٹر کئی بار جیل گیا مگر اس کا قلم انگریزی حکومت کے خلاف ہمیشہ انگارے اگلتا رہا۔ میں نے شروع سے ہی اس اخبار پر فریفتہ تھا جب یہ نوجوانانِ وطن کے جذبۂ حب الوطنی کو اُبھارتا تھا، مگر آج اس ایڈیٹر کے بیٹے روپیہ کمانے کے چکر میں پڑے ہوتے ہیں۔ نیم عریاں عورتوں کے بڑے بڑے فوٹو چھاپ کر اور جاسوسی و بیہودہ قسم کی کہانیاں شائع کرکے نوجوانوں کے چال چلن کو خراب کر رہے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ بڑا سخت خط لکھا کہ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس نے اخلاق کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھا۔ تمہیں شرم نہیں آتی یہ سوچ کر کہ اس مرحوم کی روح کو کتنی تکلیف پہنچ رہی ہوگی۔ جواب میں برخوردار لکھتے ہیں کہ ہمیں پبلک کے ٹیسٹ کے مطابق اخبار چھاپنا ہے جس سے سرکولیشن بڑھے، لعنت ہے ایسی سرکولیشن پر"

کرانتی کمار کی بیوی میرے لئے چائے اور لالہ جی کے لئے لسی کا ایک گلاس اور کچھ نمکین ایک ٹرے میں رکھ کر لائی۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر ٹرے اسکے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اندر چلی گئی تو لالہ جی نے کہا۔ دیوی ہے، یہ سچ مچ دیوی۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں زندہ ہی ان لوگوں کی بدولت ہوں، تقسیم کے بعد انہی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہم جبلپور میں تھے۔ اس سے پہلے سکندرآباد۔ سکندرآباد سے پہلے سلی گڑھی، ہر تیسرے سال تبدیلی ہوتی رہتی ہے، اب دیکھئے کہاں کا آب و دانہ ہو۔

چائے ختم کرکے میں اٹھا تو لالہ جی نے کہا۔ کبھی کبھی آتے رہیئے گا۔

جی جی ضرور آؤں گا

اب تقریباً روزانہ صبح سیر کرتے ہوئے لالہ لوک ناتھ سے ملاقات ہو جاتی۔ وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر باغ تک جاتے اور بہت دیر تک پرانایام کرتے رہتے مگر مجھے پرانایام کی بجائے لمبی سیر پسند تھی اسلئے میں آگے نکل جاتا۔

ایک اتوار سیر سے واپسی پر میں لالہ جی کے ساتھ پھر اُن کے کوارٹرس پہنچ گیا۔ آج مجھے گھر لوٹنے کی جلدی نہ تھی بلکہ میں ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لئے بے تاب تھا مگر وہ اپنے منہ سے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تھے۔ سلسلۂ جنبانی کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملے تو یونہی میں نے پوچھ لیا۔

لالہ جی آپ غالباً آزادی کی لڑائی میں ہی جیل گئے تھے۔

"ہاں"

"آپ کانگریس میں تھے"

میں بارہ سال کی عمر میں لاہور میں کانگریس کے ایک جلوس کے ساتھ ترنگا جھنڈا اٹھا کر چلا تھا۔ اس سے زیادہ میں کبھی کانگریس میں نہیں رہا۔

میں ارادتاً خاموش رہا تو لالہ جی بولے' اس جلوس کے ساتھ ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر کیچلو بھی تھے۔ اُن دونوں نے میری پیٹھ تھپتھپا کر پیشن گوئی کی کہ میں بڑا ہو کر اپنے وطن کے لئے بہت کچھ کروں گا۔

"آپ پنڈت نہرو سے تو کبھی ملے ہوں گے!"

"بہت برس پہلے جب وہ نوجوان تھے۔ جوان تو وہ اب بھی ہیں۔ اور میں ہندوستان کے سبھی پرانے لیڈروں سے مل چکا ہوں مگر سب سے زیادہ مجھے دو شخصیتوں نے متاثر کیا۔ ایک راجہ مہندر پرتاپ اور دوسرے جواہر لال نہرو نے"۔

اتنا کہکر وہ خاموش ہونے لگے تو میں نے کہا" لالہ جی آپ جیل کیسے گئے تھے؟"

"میں انقلاب پسند پارٹی کا ممبر تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں ہی نوجوان بھارت سبھا میں بھرتی کرایا گیا تھا۔

اب لالہ جی کی آواز میں جوش بھر گیا تھا' بولے' ہماری پارٹی کے پاس روپیہ کی ہمیشہ کمی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ روپیہ کا انتظام کرنے کیلئے میٹنگ ہو رہی تھی جس میں مختلف قسم کی تجاویز پیش کی جا رہی تھیں مثلاً ریل گاڑی میں سرکاری خزانہ پر ڈاکہ ڈالا جائے یا امپیریل بنک پر ریڈ RAID کیا جائے۔ تب تک مزدور و سرمایہ دار کی تحریک نہ چلی تھی اور اپنے ملک کے کسی سرمایہ دار کو لوٹنا وطن پرستی میں شامل نہ تھا۔ ہم لوگ چونکہ چھپ کر کام کرتے تھے اور ہمارے بارے میں کوئی جانتا بھی نہ تھا اسلئے کسی سے چندہ ملنے کا تو کوئی سوال نہ تھا۔ بحث زوروں سے چل رہی تھی کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ ریڈ کیلئے ہمارے پاس ہتھیار تو تھے مگر بھاگنے کے لئے کوئی گاڑی وغیرہ نہ تھی۔ اسکے لئے کم از کم پانچ سو روپے کی ضرورت تھی۔ وہ روپیہ کہاں سے آئے؟ میں چپ چاپ سب کی باتیں سُن رہا تھا' پھر چپکے سے میٹنگ سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس وقت میری جیب میں ایک بھرا ہوا ریوالور تھا اور چند ایک آنے تھے۔ سواریوں والے تانگے میں بیٹھکر میں ایک روزنامہ اردو اخبار کے دفتر میں پہنچا کیونکہ دو دن پہلے ہی میں نے اُسکے ایڈیٹر مولانا صاحب کی دھواں دھار تقریر سنی تھی۔ شاہ علمی دروازہ کے باہر انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے منعقد کئے جانے والے ایک جلسہ میں' اُس زمانہ میں مائیکروفون نہیں ہوتا تھا مگر مولانا کی آواز ہزاروں آدمیوں کے مجمع کے آخری کونے تک بڑی عمدگی سے سنی جا سکتی تھی۔ انگریزی حکومت کے مظالم کے خلاف مولانا صاحب انگارے اگل رہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ تیس کروڑ کی آبادی والے اس ملک میں اگر ان جیسے پانچ سو آتش بیان مقرر میدان میں نکل آئیں تو ملک میں ایک عظیم انقلاب بپا ہو جائے اور انگریزوں کو اپنا بستر گول کرنا پڑا۔

مولانا صاحب اپنے کمرہ میں اکیلے ہی تھے۔ میں نے آداب عرض

کے بعد کہا کہ میں انقلابی پارٹی کا ایک رکن ہوں اور جیب سے ریوالور نکالکر ان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ جسے دیکھ کر وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے تھوڑا پیچھے ہٹے اور بولے "اسے واپس اپنی جیب میں رکھ لو۔ بادا کوئی اور اسے دیکھ لے۔"

میں نے ریوالور جیب میں رکھا تو مولانا صاحب نے اپنے قریب والی کرسی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے کہا "مولانا صاحب ہماری پارٹی کو ایک ضروری کام کے لئے پانچ سو روپے کی اشد ضرورت ہے میں نے پرسوں شاہ عالمی کے باہر آپ کی تقریر سنی تھی مجھے امید ہے کہ آپ جیسے وطن پرست لیڈر ہماری ضرورت کو پورا کر دیں گے۔"

مولانا صاحب نے اپنی داڑھی میں انگلیاں پھیرتے ہوئے چپراسی کو آواز دی اور میز کی دراز سے چیک بک نکالکر ایک چیک لکھا پھر مجھ سے گویا ہوئے کہ تم نیلے گنبد کے پاس جاکر کھڑے ہو جاؤ۔

یہ چپراسی بنک سے روپیہ نکلوا کر تمہیں دے دیگا۔

میں نیلے گنبد کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ میرا ہاتھ پتلون کی جیب میں ریوالور کے ٹریگر پر تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ روپیہ کا مسئلہ کتنی جلدی حل ہوگیا۔ جب میں روپیہ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس جاؤں گا تو وہ میری ذہانت و بہادری کے قائل ہو جائیں گے لیکن مجھے وہاں پہنچے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ پیچھے سے کسی کے مضبوط ہاتھوں نے میری گردن دبوچ لی اور ٹھوکر مار کر مجھے زمین پر گرا دیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوگیا کہ میرا ریوالور جیب کا جیب رہ گیا۔ پھر تین چار پولیس کانسٹیبل آگئے اور مجھے ایک تانگے میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن لے گئے۔ تھانہ میں مجھے بہت اذیتیں دی گئیں مگر نہ تو میں نے کوئی فرضی جرم قبول کیا اور نہ اپنے کسی ساتھی کا نام بتایا۔ کچھ دنوں بعد انگریز مجسٹریٹ نے بنا لائسنس ریوالور رکھنے کے جرم میں مجھے چھ سال قید با مشقت سنا دی۔ یہ قید میں نے پہلے ملتان اور پھر میانوالی میں کاٹی"

میں نے جھک کر لالہ جی کے پاؤں چھوئے تو وہ اپنے پاؤں اوپر اٹھا کر مونڈھے پر رکھتے ہوئے بولے۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میرے اوپر کیوں پاپ چڑھا رہے ہیں۔

آپ بہت بڑے وطن پرست ہیں۔ یہ آپ ہی کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔"

لالہ جی ہنس پڑے۔ بولے "میں نے کیا قربانی دی ہے قربانیاں اُن لوگوں کی تھیں جنہوں نے کالے پانی کی صعوبتیں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ ہندوستانی جیلوں کے اندر بھی ننگے بدن پر کوڑے کھائے کولہو چلائے اور اس زمانہ میں ہم لوگوں کو کیسی کیسی شرمناک اور انسانیت سوز اذیتیں دی جاتی تھیں جن کا ذکر کرتے ہوئے رونا آتا ہے۔"

اور میں نے دیکھا لالہ لوک ناتھ کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو چھلک آئے تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر لالہ جی نے کہا۔ "دوسری مرتبہ مجھے بنا کسی فرد جرم عائد کئے جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب وطن پرستوں کو جیلوں میں ٹھونسا جا رہا تھا مجھے ایک لیڈر کمیونسٹ نے اپنے ہاں پناہ دے رکھی تھی۔ انگریزی حکومت کا وہ بھی اتنا ہی مخالف تھا جتنا کہ میں، لیکن جونہی ہٹلر نے روس پر حملہ کیا اور روس اتحادیوں کے ساتھ مل گیا تو ہندوستانی کمیونسٹوں نے اس جنگ کو جنگ آزادی کہہ کر انگریزی حکومت کی حمایت شروع کر دی اور مجھے پناہ دینے والے نے روس کے تئیں اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لئے مجھے انگریزی سرکار کی پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس بار مجھے اٹک کے قلعہ میں بند کیا گیا جہاں سے ملک آزاد ہونے سے کچھ دن پہلے مجھے رہا کیا گیا۔"

"یہ آپ کے منہ پر جو نشان ہے کیا یہ جیل میں ...."

"نہیں، یہ تقسیم کے دوران فسادات میں ایک مظلوم لڑکی کو غنڈوں سے چھڑانے کی کوشش میں مجھے ایک غنڈے نے چھرا مارا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ غنڈہ ہندو تھا یا مسلمان، مگر وہ وطن کا بدترین دشمن تھا۔"

"آپ بہت عظیم ہیں" میں نے ایک مرتبہ پھر لالہ لوک ناتھ

کے پاؤں چھوتے اور چلا آیا۔

اور آج کرانتی کمار کا فون آتے ہی جب میں، اسکوٹر غیر معمولی طور پر تیز چلاتے ہوئے اُن کے ہاں پہنچا تو لالہ جی کو فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے پایا۔ ایمبولینس گاڑی اور ڈاکٹر بھی اسی وقت پہنچے تھے۔

کرانتی کمار کی بیوی بتا رہی تھی کہ کچھ دیر پہلے جب ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ پنڈت جواہر لال نہرو ہمارے درمیان نہیں رہے تو لالہ جی ہڑبڑا کر کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور چیخ کر بولے "پنڈت نہرو ہمارے درمیان نہیں رہے" اور اس کے ساتھ ہی فرش پر گر پڑے۔

ڈاکٹر نے اُن کا معائنہ کرنے کے بعد سر کے اشارہ سے بتادیا کہ لالہ جی بھی ہمارے درمیان نہیں رہے۔ اُن کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور اس وقت ان کا مُردہ جسم فرش پر پڑا تھا۔

ایک وطن پرست کا مُردہ جسم۔

لیکن لالہ لوک ناتھ کی المناک موت کی خبر کو ریڈیو سے نشر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کے مالک نہ تھے بلکہ وہ اُن سینکڑوں، نہیں، ہزاروں وطن پرستوں میں سے ایک تھے جو آج بھی گمنامی کی حالت میں، زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ●●

غزل

بہار صدیقی بدایونی

وہی ہوگا جو قسمت کا لکھا ہے
اٹل قدرت کا ہر اک فیصلہ ہے

ستم کو وہ نہ پہچانے تو کیا ہے
ستم گر کو ستم پہچانتا ہے

ستم گر کے ستم اب سہتے سہتے
دلِ مظلوم پتھر بن گیا ہے

مخالف ہے ہوا بھی ناخدا بھی
مری کشتی کا اب حافظ خدا ہے

دیئے ہر سمت جلتے ہیں لہو کے
بڑی رنگین اہنسا کی فضا ہے

فریب رہبری ہے رہبری اب
ہر اک رہزن یہاں رہبر نما ہے

ابھی کچھ اور بڑھنے دے ستم کو
ستم کی یہ ابھی تو ابتدا ہے

زمانہ ہو رہا ہے میرا دشمن
تمہاری دوستی سے یہ ملا ہے

بہارؔ اس دور کا انساں ستم میں
درندوں سے بھی سبقت لے گیا ہے

محسن جلگانوی

تم چاہو تو کچھ بھی کہہ لو میرا تو یہ کہنا ہے
اس دھرتی پر ہم جاگے ہیں سانس چلے تک رہنا ہے

لوگوں سے یہ ڈرنا کیسا گھٹ گھٹ کر یوں مرنا کیسا
کون یہاں پر ہم سے بڑا ہے اس کو کیونکر سہنا ہے

تم تو سونے کی گڑیا ہو دھول سے دھندلا جاؤگی
میرے گھر مٹی ہے اس کے گھر سونا گہنا ہے

کب تک جھوٹ کی چادر اوڑھے تجھ کو خواب دکھاؤں میں
ایندھن کی کٹیا میں ہم کو برسوں برسوں رہنا ہے

تم کو کیا دوں میرے یہاں تو کچھ بھی نہیں گو سوا
شاعر ہوں میں شعر ہی زیور شعر ہی میرا گہنا ہے

وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے تحت

کمزور طبقات کیلئے مکانات

وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کا تمام تر زور کمزور طبقات کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے انہیں اونچا اٹھانے کی سمت ہے۔ پالیسی و پروگرام سازی میں آندھرا پردیش نے کمزور طبقات کی ترقی کو پیش نظر رکھا ہے۔

اس مقصد کے تحت بالکلیہ ایک علٰحدہ محکمہ نظامت کمزور طبقات کے نام سے قائم کیا گیا اور شہروں و دیہات میں رہنے والے غربا کی رہائشی ضروریات کی طرف خصوصی توجہ کے ساتھ ہاؤزنگ اسکیمات تیار کی گئیں پروگرام کے پہلے ہی سال میں ۵، ۲ لاکھ خاندانوں کی تعمیر امکنہ کے سلسلہ میں امداد کی گئی۔ سال رواں کے دوران میں اس پروگرام میں وسعت دی جا رہی ہے تاکہ ۵ ،۳ لاکھ خاندان اس سے مستفیض ہو سکیں مستفیضین کو عملاً اور جسمانی طور پر مکانات کی تعمیر میں حصہ لینے پر زور دیا جا رہا ہے۔ مزید یہ کہ مستفیضین کی ضروریات صلاحیتوں اور توقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہاؤزنگ پروگرام منظم پیمانے پر بنائے جاتے ہیں۔

ہاؤزنگ اسکیمات کے لئے دو طرفہ طریقہ کار اختیار کیا جا رہا ہے سائیٹ اینڈ سروسیس پروگرام جس کے تحت معاشی امدادی اسکیم اور جسمانی خدمات کی فراہمی پر زور دیا جاتا ہے یہ اسکیم ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو پختہ مکانات کی تعمیر کے لئے رقم بطور قرض حاصل کر کے ادائی کا بوجھ اٹھا نہیں سکتے ۲۔ پختہ مکانات کی تعمیر کا پروگرام ایسے لوگوں کے لئے ہے جو رقمی امداد بطور قرض فوری حاصل کر کے استفادہ کر سکتے ہوں سائیٹ اینڈ سروسیس پروگرام کا اہم مقصد ایسے اشخاص کی مدد کرنا ہے جنہیں مکانات کی تعمیر کے لئے اراضیات دی گئی ہیں لیکن وہ اراضیات کو اپنے قبضہ میں نہ لا سکے ہوں اور قرض کی مدد سے پختہ مکان تعمیر کرنے کے موقف میں بھی نہ ہوں اس پروگرام میں حسب ذیل امور کو شامل کیا گیا ہے مکانات کی تعمیر کے لئے دی گئی زمینات کو ترقی دینا و مسطح بنانا وغیرہ۔ بلدی سہولتیں سہولتیں مہیا کرنا جیسے پینے کا پانی سڑکیں موریاں بازاروں میں روشنی وغیرہ کا انتظام کرنا، کم لاگت والے مکانات کا ڈھانچہ کھڑا کرنا معاشی امدادی اسکیمات باغات لگانے کی اسکیمات مہیا کرنا تاکہ ان افراد کی آمدنی میں اضافہ ہو اور یہ پختہ مکانات تعمیر کرنے کے اہل ہو سکیں

جسمانی محنت کے منجملہ اس پروگرام پر ۲۰ کروڑ روپیے خرچ کئے گئے سال رواں کے دوران ۵ ،۳ لاکھ مکانات تعمیر کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے سائیٹ اینڈ سروسیس پروگرام کے تحت تعمیر کئے جانے والے ہر مکان کے لئے ایک برقی گولہ سربراہ کرنے کی نئی اور دلچسپ اسکیم کو روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ریاستی حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے تیز رفتار اقدامات کا اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ ایک سال کے عرصہ میں جملہ ۵، ۲۶ لاکھ خاندانوں کی دیکھی

یوسف راز ناگپوری

باپو! پیکرِ انسانیت

مشعلِ راہ اہنسا ہیں ترے نقشِ قدم
چل رہا ہے جس پہ بھارت چل رہے ہیں جس پہ ہم

پیکرِ انسانیت امن و اماں کے دیوتا
تجھے خلوص و پیار کی تصویر باپو محترم

جس نے پیغام محبت اہلِ بھارت کو دیا
جس نے لہرایا سرِ بھارت اہنسا کا عَلم

برسرِ پیکار تھا جو حریت کے واسطے
جس نے بھارت کیلئے انگریز کے جھیلے ستم

جس نے آپس کی تفرقہ بازیاں ہی ختم کیں
جس نے سلجھائے ہمیشہ قومیت کے پیچ و خم

جس کے ہیں احساں بہت اہلِ وطن پر آج تک
اہلِ ہندوستاں جس کا آج بھی بھرتے ہیں دم

رات دن جس کے خیالوں میں تھا بھارت کا عروج
جس نے آزادیٔ بھارت کے لئے کھائی قسم

دور کی جس نے یہاں تفریقِ ذات و پات کی
مرتے دم تک جو اصولوں پر رہا ثابت قدم

فخر کے قابل ہے باپو جان دے کر واقعی
مادرِ ہندوستاں کا رکھ لیا جس نے بھرم

یوں تو ملتے ہیں سیاستداں ہزاروں آج بھی
ایسے گیانی ایسے انساں ہوتے ہیں دنیا میں کم

کوششِ پیہم سے ربطِ باہمی قائم کیا
سارا بھارت جس کا ہے اے راز ممنونِ کرم

منیر الزماں

بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ہو جائیں

یہاں صدیوں سے ہم میں پیار، اُلفت کی فضائیں تھیں
معطر پیار کی خوشبو سے گلشن کی ہوائیں تھیں
یہاں ہر اک روش پر گل کئی گلزار مہکے تھے
ہم ان مہکی فضاؤں میں وفا کے گیت گاتے تھے
چمن اپنا ہے، اس گلزار میں ہم ایک ساتھ آئیں
بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ہو جائیں

یہاں کا ہر ایک بچوں تھا آج کیوں دہشت برتی ہے
زمیں کی گود کیوں اب اپنے بچوں کو ترستی ہے
کہیں پر خون بہتا ہے کہیں املاک جلتے ہیں
جہاں پر چھاؤں ہوتی ہے وہیں پر ناگ پلتے ہیں
اماں مانگیں تو کس سے اور کس سے ایک ہو پائیں
بھلادو جو ہوا۔ آؤ کہ ہم پھر ایک ہو جائیں

تم اپنے بھائیوں کا گھر جلا کر سر اٹھاتے ہو
کوئی روتے ہوئے بیٹھا ہے اور تم مسکراتے ہو
کہیں آہ و بکا کی آگ سے گھر میں اجالا ہے
کہیں کمزور کاندھوں پر جواں بیٹے کا لاشہ ہے
یہاں آلام کے شعلے ہیں جائیں تو کدھر جائیں
بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ہو جائیں

بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ہو جائیں

چلو آؤ قسم کھائیں کہ بھارت کو نکھاریں گے
جو اُجڑے گھر ہیں اُن کو آج ہم پھر سے سنواریں گے
ہمیں اب ایک ہو کر قوم کی قسمت بنانا ہے
جو سوئے ہیں یہاں اب نیند سے اُن کو جگانا ہے
چلو آؤ کہ ان کو پھر سنہرے خواب دکھ...
بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ...

تمام اہلِ وطن کو ایک ہونے کی ضرورت ہے
کبھی وہ قلب پھل سکتا نہیں جس میں کدورت ہے
اگر ہم ایک ہو جائیں تو طوفاں موڑ سکتے ہیں
وہ دل صدیوں سے جو ٹوٹے ہوئے ہیں جوڑ سکتے ہیں
خلوص آپس میں بانٹیں ہند کی تقدیر بن...
بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ...

وطن کے پاک دامن پر جو دھبے ہیں مٹاؤ تم
عزیزو! ایک ہو کر قوم کا پرچم اٹھاؤ تم
دلوں کو صاف کر کے آج سے تم ایک ہو جاؤ
مقابل ہو اگر طوفان تو ہرگز نہ گھبراؤ
کرو یہ عہد کہ ہم آج سے انسان ہو...
بھلادو جو ہوا، آؤ کہ ہم پھر ایک ...

اطہر افسر

ڈرامہ

کردار: چچا
منّا
چچی جان

منظر: اوسط گھرانے کا ایک کمرہ، درمیان میں تخت بچھا ہے، تخت کے دونوں جانب کرسیاں رکھی ہیں، تخت پر اجلا چاندنی کا فرش ہے، جس پر چچا سر جھکائے بیٹھا ہے۔ پردہ اٹھتا ہے تو دہنی جانب سے منّا گنگناتا ہوا داخل ہوتا ہے۔

چچا۔ کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

منّا۔ کیا بات ہے چچا جان آج آپ بہت اداس نظر آ رہے ہیں

چچا۔ بہت اداس ہوں منا بہت اداس

منّا۔ (پاس بیٹھ جاتا ہے) بات کیا ہے آخر

چچا۔ کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے، ہائے دنیا سرائے فانی ہے۔

منّا۔ آج تو آپ بہت ہی اداس معلوم ہوتے ہیں۔ چچی جان چچی جان کہیں باہر گئی ہوئی ہیں کیا۔

چچا۔ ہاں باہر گئی ہوئی ہیں (ٹھنڈی سانس بھرتا ہے) دیکھتے نہیں گھر کتنا خاموش خاموش ہے۔

منّا۔ ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی رونق

چچا۔ ہائے منا کیا بات کہی ہے۔

ا۔ چچا جان میں پہچان گیا۔ بتادوں ؟

ا۔ بتادو

ا۔ آج آپ اس لئے اداس ہیں کہ آپ کا دل نہیں لگ رہا ہے

ا۔ ہاں منا ہاں، خوب پہچانا۔

ا۔ دل کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے،

ا۔ ہائے مُنا کیا بات ہے تمہاری، بے شک تم ہمارے منا ہو، مگر ایک بات ہے اب ہم کیا دل لگائینگے اس عمر میں کسی سے

۔ ایں ؟

ا۔ اور کیا۔

ا۔ پرانی یادیں تو ستا سکتی ہیں۔

ا۔ ہاں ٹھیک کہتے ہو۔

ا۔ یادِ ماضی عذاب ہے یارب

ا۔ چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ا۔ چچا جان میں آپ کا بھتیجہ ہوں۔

ا۔ ہاں وہ تو ہے۔

ا۔ آپ کا تجربہ بھی بہت زیادہ ہے

ا۔ ہاں وہ تو ہے

ا۔ ہوسکتا ہے تجربہ بہت زیادہ ہو مگر معلومات کم ہوں

ا۔ ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے، آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔

ا۔ میں۔ میرا مطلب ہے، یعنی آپ میرے بزرگ ہیں۔ کبھی کبھی چھوٹوں سے بھی اپنا غم کہنے سے غم ہلکا ہوجاتا ہے

ا۔ ہاں بے شک ٹھیک کہتے ہو

ا۔ چچا جان غم پر ایک بات یاد آئی۔ میں نے جب بی اے کا امتحان دیا تھا تو میرے ساتھیوں نے اردو کے ایک پرچے میں کمال کر دیا۔

ا۔ کیا کیا

ا۔ اردو کے پرچے میں ایک بڑا آسان سا سوال آیا تھا کہ ان محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کرو۔

چچا۔ اچھا، پھر

منّا۔ ان محاوروں میں ایک محاورہ یہ دیا گیا تھا، غم غلط کرنا۔

چچا۔ ہاں ہاں غم غلط کرنا۔ پھر۔

منا۔ میرے بعض دوستوں نے اس محاورے کو سمجھا ہی نہیں، ایک دوست نے سمجھا کہ غم غلط کرنے کے معنی ہیں شرمانا۔

چچا۔ اچھا۔

منا۔ جی۔ اس نے جواب جملہ لکھا۔ عورتیں جب راستے پر گزرتی ہیں تو مردوں کو دیکھ کر غم غلط کرتی ہیں۔

چچا۔ (قہقہہ لگاتا ہے) سچ کہتے ہو مُنا۔ آج کل اردو پڑھنے والے نوجوانوں کا معیار بہت گھٹ گیا ہے۔ جب اردو میں یہ حال ہے تو اور زبانوں میں یہ لوگ کیا گل کھلاتے ہونگے ہمارا بھی کیا زمانہ تھا ہم نے بی اے فرسٹ ڈویژن میں کیا تھا۔

مُنّا۔ اچھا مگر دادا جان تو کہتے تھے ....

چچا۔ تمہاری چچی بھی تو میٹرک میں سارے ڈویژنین فرسٹ تھیں۔

مُنّا۔ اچھا۔ واہ واہ واہ۔ اب آئینگی تو پوچھوں گا۔

چچا۔ نہیں پوچھنے دوچھنے کی بات تو ہے نہیں، مگر ہاں تمہاری چچی جان ہیں بہت تیز (ہنستا ہے)

منا۔ آپ ہنس رہے ہیں چچا جان

چچا۔ اب تم سے کیا چھپانا۔ تمہاری چچی پانچویں میں پڑھتی تھیں

مُنّا۔ پانچویں میں ؟

چچا۔ مدرسہ فوقانیہ نسواں گوشہ محل میں، وہ خالص اور صرف لڑکیوں کا اسکول تھا، اتنا سخت پردہ تھا کہ اندر پہنچنے کے لئے تین دروازوں اور پہروں سے گزرنا پڑتا تھا۔

مُنّا۔ اچھا

چچا۔ ہاں استانیوں اور لڑکیوں کے آنے جانے کے لئے شکرامیں

اور تانگے اور بڑے گاڑھے پردے کی سواریاں ہوتی تھیں وہ زمانہ ہی اور تھا، لمبی آستینوں کے سفید کرتے، جامنی رنگ کا پاجامہ اور اس پر آسمانی کھڑے دوپٹے ۔ اہاہاہا۔

منا۔ چچا جان۔ یہ چچی جان اپنی کوئی رشتہ دار نہیں ہیں کیا۔

چچا۔ (قہقہہ لگاتا ہے) میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتے ہو، تمہارا مطلب ہے یہ پہلے سے ہم لوگوں سے یعنی ہم لوگوں کی رشتہ دار تو نہیں۔ نہیں نہیں بالکل نہیں۔ منا ایسا ہے یہ پہلے اپنے پڑوس ہی میں رہتی تھیں۔

منا۔ پڑوس میں؟

چچا۔ ہاں۔

منا۔ اپنی سنبل کی طرح

چچا۔ (قہقہہ لگاتا ہے) ہاں ہاں سنبل کی طرح۔ تمہاری یہ چچی پانچویں جماعت میں تھیں، ایک دن دو آدمی چادر پکڑ کر انہیں تانگہ میں سوار کروا رہے تھے کہ ہم نے انہیں دیکھ لیا۔ ہی ہی ہی ہی۔

منا۔ واہ واہ واہ چچا جان، بہت اچھا کیا

چچا۔ اور منا انہوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا۔

منا۔ واہ واہ واہ! یہ بھی بہت اچھا ہوا۔

چچا۔ پھر تو اس دن کے بعد سے روزانہ یا ایک دن آڑ ملاقات ہونے لگی

منا۔ ہائے کیا زمانہ ہوگا۔

چچا۔ کیوں بیٹے تم کیوں ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو۔

منا۔ کچھ نہیں چچا جان ایسے ہی۔

چچا۔ تو منا۔ جانے کیا بات تھی، ایک مرتبہ آٹھ دس دن تک ملاقات نہ ہو سکی۔

منا۔ پھر

چچا۔ پھر ہم نے ایک پرچہ لکھا اور خود مدرسہ فوقانیہ نسواں گوشہ محل پہنچے۔

منا۔ آپ ڈرے نہیں چچا جان۔

چچا۔ منا ہم اس وقت بہت بہادر تھے۔

منا۔ اب نہیں ہیں چچا جان۔

چچا۔ ارے منا ہماری ساری بہادری، پتہ نہیں اب کہاں چلی گئی ہے، کچھ آواز ہوئی تھی۔ شاید تمہاری چچی آئی ہیں۔

منا۔ (داہنی طرف دیکھتا ہے) کوئی بھی نہیں چچا جان۔ یہاں تو کوئی نہیں۔ خیر، چچا جان آپ اسکول گئے۔

چچا۔ ہاں مدرسہ فوقانیہ گوشہ محل پہنچے، باہر شکرائیں کھڑی تھیں، بیل چارہ کھا رہے تھے، گاڑی بان اور مامائیں پیٹھ پلٹائے سو رہے تھے.

منا۔ جی، پھر

چچا۔ ہم دل میں تو بہت ڈر رہے تھے پھر بھی اس بڈھے فرانٹ منتظم کے پاس چلے گئے جو باہر کے کمرے میں چلمن کے اندر بیٹھا تھا ہم نے اندر جا کر بڑے میاں کو سلام کیا، سلام کے جواب کے بجائے اس نے زور سے کہا، کیا ہے؟

منا۔ جی۔

چچا۔ ہم نے کاغذ دیکر بڑے میاں سے کہا، جی یہ چھٹی یعقوب النساء متعلم پانچویں جماعت کو پہنچا دیجئے

منا۔ جی، پھر

چچا۔ بڑے میاں نے ایک ماما کو بلایا اور کہا پانچویں جماعت کی جو یعقوب النساء ہے اسے یہ دے دو۔ ماما لے کر چلی گئی۔ شاید بعد میں بڑے میاں کو خیال آیا۔ بولے اس چھٹی میں کیا ہے۔ ہم نے کہا ماموجان کی ایک دوا گھر پر ہونی ضروری ہے۔ یعقوب النساء سے آپ بھی زبانی کہہ دیجئے کہ یہ دوا مدرسے سے آتے وقت ضرور لیتی آئیں۔

منا۔ یعقوب النساء کون تھیں چچا جان۔

چچا۔ کون تھیں؟ (ہنستا ہے) تم اب تک نہیں سمجھے، پوچھو کون ہے

منا۔ کون ہے چچا جان

چچا : تمہاری چچی اور کون، ان کا اصلی نام یہی ہے۔
منا : اور شبنم
چچا : یہ انہوں نے بعد میں رکھ لیا ہے۔ جب خوب موٹی ہوگئیں تو، خیر خیر
منا : پھر کیا ہوا چچا جان
چچا : ہوتا کیا، بس ہماری چھٹی یعقوب النساء کو پہنچ گئی۔
منا : آپ نے کیا لکھا تھا چھٹی میں چچا جان۔
چچا : (ہنستا ہے) ہم نے بس اتنا لکھا تھا، شربت دیدار چاہیئے
منا : شربت دیدار؟ (ہنستا ہے) واہ واہ۔
(دہنی جانب سے پلاسٹک کا ایک بیگ لئے چچی داخل ہوتی ہے)
چچی : ارے منا تم آگئے۔
منا : بہت دیر ہوئی چچی جان۔
چچی : اچھا میں یہ سامان رکھ کر آتی ہوں (بائیں جانب چلی جاتی ہے)
منا : ہاں چچا جان پھر کیا ہوا۔
چچا : بس بس اب ختم کرو، پھر کبھی سنائینگے
منا : چچی جان بہت خوبصورت ہونگی نا چچا جان۔
چچا : ہا۔ بہت خوبصورت منا، بہت خوبصورت، اب میں کیا کہوں، بس سرخ سفید گال، کمانی دار ابرو، شگفتہ ہونٹ بس سمجھو ایک گلاب کا پھول تھیں۔
منا : تھیں۔ تھیں سے کیا مطلب، کیا اب نہیں ہیں۔
چچا : ہاں (لمبا کھینچ کر) اب بھی پھول ہیں مگر گوبھی کا پھول ہیں
چچی : (اندر سے) کیا کہا منا۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔
چچا : تم سامان اچھی طرح اندر رکھ کر آؤ۔
چچی : ہاں ہاں آرہی ہوں (بائیں جانب سے آنچل سے ہاتھ پونچھتی ہوئی آتی ہے) ہاں کیا کہہ رہے تھے تم
منا : چچی جان .....

چچا : منا۔ کچھ نہیں کچھ نہیں۔ تم بیٹھو تو۔ تھک گئی ہوگی۔ ہاں کیا کیا ترکاری لائیں تم۔
چچی : یہ گوبھی کے پھول کی کیا بات تھی
چچا : ہاں ہاں گوبھی کا پھول
منا : وہ چچی جان
چچا : میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری چچی گوبھی کے پھول ضرور لائی ہونگی کیوں لائی ہو نا!
چچی : وہ تو میں لائی ہوں۔
چچا : ہاں منا میں کہہ رہا تھا کہ تمہاری چچی گوبھی لائی ہیں تو کل صبح ناشتہ میں ضرور پکے گی۔
منا : مگر آپ تو کہہ رہے تھے۔
چچا : ہاں گرم گرم چپاتیوں کے ساتھ گوبھی کا سالن خوب مزہ دیگا
منا : چچی جان یہ یعقوب النساء کون ہے؟
چچی : کیا
چچا : منا۔ منا۔ یہ کیا کر رہے ہو، چلو باہر چلیں۔
منا : باہر
چچا : ہاں یہاں بڑی گرمی ہے، چلو ذرا باہر ٹہل آئیں
(دونوں اٹھتے ہیں)
چچی : ٹھہرو منا۔ کہاں جاتے ہو۔
منا : جی وہ۔ باہر
چچی : پہلے میری بات کا جواب دو، یہ یعقوب النساء کا نام تم نے کیسے لیا۔
منا : وہ۔ وہ۔
چچا : منا۔
چچی : منا
منا : یہ تو بڑی مصیبت ہے۔
چچی : بول

منا : وہ، چچا جان ذرا اداس تھے، میں پہنچا تو انہوں نے مجھے یہاں پاس بٹھالیا۔
چچی : پھر
منّا : اور کچھ پرانے قصے سنانے لگے۔
چچا : بھئی یہ پنکھا کہاں رکھتا ہے۔
چچی : تم ٹھہرو جی۔ ہاں منّا کیسے قصے
چچا : اچھا بھئی میں ذرا باہر ہو آؤں
چچی : ٹھہرو کہاں جاتے ہو۔
چچا : وہ ذرا ایک لفافہ لاؤں گا ڈاک خانے سے۔
چچی : لفافہ، دس بجے رات کو کوئی ڈاک خانہ ہے تمہارے لئے۔
چچا : نہیں ویسے ہی
چچی : ہاں منا بول کیسے قصے۔
منا : جی وہ، آپ کے اسکول کے نیفنے۔
چچی : کیا؟
منّا : جی ہاں، وہ مدرسہ فوقانیہ نسواں گوشہ محل
چچی : ہائیں
منّا : جی ہاں وہ، شربت زیدار
چچی : (ڈھٹھ کھڑی ہوتی ہے) کیا
منا : مگر چچی جان یہ آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔
چچی : اچھا
منّا : جی ہاں کہہ رہے تھے آپ، جب آپ کی ملاقات چچا جان سے میرا مطلب ہے ہوئی تو بس آپ نہایت عمدہ ایک سُرخ گلاب کا پھول تھیں۔
چچی : (بیٹھ جاتی ہے) آؤ جی آؤ۔ اتنی رات کو باہر کہاں جا رہے ہو۔ کھانا نہیں کھاؤ گے
چچا : ہاں ہاں بہت دیر ہو گئی نکالو، نکالو۔
چچی : میں نے تمہارے لئے ایک شیشہ جامن کا مربہ بھی لیا ہے، تمہیں زیابیطس ہے نا
چچا : کیا باتیں کرتی ہو۔ خیر وہ تو ہے، لاؤ پہلے کھانا نکالو۔ منا تم بہت اچھے ہو۔
منا : اور چچی جان۔ کہہ رہے تھے چچا جان کہ
چچی : ہاں ہاں کیا کہہ رہے تھے۔
منا : آپ تو بس گلاب کا پھول تھیں۔
چچی : تھیں؟
منا : جی ہاں تھیں۔ اب تو
چچی : اب تو۔ اب تو کیا
منا : اب تو گوبھی کا پھول ہو گئی ہیں
چچی : کیا۔ ہیں جی، تم نے ایسا کہا۔
چچا : نہیں بھئی تم بھی بچوں کی باتوں میں آ رہی ہو۔ ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو۔
(چچی تخت پر رکھے ہوئے تکیے، پاندان اور پاندان کی چیزیں اٹھا اٹھا کر چچا پر پھینکتی ہے)
چچا : یہ منا۔ منا بہت بدمعاش ہے۔ بھئی تم سنو تو۔ بات یہ تھی کہ تم ادھر وہ
——— تم۔ بھئی۔ تم
(پردہ گرتا ہے)

خیرات ندیم

یکجہتی کا شہر

عظمتِ جانِ سخن
اے روایاتِ کہن
رودِ موسیٰ کے وطن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

عشق کا پیار کا شہر
لب و رخسار کا شہر
چار مینار کا شہر
کج کلاہی تری باقی ہے اداؤں میں پھبن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

جیسے اک ماہ جبیں
چشم و دل میں ہو مکیں
جس کی ہر بات حسیں
یکجہتی ترا مذہب ہے وفا تیرا چلن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

مستقل عزم جواں
پاسبان
مہر و الفت کے نشاں
تیری تہذیب سلامت ترا اندازِ جتن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

تیری گلیوں کی ہوا
جیسے خوشبوئے وفا
دل نوازی کی ادا
آئینہ سامنے ہے یا ترا شفاف بدن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

ساتھ تنویر لیئے
اپنی تفسیر لیئے
حسنِ تعمیر لیئے
نغمہ و شعر میں ڈوبا ہوا ہر وقت مگن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

اشک اور آہ کا دل
بے غرض چاہ کا دل
وہ قطب شاہ کا دل
نو بہاروں کی زمیں بھاگ متی کا مسکن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولا پن
حیدرآباد دکن

توہے چاہت کے لئے
شوق وراحت کے لئے
ہرانماست کے لئے
حسن ہی حسن سے معمور ہے تیرا آنگن
حیدرآباد دکن
ساری دنیامیں ہے مشہور ترا سانولاپن
حیدرآباد دکن

ماہ پاروں کا وطن
لالہ زاروں کا وطن
وضع داروں کا وطن
تو زبانوں کا ہے مرکز مرے گلپاش چمن
حیدرآباد دکن
ساری دنیا میں ہے مشہور ترا سانولاپن
حیدرآباد دکن

غزل

فریسی

اچھے دن تھے، اچھی راتیں اچھا اچھا سب کچھ تھا
کچھ بھی نہ تھا جب پاس ہمارے، پاس ہمارے سب کچھ تھا
اک دل کیا تھا، دنیا تھی، پیاری پیاری ہلتی گاتی
اچھے اچھے لوگ بسے تھے اس دنیا میں سب کچھ تھا
کیا آگے اور کیا پیچھے، منزل کا تھا سب کو یقیں
کچھ راہ میں لٹنے پر بھی راہ میں اپنا سب کچھ تھا
کیسے لوگ ملے تھے ہمکو اپنے بھی تھے، غیر بھی تھے
دوست تو تھے ہی، دشمن کا بھی ساتھ ہمارا سب کچھ تھا
آج کی باتیں کیسی یارو، رونا دھونا، گھبرانا
اپنا دل بھی ٹوٹا تھا پر ٹوٹا دل ہی سب کچھ تھا

محمد افتخار احمد بشر

ویزاگ کا ایک منظر

ڈالفن چوٹی کے دامن میں سمندر کا سماں
شام کی لہروں پہ جل پریوں کی رقصاں ٹولیاں
سر پہ سانچے موتیوں کی اوڑھنی ڈالے ہوئے
رقص پیہم سے سمندر کو تہہ و بالا کیئے
عرش سے ساگر کے ملنے کا نظارہ الاماں
دور سے رومان وارماں کا اشارہ الاماں
دوشِ دریا پر ہلکتے یہ قوی ہیکل جہاز
اک نئے انداز میں تصویرِ محمود و ایاز
جھٹپٹے نے شہر پر چھڑکی ہے افشاں برق کی
یا کہ جگ مگ موتیوں کی ایک چادر تان دی
تا افق پھیلے ہوئے بستی کے رنگین قمقمے
سبز، اودے، نیلگوں گلنار زریں قمقمے
پے بہ پے چھوٹے دلِ حسرت زدہ میں جو انار
جم گئے ہیں آسماں پر بن کے تاروں کا غبار
آگئی کیا پھر وہی تاثیر دیپک راگ میں
یا زمانہ بھر کے جگنو جمع ہیں ویزاگ میں
کھل گیا جیسے فضاؤں میں گلستاں نور کا
ذرہ ذرہ پر گماں ہوتا ہے برقِ طور کا
کھا رہا ہے وقت گویا جگمگاہٹ کی قسم
دے رہا ہے چشم غم کو بھی تراوٹ کی قسم

آفتاب نقوی سہسوانی

اندرا گاندھی

پیکرِ عزم جواں ہیں اندرا
کامیابی کا نشاں ہیں اِندرا

غمزدوں کی ترجماں ہیں اندرا
بے زبانوں کی زباں ہیں اِندرا

بامِ رفعت پر جہاں ہیں اندرا
رشکِ اوجِ کہکشاں ہیں اِندرا

چومتی ہیں منزلیں جن کے قدم
وہ امیرِ کارواں ہیں اِندرا

نازشِ صد گلستاں اپنا وطن
اور جانِ گلستاں ہیں اِندرا

پھر پلٹ آئی بہارِ میکدہ
پھر یہاں پیرِ مُغاں ہیں اِندرا

روشنی ہی روشنی ہے ہر طرف
ایک شمعِ ضوفشاں ہیں اِندرا

ہو میسّر کیوں نہ اب دل کو سکوں
راحت و آرامِ جاں ہیں اِندرا

یورشِ برقِ ستم کا ڈر نہیں
اب چمن کی باغباں ہیں اِندرا

ایک تہمت قصۂ جور و ستم
مہرباں ہی مہرباں ہیں اندرا

عام ہے اے آفتاب ان کا کرم
ایک دیوی بیگماں ہیں اِندرا

کیسے بتاؤں کیسے وہ نزدیک دور ہے
جو ماورائے عقل ہے تحت الشعور ہے

موسیٰ کہاں ہیں آپ کہاں کوہ طور ہے
ہم کو تو روز دوست سے ملنا ضرور ہے

پوشیدہ مشتِ خاک میں جب اس کا نور ہے
سمجھو تو ہے قریب نہ سمجھو تو دور ہے

ہے قلب بے نیاز تو سر پر غرور ہے
اور کیوں نہ ہو وہ عرش ہے یہ کوہ طور ہے

ملتے ہیں دھڑکنوں سے پیام و سلام دوست
ہم کو سرِ یہ خامۂ دل سے سرور ہے

وہ حُسن بے پناہ تو بے اختیار ہم
آنکھیں ہیں بے گناہ تو دل بے قصور ہے

میں آپ کا نہ آپ میرے قصہ مختصر
ہو جائے ایسا ایسی تمنا ضرور ہے

عیش و نشاط قرب کا کیا ذکر دوست تو
سنگِ ستم سے شیشۂ دل چور چور ہے

شاید ہمیں میں ذوقِ بصر کی کمی نہ ہو
دیکھو تو ذرے ذرے میں اس کا ظہور ہے

ناحق کسی کو دیجئے نہ الزام مے کشی
تاباںؔ شرابِ حسن و محبت سے چور ہے

اے-اے- قدیم آہی

نہ درد کو بے قرار دیکھا نہ دل کو بے اختیار دیکھا
کبھی جگر آنسوؤں کا چیرا تو آرزو انتظار دیکھا

نظر تو ملتی ہے ہر نظر سے ہر اک نظر پیار کی نہیں ہے
وہ رنگ کچھ اور ہے نظر کا نظر میں جو ہم نے پیار دیکھا

میں زندگی کی ہر اک رہ پر پکارتا ہی رہا ہمیشہ
مگر نہ انسانیت نے ہرگز پلٹ کے بھی ایک بار دیکھا

نظر تھی نیچی ادا تھی سہمی بس ایک ہلکا سا تھا تبسم
نہ گفتگو تھی نہ تھا اشارہ جگر کے اک تیر پار دیکھا

خوشی سحر کی تھی یا غم زندگی نہ جانے یہ بات کیا تھی
گذر ہوا جب صبح چمن میں گلوں کو میں اشکبار دیکھا

شمعِ محبت جلائی اس نے تمہارے مرنے کے بعد آہی
ہر ایک سے پوچھتے ہیں رو کر کسی نے اسکا مزار دیکھا

رات

اشفاق انجم

جاگ اے حسن تیری عمر دراز
فکرِ شاعر پہ کھل رہے ہیں راز
اوس، جگنو، ندی، پہاڑ، شجر
دیکھ فطرت کے دلبر انداز
رات جلوؤں کا اک صحیفہ ہے
میری آنکھوں سے دیکھ لے اعجاز
تارے افشاں کی طرح بکھرے ہیں
چاندنی ہے شجر پہ نیم دراز
چاند کس کی طلب میں پھرتا ہے
کیوں چکوری ہے مائلِ پرواز
پیڑ جوگی کی طرح دھیان میں گم
پتے ہلتے بھی ہیں تو بے آواز
آ رہی ہے صدائے مرغِ سحر
مہرِ نو کے سفر کا ہے آغاز
شب کا زینہ اتر رہی ہے سحر
سن رہا ہوں دبی دبی آواز

غزل

سخن کی شمع جلاؤ بہت اندھیرا ہے
نگاہ و دل میں سماؤ بہت اندھیرا ہے

تمہارے سامنے خورشید و ماہ شرمندہ
کبھی ادھر بھی تو آؤ بہت اندھیرا ہے

کوئی دوست ہو کہ اپنا دشمن ہو
ہر اک کو راہ دکھاؤ بہت اندھیرا ہے

راہِ عشق خطرناک بہت ہے
قدم سنبھل سنبھل کے اٹھاؤ بہت اندھیرا ہے

جہل کی دنیا ہے آج کی دنیا ندیم
چراغِ عقل جلاؤ بہت اندھیرا ہے

ندیم حیدرآبادی

ناوک حمزہ پوری

جشنِ آزادی

مبارک ہو عروجِ طالعِ بیدارِ آزادی
مبارک ہو یہ سرافرازئ دستارِ آزادی

مبارک ضوفشانئ مہِ رخسارِ آزادی
مبارک تابشِ خورشیدِ پُرانوارِ آزادی

مبارک ہمنواؤ! شوخئ گفتارِ آزادی
مبارک ہمنشینو! گرمئ بازارِ آزادی

مبارک شاہدو! پیغامِ وصلِ یارِ آزادی
مبارک عاشقو! دلجوئ دلدارِ آزادی

جہاں چاہو وہاں جاؤ جدھر چاہو ادھر چہکو
مبارک عندلیبو! رونقِ گلزارِ آزادی

نہ اب گلچیں کا کچھ ڈر ہے نہ اب صیاد کا کھٹکا
مبارک اہلِ گلشن، گلشنِ بے خارِ آزادی

مبارک ہو یہ لعلِ بے بہائے حریت لوگو
مبارک ہو یہ آبِ گوہرِ شہوارِ آزادی

نشاطِ یومِ آزادی مبارک بھائیو بہنو
مبارک ہو عزیزو جشنِ گوہر بارِ آزادی

بقائے باہمی کا درس دنیا کو دیا ہم نے
ہمیں یہ فخر ہے، ہم ہیں علمبردارِ آزادی

اہنسا کا اصولِ بے بدل دنیا کو بخشا ہے
زمانہ جانتا ہے، ہیں ہمیں معمارِ آزادی

دلوں میں موج زن حبِ وطن کا جوش ہے ناوک
خدا رکھے سلامت جذبۂ بیدارِ آزادی

نظم - قومی یکجہتی

جلیل ہمنا بادی

دل کو اک اخلاص کا مرکز بنانا ہے ہمیں
اجنبی لمحوں سے کچھ قربت بڑھانا ہے ہمیں

رس رہے ہیں زخم مرہم مانگتی ہے زندگی
زندگی کو رستے زخموں سے بچانا ہے ہمیں

پھول آوارہ ہیں تنظیمِ چمن بے ربط ہے
اک نئی ترتیب سے گلشن سجانا ہے ہمیں

دھوپ پی کر جی رہے کھیت اب کردار کے
کچھ نئے بادل محبت کے گرانا ہے ہمیں

اونگھتے ہیں نرم و نازک ذہن غنچے ان دنوں
اک نئے انداز سے ان کو جگانا ہے ہمیں

چاک ہوتے جا رہے ہیں پیراہن اخلاق کے
باوری تہذیب کو رستے پہ لانا ہے ہمیں

دور ہیں ٹھہرے ہوئے رشتے ابھی کچھ روٹھ کر
آج سمجھا کر انہیں منزل پہ لانا ہے ہمیں

گھر جلائیں گے تو خود بے آسرا ہو جائیں گے
آج ویرانوں کی تقدیریں جگانا ہے ہمیں

کارواں سے چھوٹ کر منزل بھی ٹھوکر کھائے گی
کارواں کے ساتھ قدموں کو اٹھانا ہے ہمیں

بات اپنے اور پرائے کی پرانی بات ہے
روٹھنے والوں سے ربط اپنا بڑھانا ہے ہمیں

شہر کے نازک سے دل پر آج جو اک خوف ہے
اس بھیانک خوف کو مل کر مٹانا ہے ہمیں

چھوڑ کر تفریق کی باتوں کو جنگل میں جلیل
شہر میں انسانیت کے مسکرانا ہے ہمیں

محمد محمود حامد

شعاعیں دھوپ کی اب ہار رہی ہیں
شفق کی سرخ کرنیں آ رہی ہیں
اندھیرا روشنی پر چھا رہا ہے
کوئی جاتے ہوئے ابھا رہا ہے
یہ سرخ آکاش جیسے آئینہ ہو
زمین کے خون کا عکس جواں ہو
یہ وہ خوں ہے جو نا حق بہہ رہا ہے
جو مظلوموں پر گذری کہہ رہا ہے
یہ وہ مظلوم بندے ہیں خدا کے
جنھیں لوٹا گیا رستہ دکھا کے
انہیں لوٹا ہے دولت کی ہوس نے
بہت روکا انہیں پھولوں کے رس نے
انہوں نے مندر و مسجد کو توڑا
اجالا زندگی سے چھین ڈالا

بھلا یہ رام کیسا، کیسا رب ہے
کسی نے بھی نہ سوچا کیا یہ سب ہے
اذاں اور شنکھ کی آواز ابھری
ابھر کر عرش کی بالیں پہ پہونچی
ندائے حق بھی آخر گونج اٹھی
فضا میں دور اور نزدیک پھیلی
کہا۔ ٹھہرو ذرا اے میرے پیارو!
میری دنیا کے اے تازہ اجالو!
میں کیا ہوں، کون ہوں کیسے بتاؤں
تمہارے سامنے میں کیسے آؤں
مجھے گر دیکھنا ہے تم کو مقصود
رہوں گا ہر جگہ یوں ہی موجود
یہ مندر اور مسجد ہاتھ میرے
یہ ملّا اور پجاری یار میرے

ہے میرا گھر تمہارا قلب بسمل
میں بے گھر ہوں جو ٹوٹے کوئی بھی دل
میری آنکھوں کو تم نے پھوڑ ڈالا
جو بوڑھی ماں کے سر کو توڑ ڈالا
جو دکھ سے چیخا تم چپا ہو چھڑا
خود اپنے زخم پر مرہم لگانا
وہ مرہم جو لگا میرا کے دل پر
ملا منصور کو جو دار چڑھ کر
محبت اور قربانی کا سنگم
تڑپتے قلب انسانی کا ہمدم
اذاں اور شنکھ جب مل کر چلے گی
دلوں میں شمع الفت کی جلے گی

خبریں تصویروں میں

شری بی۔ پی۔ منڈل صدر نشین پسماندہ طبقات کمیشن نے چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی سے ۲۸ جولائی
کو ناکہ میں ملاقات کی۔

چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے ۰ جولائی ۱۹۸۰ء کو حیدرآباد میں بھاگیہ لکشمی (اے پی
اسٹیٹ لاٹری) کا افتتاح کیا۔

مسٹر جی۔ سری راملو نائیڈو وزیر بہبودی پسماندہ طبقات ۲۱ جولائی کو درج فہرست اقوام، درج فہرست قبائل اور
پسماندہ طبقات کارپوریشن کے ایکزیکٹیو افسروں کی ریاستی کانفرنس کو مخاطب کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ۲۵ جولائی کو جوبلی ہال میں "بھینسوں کی افزائش"
کے موضوع پر منعقدہ قومی سمینار کا افتتاح کیا۔ شری بی رام دیو وزیر افزائش مویشیاں نے صدارت کی۔

تعلقات عامہ کے موضوع پر آندھرا پردیش میں منعقد ہونے والی پہلی کانفرنس وزیر اطلاعات شریمتی
ایم سرو جنی پلا ریڈی نے کانفرنس کی جانب سے شائع کردہ ایک رسالے کی رسم اجرا انجام دی۔

شریمتی رام دولاری سنہا مرکزی وزیر مملکت برائے اطلاعات و نشریات نے ۱۴ ر جولائی کو حیدرآباد کا دورہ کیا۔ شریمتی بی سروجنی پلا ریڈی وزیر اطلاعات، و بلدی نظم و نسق اور مسٹری اے دیر پا وزیر اسمال اسکیل بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔
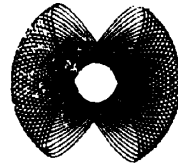
مسٹر کے سی ابراہام گورنر آندھرا پردیش نے ۱۶ ر جولائی کو ڈائرکٹریٹ آف ایڈورٹائزنگ اینڈ ویژول پبلسٹی کی جانب سے کلا بھون میں منعقدہ نمائش "ہم ایک ہیں" کا شمع جلا کر افتتاح کیا

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ۲۴ ر جولائی ۱۹۸۰ء کو آر۔ ٹی۔ سی بس کے کرایہ سے متعلق تبادلہ خیال کرنے کے لئے اپوزیشن قائدین سے ملاقات کی۔

۱۴ جولائی ۱۹۸۰ء کو صدر جمہوریہ ہند کی حیدرآباد ایرپورٹ پر آمد

چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے ۲۶ر جولائی کو پریس کلب میں نیوز اینڈ سرویسس سنڈیکیٹ کا شمع روشن کر کے افتتاح کیا
صویر میں شریمتی سروجنی پلا ریڈی وزیر اطلاعات، شری بنود رائے مشیر محکمۂ اطلاعات، اور شری لکشما ریڈی ایڈیٹر این ایس ایس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

۲۴ر جولائی کو سکریٹریٹ میں چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی اپوزیشن قائدین سے آر ٹی سی بسوں کے کرایہ میں اضافے
کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں، مجوزہ اضافہ کرایہ فی الحال واپس لیا گیا ہے
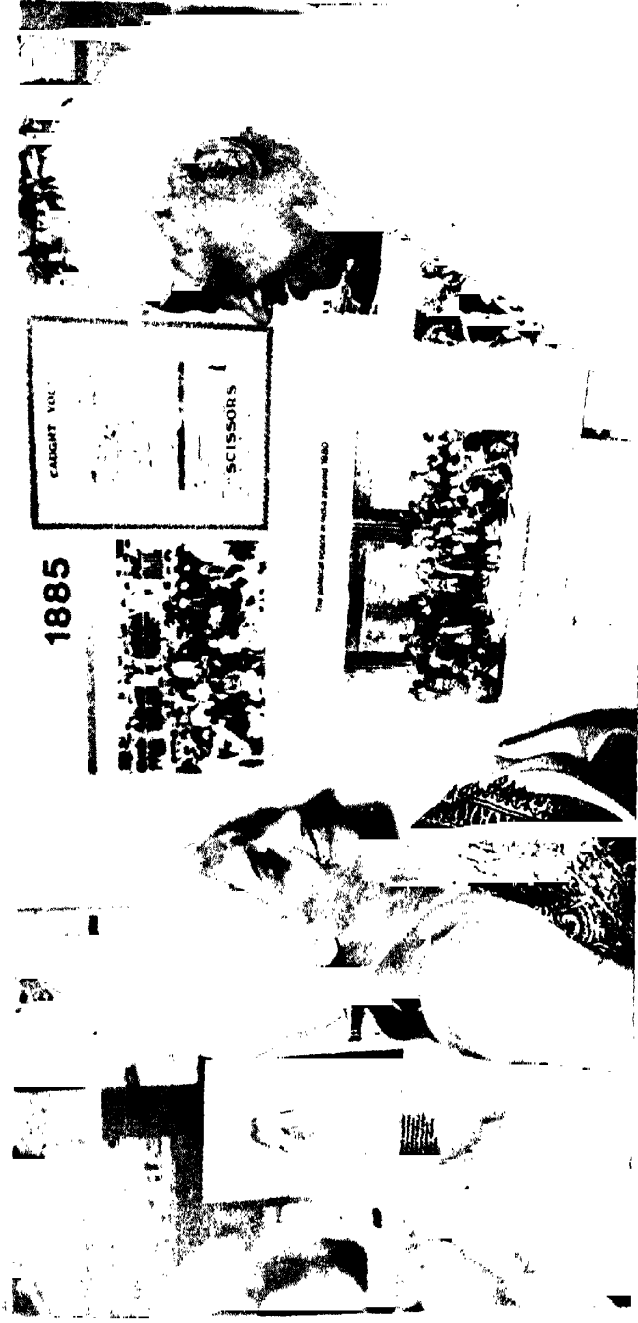
وزیر اطلاعات شریمتی بی سروجنی پلاریڈی نے کلا بھون میں السٹریٹیڈ ویکلی کی تصاویری نمائش کا ۱۳ رجولائی کو افتتاح کیا۔ ایڈیٹر مسٹر ایم وی کامتھ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

آندھرا پردیش

ماہ ستمبر سنہ ۱۹۸۰ ع

۵۰ پیسے

اردو ماہنامہ

چیف ایڈیٹر: وی وی مانکیالا راؤ

ایڈیٹر

ملک محمد علی خان

ستمبر ۱۹۸۰ء

بھدرا - اسون سمہ ۱۹۰۲

جلد نمبر: ۲۵ ● شمارہ: نمبر ۶

ترتیب

● سرورق کا پہلا صفحہ
دریائے کرشنا کے کنارے شہر وجے واڑہ کا ایک منظر

● سرورق کا دوسرا صفحہ
آندھرا مہا وشنو مندر سریکاکلم

● سرورق کا تیسرا صفحہ
کنکا درگا مندر - وجے واڑہ

● سرورق کا چوتھا صفحہ
پرکاشم بیاریج وجے واڑہ

● اِس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

● زرِ سالانہ: ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے - زرِ سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے - منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے

● مضامین بھیجنے کا پتہ - ایڈیٹر اردو ماہنامہ "آندھرا پردیش" محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ، گرہ کلپا، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی)

● ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ● طباعت: گورنمنٹ سنٹرل پریس، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

ماہنامہ "آندھرا پردیش" اردو ماہ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء سے فوٹو آفسیٹ طباعت اور
خوبصورت کتابت سے مزین کیا گیا ہے
اردو حلقوں میں اس تبدیلی پر حوصلہ افزاء خیر مقدم و مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے
بعض خامیوں و کوتاہیوں کو ہم بلا عذر قبول کرتے ہوئے
آئندہ پرچہ کو جاذب نظر اور معیاری بنانے کا عہد کرتے ہیں۔
گذشتہ ماہ ہمارے شہر میں بونال کے مختلف جلوسوں، عیدالفطر کے موقع پر لاکھوں مسلمانوں کی ادائیگی نماز کے
پرشکوہ مناظر اور دیگر تقاریب میں ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کا جو نمونہ پیش کیا گیا
وہ ہماری تہذیب کا امتیازی نشان ہے۔
ریاستی حکومت عوام کی ترقی و خوشحالی کے لئے مختلف اقدامات کر رہی ہے اور بالخصوص پچھڑے ہوئے طبقات،
ہریجنوں اور معاشی طور پر پسماندہ طبقات کی بہبود و ترقی کے لئے
مختلف اسکیمات پر عمل کر کے راحت پہونچا رہی ہے
وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام اور آنجہانی سنجے گاندھی کے ۵ نکاتی پروگرام پر
ہماری ریاست میں کامیاب عمل آوری جاری ہے۔
ہمارے شہر میں "سٹ ون" جیسے فعال اور کارکرد ادارے کی سرگرمیوں سے
شہریوں اور بالخصوص اقلیتوں میں خوشی و مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔
ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عیدالفطر کی مبارکباد دیر سے سہی پیش کرتے ہیں۔

ملک محمد علی خان

دریائے کرشنا دینی ماتا کا شفاف پانی پگھلے ہوئے آئینہ کے مثل ہے جو آندھرا کی قدیم تہذیبوں کو منعکس کرتا ہے۔ اس دریا کے سینہ میں نہ جانے کتنی محبتیں، قہقہے اور رنج والم کے قصے پوشیدہ ہیں۔

اپنے محبوب و عاشق "ساگر" کی ہم آغوشی کے اشتیاق میں رواں دواں یہ دریا ایک مشفق اور حیات آفریں ماں کی مانند اپنے اطراف و اکناف کی سنہری زمین پر اپنی گھنی زلفوں کے سایے سے تسکین پہنچاتی اور اسے زندگی بخشتی جاتی ہے۔ اس دریا کے ہر دو کناروں پر تاریخ کی تشکیل ہوئی اور روایات نے جنم لیا ہے۔ اس دریا نے اپنے پُرپیچ و پُرخم سفر کے دوران بہت سی تہذیبوں کو ابھرتے اور ختم ہوتے دیکھا ہے اور بہت سے پُرہیبت اور پُرجلال شاہنشاہوں کی تباہی کا اس نے مشاہدہ کیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جبکہ اس کے کنارے ہنسوں کا جزیرہ آباد تھا جہاں افسانوی اور دیومالائی ہنس آیا کرتے تھے۔ اس دریا کا مقدس پانی جس جگہ سمندر کی پانی سے ہم آغوش ہوتا تھا وہاں کوئے نہا لیتے تو ہنسوں کی طرح اُجلے اور سفید

ہو جاتے تھے ۔ آج بھی یہ "ہنسوں کا جزیرہ" اداتی گڈہ سے ۱۳ میل کے فاصلہ پر اُپّی پالم کے ایک قریے کی حیثیت سے موجود ہے جسے "ہمسلہ دیوی" کہتے ہیں ۔

اِسی مقدس دریا کرشنا ندی کے کناروں پر ہی "پالناڈو" کے مقام پر دوسری مہابھارت کی جنگ "ادھرم" کے خلاف بھائیوں کے درمیان لڑی گئی ۔

اِسی کرشنا کے کناروں پر "ستواہنون" اکشواکشوں - وشنوکونڈاں اور بہادر ریڈی شاہنشاہوں نے عظمت وجلال کے ساتھ حکمرانی کی اور یہیں انکی شان وشوکت کا سورج غروب ہوا ۔

مورخ لانگھرسٹ کے بموجب عہد قدیم میں دریائے کرشنا بہت بڑا تھا جس میں سال کے پورے بارہ مہینے آسانی کے ساتھ سمندر تک جہازرانی کی جاتی تھی ۔ یونانی دریائے کرشنا کو "مائسولس" کے نام سے جانتے تھے چنانچہ مورخ "ٹولیمی" نے کرشنا ڈیلٹا کو "مائسولیا" کہا ہے ۔ مورخ "پیرپلس" ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے "مائسولیا" کے زرخیز علاقے کا ذکر کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ وہاں ململ (MUSLIN) کا کپڑا تیار ہوتا تھا ۔ گمان غالب ہے کہ مسولی پٹنم کا نام اِسی لفظ کی مناسبت سے پڑگیا ہوگا ۔

دریائے کرشنا کے راستے ہی سے آندھراؤں نے انڈونیشیا کو اپنی نوآبادی بنایا تھا ۔

سری کاکلم، دھرنی کوٹا، بھٹی پرولو، اور وجیاپوری کے شہر جو اپنی چہل پہل اور جاہ کے اعتبار سے سلطنت موریہ کے شہروں کے ہم پلہ تھے اِسی دریا کے کناروں اپنی رونق بتاکر وقت کے پہیوں کی گردش کے ساتھ ساتھ گمنامی کے شکار ہوگئے ۔

میگاستھینز عہد موریہ کے ہمعصر آندھراؤں کی قوت وطاقت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ پیدل فوج ... ۲ گھوڑ سوار ایک ہزار ہاتھی اور فصیلوں پر ۳۰ شیر تھے ۔

سنکرنی دوم نے "دواشومدھ یگیہ" اور ایک "راجہ سویا یگیہ" منایا اور اپنے رعب و دبدبے کے باعث وہ "دکھشنا پتا پتی" کہلاتا تھا "پیولومائی اول" نے ۲۸ ق م میں "سیوسرمن" پر حملہ کیا اور گدھا پر قبضہ کرلیا اور اس طرح "کنوا" اقتدار کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ۔ "گوتمی پتر ستکرنی" کے ہاتھوں "ساکا" ۔ "یادنا" اور "پہلوا" سلطنتیں تاراج ہوئیں ۔

دریائے کرشنا اپنا سفر سطح مرتفع مہابلیشوا کے شمالی حصے سے شروع کرتا ہے جو بحیرۂ عرب سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ریاست مہاراشٹرا میں پہاڑیوں کے سلسلۂ مغربی گھاٹ میں واقع ہے ۔ ضلع ستارا میں اپنی روانی رکھے دوران یہ دریا مغربی سمت سے آنے والی ندیوں "ینا" اور "کوئنا" کو ہم آغوش کرلیتا ہے ۔ سانگلی کے مقام پر "درنا" ندی اس میں آملتی ہے اور "کدواڑ" میں "پنچ گنگا" ندی اس دریا سے حاصل ہوتی ہے ۔ پھر یہ دریا مشرق کی جانب مڑ جاتا ہے اور بدگام سے گذرتا ہے ۔ بیجاپور کے مقام پر "گھٹا پربھا" اور "مالا پربھا" جو پہاڑی سلسلہ مغربی گھاٹ سے بہہ کر آنیوالی ندیاں ہیں اپنا پانی اس دریا میں سمو دیتی ہیں ۔ آگے بڑھکر دریائے کرشنا پورے غیض وغضب کے ساتھ، ایک بلند سطح زمین سے گرکر شولاپور اور رائچور کے دوآبے میں چنگھاڑتا ہوا اور کہر کے بادل فضا میں بکھیرتا ہوا داخل ہوتا ہے ۔ "بیانیر" "بھیما" اور "تنگبھدرا" اس سے آملتے ہیں ۔ ان سب ندیوں کو اپنے میں مدغم کئے ہوئے یہ عظیم دریا ضلع محبوب کے تعلقہ مکتھل کے راستے ریاست آندھرا پردیش میں داخل ہوتا ہے ۔ آندھرا میں آنے کے بعد اس میں "ڈنڈی" ۔ "موسی" پالیرو اور مانیرو ندیاں شامل ہوجاتی ہیں ۔ پھر یہ دریا ایک رقاص کی پھرتی اور تیزی بتلاتے ہوئے بڑی سرعت کے ساتھ مڑجاتا ہے اور اضلاع کرشنا وگنٹور کی قدیم بستیوں دھنا کٹکا اور امراوتی میں سے بہتا ہے ۔ پلی گڈا کے مقام پر اس دریا کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں جن سے جزیرۂ دیوی کی تشکیل ہوتی ہے پھر ۱۴ کیلو میٹر آگے بڑھنے کے بعد اس کی مزید تین شاخیں بن جاتی ہیں اور آخر کار مچھلی پٹنم کے قریب سمندر میں جاگرتا ہے ۔

یہ مقدس دریا قدیم زمانے سے اب تک متعدد ناموں سے

پہچانا جاتا رہا ہے: "کنا بنّا" "کرشنا دینّا" "کرشنا بنّا" کرشنا دینا - کرشنا دیّنی اور بعض اوقات اسے "وِنّا" یا دیّنی بھی کہا گیا ہے۔ چونکہ کتبات میں اس دریا کا نقطۂ آغاز "ساہیا درس" بتایا گیا ہے اسی لیے اسے "ساہیا جہ" یا "ساہیا پتری" بھی کہا جاتا تھا۔ پرانوں میں اس کا ذکر "وینیکا" اور "کرشنا وینکا" کے ناموں سے بھی کیا گیا ہے۔

کرشنا جنوبی ہند کا گوداوری کے بعد سب سے بڑا دریا ہے اور تین ریاستوں یعنی مہاراشٹرا، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں سے گذرتا ہوا ۱۴۰۰ کیلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد خلیج بنگال میں جا ملتا ہے۔ آندھرا پردیش میں اس کا طول ۷۲۰ کیلومیٹر اور اس کے تاس کا رقبہ ۲۹۱۰۰ مربع کیلومیٹر ہے جو گوداوری کے رقبۂ تاس کے مقابلے میں کچھ ہی کم ہے۔

دریائے کرشنا کے کنارے سریکاکلم کے مقام پر "آندھرا وشنو" کا ایک مندر ہے جس سے تاریخ و روایات وابستہ ہیں اور جو ایک عظیم اور شاندار ماضی کی شہادت دیتا ہے۔ "برہما نندا پران" میں "نردا سمہیتا" کے بموجب یہاں نو برہمن یعنی "بھریگو" - "پُلستیا" - پُلّاہو - اگنی واسا - اتری - سراتو دکشا - وسشتھا اور مریچی نے تپسیا انجام دینے کے بعد مہا وشنو کی مورتی کو نصب کیا۔ مہا وشنو نے عہد کیا کہ وہ آندھراؤں (آندھرا نائیکا) اور آندھرا وشنو کی رہنمائی کے لئے یہاں اپنا قیام برقرار رکھیں گے۔

روایتی طور پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ آندھرا وشنو کا مندر ایک راجہ ساسی بندو نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ راجہ "چترتھا" کا بیٹا تھا۔

مورخین کا خیال ہے کہ آندھرا لوگ خود کو ساکاؤں کی قوت اور طاقت کی مدافعت کرنے کا اہل نہ پاکر علاقہ مہاراشٹرا کو چھوڑ کر سمندرا کی قیادت میں دریائے کرشنا کے کنارے آباد ہوگئے اور سریکاکلم کو اپنا دارالحکومت بنا کر اس علاقے میں اپنی حکمرانی قائم کرلی۔ آندھرا وشنو اسی سمندرا کا بیٹا تھا۔

آندھرا وشنو نے ناگا سلطنت کے راجہ "پردتیا آندھرا سمبھدو" پر فتح حاصل کرکے علاقہ آندھرا میں ناگا حکومت کا خاتمہ کردیا۔

"ولبھا ابھیودیا مو" جو بعد میں لکھا ہوا "سریکاکلا مہاتیم" کا تلگو نسخہ ہے، میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرقی چالوکیہ سلطنت کے راجہ "اننت پالا" نے جو زرسمہا اول کا رضاعی بھائی تھا "بھگوان تلگو ولبھا" کے لئے ایک مندر تعمیر کروایا تھا۔ "سکندا پرانا" کے باب "ساہیادری کھنڈا" میں تحریر ہے کہ رشی "اگستیا" نے اس مندر میں سری مہا وشنو کو نذر عقیدت پیش کرنے کے لئے "سریکاکلم" کی یاترا کی تھی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کرشنا کے کنارے پر کئی مقدس "تیرتھم" جیسے "دیوا ھرادم" - "برہما ہرادم" اور "اہرادم" اور "چکرا تیرتھم" واقع تھے۔ "کاسولا پروشوتما" کوی نے تلگو میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں بھگوان آندھرا وشنو کی تعریف میں ۱۰۸ قطعات تھے۔ اس تصنیف کا نام "آندھرا نایکا ستکم" تھا۔

"ستواہنوں" کے بعد یہ مندر کھنڈر بن گیا اور وہاں پوجا پاٹ بند ہوگئی مندر کی مورتی کچھ عرصہ تک کولورو میں "کوچی بھوٹلا" خاندان کے ایک گھر کے پچھلے حصے میں پڑی رہی۔ بعد میں "ڈنڈا پالا" نامی ایک براہمن نے مورتی کو واپس لاکر مندر میں نصب کیا اور پوجا پاٹ کا انتظام کیا۔

راجہ کرشنا دیورایا نے فتح کلنگ کے موقع پر اس مندر کی زیارت کی پوجا انجام دی۔ خود آندھرا ولبھا نے اسے "امکتا ملیاد" لکھنے کی تاکید کی۔ اس نے مندر کی دیکھ بھال کے لئے کئی گاؤں بھی عطا کیے۔

ستواہنوں نے کرشنا کے کنارے سے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ۴۰۰ سال حکمرانی کی۔ ستواہنا راجاؤں کو موریہ سلطنت کے زوال کے بعد عروج حاصل ہوا تھا۔ پہلے ان کا صدر مقام سریکاکلم تھا پھر "امراوتی" اور "دھا نکٹکا" انکی راجدھانیاں بنے۔ گوکہ یہ راجہ برہمنی مذہب کے پیرو تھے لیکن ان کے دور میں بدھ مت بھی پھولتا پھلتا رہا۔ امراوتی کا استوپا جو انہیں کے دور میں تعمیر ہوا فن سنگ تراشی کا ایک نادر نمونہ ہے۔

اکشاوکوں نے دوبارہ آندھراؤں کی حکومت قائم کی۔ ان راجاؤں کو پرانوں میں "سری پرواتیا" اور "آندھرا بھرتیا" کہا گیا ہے۔ ان کی حکومت ایکسو سال سے کچھ کم عرصہ تک قائم رہی۔ دریائے کرشنا کے کنارے واقع وجیا پوری ان کی راجدھانی تھا۔ مہایانا عقیدہ کا بانی اچاریہ ناگرجونا اس دور کا بزرگ تھا۔ اکشاوکوں کی سلطنت قائم کرنے والے پہلے راجہ واستی پترا چنتا مولا نے ستواہنا راجاؤں کی مانند اشو مدھ یگیہ بھی منایا تھا۔

اس کے بیٹے "ویر وبکشا دتا" نے اجین کی ایک سالکا نبہرادی سے شادی کی تھی - ویر وبکش بتا کی پھوپی نے عظیم بدھی اچاریہ کی باقیات پر ناگر جونا کونڈا میں ایک اسنوپا، محرابی منادر، دہارا اور منڈپا تعمیر کرائے تھے - چین، سیلون، دراناسی، کشمیر، گندھارا، سونگا، توسالی، اپارنتا، یادنا اور ڈرامیلا سے طلباء یہاں کے بدھی تعلیمی اداروں میں حصول علم کے لئے آتے تھے - اکشا دکون کے بعد "دشنو کنڈا" راجاؤں نے اس علاقے پر حکومت کی - انہوں نے "موگل راجہ پورم" اور "اونڈاوتی" کے مقامات پر جو دریائے کرشنا کے کنارے آباد تھے متعدد مندر تعمیر کرائے -

دریائے کرشنا کے کنارے وجئے واڑہ کے قریب چالوکیاؤں "اور "چولا" راجاؤں میں آندھرا سلطنت پر اقتدار کے حصول کے لئے گھمسان کی جنگیں لڑی گئیں -

"جنانا تھا راجا ماین" اور "جنا راسن" کی زیر کمان ایک بھاری تعداد والی فوج میں اور "ویرادا جندرا" کی فوج میں ایک خطرناک جنگ ہوئی - راجندرا نے مخالفین کو جنگلوں کی سمت مار بھگایا اور اپنے فوجیوں کو ان کے تعاقب کے لئے روانہ کیا جنہوں نے "چترکوٹا" مقام کے بعد تک بھاگتی ہوئی فوجوں کا پیچھا کیا - راجندرا نے اس جنگ کے نتیجے میں فتح کیا ہوا "ونگی" علاقہ "وجیا دتیا" کو عطیے میں دیدیا -

اسی دریا کے کناروں پر بھائیوں کے درمیان "پالاناڈو" کی جنگ لڑی گئی جسے "آندھرا بھارتم" کا نام دیکر بھاٹ گویوں نے رزمیہ گیت لکھے جو ایک عرصے تک گائے جاتے رہے - یہیں پر "براہمانائیڈو" نے ۱۲ - ویں صدی کی ابتداء میں پہلی مرتبہ ہریجنوں کے لئے مندروں کے دروازے کھولدیے تھے - اور تمام ذاتوں کے لوگوں کے لئے "چاپا کوڑو" - یعنی اجتماعی طعام کا اہتمام کیا تھا - بھاٹ گویوں نے اپنے گیتوں میں پالاناڈو کی جنگ کو دھرمیوں اور ادھرمیوں کے درمیان لڑائی ظاہر کیا ہے لیکن مورخین کا خیال ہے کہ یہہ جنگ وشنو پرستوں اور شیو پرستوں کے درمیان ہونے والی فرقہ داری لڑائی تھی -

یہہ دریائے کرشنا ہی تھا جس کے کناروں پر بہمنی بادشاہوں اور وجیانگر راجاؤں کے درمیان تالی کوٹا کی مشہور جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں "ہری ہرا" اور "بکا" کی قائم کردہ سلطنت کا سورج غروب ہوا -

وجئے واڑہ سے ۱۸۰ میل کے فاصلے پر واقع "پاری تالا" جو قدیم زمانے میں "پرتی یالا" کے نام سے جانا جاتا تھا ہیروں کی کانوں اور تجارت کے لئے مشہور تھا - کوما راجو لکشمنا راؤ کی کتاب محمدیہ مہا یوگم کے بموجب یہاں کی کانوں سے میر جملہ نے (۱۷) قیمتی ہیرے جمع کرکے گولکنڈہ کے بادشاہ ابوالحسن کو پیش کئے تھے - باور کیا جاتا ہے کہ مشہور زمانہ "کوہ نور" ہیرا میر جملہ کو یہاں کی ہی کانوں سے دستیاب ہوا تھا - اپنی ایک اور تصنیف "آندھرا چرترا پورد ایوگمو" میں بھی لکشمنا راؤ نے دریائے کرشنا کے ساحل میں "دھن کٹکا" کے قریب ہیروں کی کانوں کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے -

"ویرت پوتولوری ویرا برہمم" نے یہہ اعلان کیا تھا کہ وہ دوبارہ جنم لینے کے بعد "پاری تالا" کے ایک بڑے ہیرے سے تیار کردہ تخت پر بیٹھ کر ملک پر حکومت کریں گے -

دریائے کرشنا کے کناروں پر بہت سے اہم مندر واقع تھے - سری سیلم میں واقع "ملک ارجنا" مندر ملک کے "دوادسا لنگون" میں سے ایک ہے - یہاں پر "ہیرنیا کسیپو" نے "کریتا یوگا" میں راما نے "تریتا یوگا" میں اور پانڈوؤں نے "دواپرا یوگا" میں پوجا کی تھی - "ادی شنکرا" نے یہاں لارڈ ملک ارجنا کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا تھا -

سری سیلم کے شمال مشرق میں "سنگا میشورم" کا مندر واقع ہے - دریائے کرشنا اور تنگبھدرا کے سنگم کو شیوا اور وشنو کے ملاپ کا مقام کہا گیا ہے - "کدالی سنگا میشورم" عہد چالوکیہ کا ایک اہم مقام ہے ضلع محبوب نگر میں عالم پور کو "دکشنا کاشی" کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے باور کیا جاتا ہے کہ اس مقام پر "برہمیشورا لنگا" کو خود "برہما" نے نصب کیا تھا -

اس حیات افروز دریا کی ابتداء سے متعلق روایات حکایات کا کثیر ذخیرہ پایا جاتا ہے -

ایک روایت یہہ ہے کہ برہما جب "سا ہیادری" پر قربانی دینا

چاہتے تھے تو "سرسوتی" وقت پر موجود رہنے میں ناکام رہیں چنانچہ شیوا اور وشنو نے مشورہ دیا کہ برہما اپنی دوسری زوجہ گیاتری کو قربانی کی رسومات میں سرسوتی کی بجائے ساتھ لیں۔ اس بات نے سرسوتی کو غضبناک کر دیا اور اُنھوں نے وہاں پر موجود تینوں دیوتاؤں اور حاضرین کو دریاؤں میں مبدل کر دیا۔ وشنو دریائے کرشنا بن گئے۔ شیو دریائے "وینی" ہوگئے اور برہما نے "ککڑمتی" کی شکل اختیار کرلی۔ قربانی کی تقریب میں شریک رشی منی چھوٹی چھوٹی ندیاں بن گئے جو کرشنا میں آکر ملتی ہیں۔

ایک دوسری روایت یہہ ہے کہ آخری طغیانی وطوفان کے بعد جب وشنو نے برہما سے دوبارہ تخلیق کے لئے درخواست کی تو برہما نے خواہش کی کہ وشنو کوئی ایسا طریقہ بتائیں جس سے کلیوگا کے گناہوں کو دھویا جاسکے وشنو نے خود اپنے جسم میں سے ایک خوبصورت عورت برآمد کی اور برہما سے کہا کہ وہ اس عورت کو "کلیوگا" کی آمد تک محفوظ رکھیں۔ سا ہیا دری پہاڑی نے ایک رشی کی شکل میں تپسیا کر کے وشنو سے یہہ آشیرواد حاصل کرلیا کہ کرشنا اس کی گود سے جاری ہوگی۔ شیو نے بھی اُس کے کنارے سکونت اختیار کرلی

دریائے کرشنا کے راستے پر ۶۰ کی تعداد میں "تیرتھم" اور اس تعداد سے کہیں زیادہ "کیشترم" ہیں جن میں سے چند اہم کے نام یہہ ہیں سری سیلم میں ملکارجونا کیشترم - وجئے واڑہ میں کنکا درگا کیشترم، کتیالا میں مکتیشورا کیشترم - امراوتی میں امرارم - منگلاگیری میں نرسمہا کیشترم چلوو ورو میں ابھایا رمیشورم - کوٹی پلے میں ابھایا - سنگمیشورم اور دیکانور میں ابھایا ملتیشورم -

دریائے کرشنا میں اشنان کرنے سے پورے پاپ دھل جاتے ہیں۔

قدیم زمانے میں ایک قحبہ بنارس میں رہتی تھی - اپنے رات کے گناہوں کو دھونے کے لئے وہ صبح میں گنگا میں اشنان کیا کرتی تھی۔ گنگا اس کے گناہوں کو دھوتے دھوتے خود اتنی آلودہ ہوگئی کہ اس میں مزید گناہوں کے دھلنے کی گنجائش ختم ہوگئی۔ چنانچہ یہہ قحبہ روز صبح میں اپنے رات کے گناہوں کو دھونے کے لیے کوا بن کر اشنان کرنے دریائے کرشنا کو اڑکر جایا کرتی تھی اور اشنان کے بعد ہنس کے مانند پاک وشفاف واپس ہوا کرتی تھی - اس حکایت سے دریائے کرشنا کے تقدس سے متعلق لوگوں کے اعتقیدہ کا اظہار ہوتا ہے۔

جگیاپیٹ کے قریب ویداوری میں ایک "ینچا نرسمہا کیشترم" واقع ہے جسمیں بھگوان نرسمہا کے پانچ روپ موجود ہیں جن کے بارے میں یہہ یقین کیا جاتا ہے کہ انہیں "رشیا سرنگا" نامی ایک رشی نے نصب کیا تھا۔

دریائے کرشنا کے کنارے واقع "کیشتروں" کے تقدس اور عظمت کے بارے میں بھی متعدد حکایات وروایات زیرگشت ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک برہمن یعنی "راون" کو قتل کرنے کا پاپ جو رام چندرجی سے سرزد ہوا تھا، اس کے پراکشٹ کے طور پر وہ مختلف مقامات پر شیوجی کے لنگ نصب کرتے ہوئے دریائے کرشنا کے کنارے "چیلومورو" کے مقام کو پہنچے - انہوں نے "ہنومان" کو ایک لنگ لانے کے لئے بنارس روانہ کیا لیکن ہنومان کسی وجہہ سے مقررہ مبترک وقت تک لنگ لیکر واپس نہ آسکے - چنانچہ سیتاجی نے اس عرصے میں جو لنگ تیار کیا تھا اُسے نصب کردیا گیا۔ ہنومان جب لنگ لیکر واپس ہوئے تو دوسرے لنگ کو نصب دیکھ کر انہیں غصہ آگیا - رام جی نے ہنومان کے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور اُن سے کہا کہ وہ اُن کے لائے ہوئے لنگ کو دریائے کرشنا کے پار پھینکیں۔ ہنومان کا پھینکا ہوا لنگ "ایالورو" کے مقام پر گرا - رامچندرجی نے حکم دیا کہ درمیانی علاقہ کو "راماکیشترا" کے نام سے منسوب کیا جانا چاہیئے -

بعد کے کسی زمانے میں چولا خاندان کے راجہ "کاریکلا" کو شیوجی نے ان دونوں "لنگوں" پر مندروں کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس حکم کی تعمیل میں راجہ نے مندر تعمیر کرا دیے -

"ایالورو" مندر کے بارے میں سو سال پرانی ایک اور دلچسپ حکایت بھی مشہور ہے۔ طاقتور کسانوں کا ایک گروہ مندر کو وقف کردہ زرخیز اراضیات کو ہڑپ کرجانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اراضیات پر اپنا حق ملکیت جتاتے ہوئے انہوں نے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا جس کا مرافعہ بعد میں ہائی کورٹ

ہو گیا۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے جب کسانوں کی موافقت میں فیصلہ لکھنا شروع کیا تو کاغذ پر روشنائی بکھر گئی۔ انہوں نے دوبارہ فیصلہ تحریر کرنا شروع کیا تو قلم اُن کے ہاتھ کی گرفت سے نکل نکل جانے لگا۔ مجبوراً چیف جسٹس نے فیصلہ لکھنا ملتوی کر دیا۔ رات میں انہوں نے خواب میں دونوں مندروں اور بھگوان کرشن کو دیکھا۔

دوسرے دن چیف جسٹس کسی کو خبر کیے بغیر متعلقہ موضع کو گئے اور حقیقت حال کی چرواہوں اور غریب کسانوں سے دریافت کے بعد معلوم کر لیا کہ متنازعہ اراضیات اور درخت مندر کی ملک ہیں اور زمیندار ان اراضیات کو غصب کر لینا چاہتے ہیں۔ جج صاحب کو جب واقعات کا علم ہو گیا تو انہوں نے صحیح فیصلہ دیا۔

ویدادری سے چار میل کے فاصلے پر مکتیشورم واقع ہے جس کی بنیاد "کاکتیاؤں" نے رکھی تھی۔ مکتیسورم کا مندر جس میں ایک لنگ ایک نندی اور پاروتی کی مورتی ہے عظیم قدر و منزلت کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ "متیالمّا" کا مندر، چناکیسوا کا مندر اور "انجینیا" کا مندر بھی یہاں کے اہم منادر ہیں۔

دریائے کرشنا یہاں شمال کی جانب بہتے ہوئے مندروں کے اس خطۂ ارض کی تقدیس و تبرک میں اضافہ کرتا ہے۔

اس دریا کے کنارے وجئے واڑہ آباد ہے جو ہندوستان کے بڑے ریلوے جنکشنوں میں سے ہے اور ایک بڑی اور مصروف تجارتی مرکز ہے۔ اس شہر میں پھیلے ہوئے نہروں کے جال کے باعث اسے مشرق کا "وینس" کہا جاتا تھا۔ مقدس کرشنا کے کنارے آباد ہونے کے علاوہ اس شہر میں "کنکا درگا" کا بلند مرتبہ مندر بھی موجود ہے جو "اندرکلادری" پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پہاڑی پر "ارجن" نے شیوجی کو خوش کرنے کے لئے تپسیا کی تھی۔ وجئے واڑہ اپنے اطراف پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے سبب فصیل سے گھرا ہوا ایک شہر معلوم ہوتا ہے۔ "اندرکلادری" پہاڑی پر ارجن کی تپسیا کے واقعہ کو بھاروی کے "کرتارجونیا" نے اپنے اشعار کے ذریعہ حیات جاوید عطا کر دی ہے۔ شہر وجئے واڑہ ۶-ویں صدی عیسوی سے آباد رہا ہے اور ایک زمانے میں وشنوکنڈہ راجاؤں کا پائے تخت بھی رہ چکا ہے۔ ستواہنا خاندان کے دور کے بعد سے یہ شہر وجیا واڑہ - وجیاوادا - وجیا واتیکا اور بیجواڑہ جیسے کئی ناموں سے پہچانا جاتا رہا ہے۔ مشہور عالم دیوی نرسمہا چارلو کا بیان ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس شہر کے نام یہ بھی رہے ہیں: بیجاپورم، کنکا پربھا، کنکا پورم کنکا واڑہ بجاپوری، وجیا پوری اور پھالنگا کیشترم۔

وجئے واڑہ کے قریب واقع پہاڑیوں کا ذکر کرتے ہوئے ہیون سانگ لکھتا ہے کہ یہاں کی خانقاہیں پہاڑی روحوں کے خوف سے ویران پڑی ہیں۔ اس شہر کے جنوب میں واقع پہاڑیوں پر "آسورا" کے محل میں "بھاوادیونگا" قیام پذیر ہے اور اسے "میتریا بدھستوا" کی آمد کا انتظار ہے جو اپنے پورے گیان کے ساتھ وارد ہوں گے۔"

مغربی پہاڑی پر دو پتھر کے مجسمے ہیں جو شاید جینی عہد کے ہیں۔ یہاں پر کھدائیوں سے پتہ چلا ہے کہ موجودہ شہر کے نیچے ایک قدیم شہر بھی موجود تھا۔ ۱۲۰۱ء عیسوی میں گنپتی دیوا نے بیجواڑہ پر ایک طاقتور فوج سے حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی فتح مند فوجوں کے ساتھ "دیوی" کی سمت آگے بڑھ گیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وجئے واڑہ کی پہاڑیاں دریائے کرشنا کی سمندر تک روانی میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ اس لیے دیوتاؤں نے بھگوان ملیشور اور دیوی کنکا درگا سے پرارتھنا کی کہ دریا کو سمندر تک بہنے دیا جائے۔ چنانچہ قدرتی طور پر ایک سرنگ بن گئی اور دریا کے پانی کو سمندر تک بہنے کا راستہ مل گیا دریائی پانی اس جوش و خروش سے بہا کہ اپنے ساتھ پہاڑی کا ایک ٹکڑا وجئے واڑہ سے دو میل دور "ینا ملاکنڈرو" تک لیتا چلا گیا۔

وجئے واڑہ میں "ملیشورا" - کنکا درگا - وکجیشورا - انجینیا بھانکالی - نٹراجا اور مہا دشنو کے مندروں کے علاوہ جینیوں اور پارسیوں کے دو مندر اور کئی گرجا گھر اور مساجد بھی ہیں۔ وجیشورا مندر میں فن سنگ تراشی کے شہ پاروں کے ذریعہ "ارجن" کے "پاسوپاٹ" حاصل کر لینے کے واقعہ کو یادگاری حیثیت دی گئی ہے۔

ملیشورا مندر کے بارے میں بہت سی دلچسپ حکایتیں زمانۂ قدیم سے

چلی آرہی ہیں۔

ایک حکایت میں کہا گیا ہے کہ برہما نے ملیشورا کی خوشنودی کے لیے ایکسو "اسوامیدھا" قربانیاں انجام دیں۔

لارڈ شیوا نے ان قربانیوں کی بدولت "جیوتیرلنگا" کی شکل میں برہما کو درشن دیکر ان کی مراد پوری کر دی۔ برہما نے اس "لنگم" کی پوجا "ملی" (چمیلی) کے پھولوں سے کی تھی اس لیے یہ "ملیکیا لنگم" کہلانے لگا۔

ملیشورا مندر کے ایک پتھری ستون ایک حکایت کسی زمانے میں کندہ کی ہوئی تھی کہ ساکا سنہ ۱۱۰۱ء میں ایک راجہ مادھوا درمن کے لڑکے نے ایک اتفاقاً ایک غریب عورت کے لڑکے کو مار ڈالا۔ اس بدنصیب عورت نے راجہ کے پاس شکایت کی۔ راجہ نے اپنے بیٹے کو موت کی سزا دیکر اپنی انصاف پسندی کا ثبوت دیا۔ بھگوان ملیشورا نے راجہ کی منصف مزاجی سے خوش ہوکر شہر پر سونے کی بارش کی اور غریب عورت اور راجہ دونوں کے بیٹوں کو دوبارہ زندہ کر دیا۔

نندی ملا نے اپنی تصنیف "پرابودھا چندرودیم" میں اور گھنٹا سنگیا نے بھی اس حکایت کا تذکرہ کیا ہے۔ یادرکیا جاتا ہے کہ حکایت میں جس راجہ کا ذکر ہے وہ وشنو کنڈا حکمران مادھوا درمن سوئم تھا۔

تلگو زبان میں لکھے ہوئے نویں صدی کے ایک کتبے میں جس کی لکھائی نیچے سے اوپر کو جاتی ہے، بتایا گیا ہے کہ ترکوتی "لرگو" سے تعلق رکھنے والے ایک شخص جس کا نام ترکوتی بوئی تھا اور جو "پاچے داڑہ" کے رہنے والے "کالی یاما" کا لڑکا تھا، نے اپنے نام کو زندہ رکھنے اور اپنے قبیلے کے لئے اعزاز حاصل کرنے کے واسطے یہ ستون نصب کیا تھا۔ اس کتبے میں کہا گیا ہے کہ ترکوتی بوئی ایک "یکش" تھا جس کا نام "لوہیاکا" تھا۔ اور جس نے اندرا اور ارجنا کی اندرا کیلا پہاڑی تک رہنمائی کی تھی۔ یہ یکش کسی کے شراپ کی وجہ سے ایک "بویا لڑکے" کی حیثیت دنیا میں پیدا ہوا تھا۔

اندرا کیلا پہاڑی پر واقع کنکا درگا مندر کی بنیاد کیسے اور کن حالات میں پڑی اس کا صحیح علم کسی کو نہیں ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ تانترک دیوی "تارا" کو برہمنی عقیدہ کی دیوی "درگا" بنا دیا گیا۔ لیکن ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کنکا درگا خود بخود برآمد ہونے والی مورتی (سویمبھو) ہے۔

روایات بتاتی ہیں کہ اس دیوی کا مجسمہ بڑا ڈراؤنا اور بھیانک تھا اور اگر کوئی اس جانب نظریں جماکر دیکھ لیتا تھا تو مر جاتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے مندر کو جانا چھوڑ دیا تھا لیکن شنکرا نے مورتی کے قریب ایک طلسم گاڑ دیا جس کی وجہ سے مورتی کی ہیبت اور خوفناکی میں کمی ہوگئی۔

ایک اور حکایت یہ بھی ہے کہ "اسوراؤں" پر فتح حاصل کرنے کے بعد دیوتاؤں نے درگا ماتا کو کسی قسم کا نذرانہ نہیں پیش کیا۔ دیوتاؤں کی اس حرکت پر ڈرگاماں کو غصہ آگیا اور انہوں نے ایک "یکشا" دوشیزہ کے بھیس میں دیوتاؤں پر حملہ کرکے انہیں شکست دیدی۔ دیوتاؤں کو اپنی حرکت پر تاسّف ہوا اور انہوں نے درگاہ سے معافی مانگی اور پوجا کی۔ دیوتاؤں کے پچھتاوے اور ان کی پوجا سے خوش ہوکر" درگا نے اپنے بدن کو جگمگاتے سونے میں تبدیل کر کے انہیں اپنے درشن دیے۔ اس واقعہ کے بعد سے "وہ کنکا درگا" کہلانے لگیں۔

وجئے واڑہ کا "کنکا درگا" مندر ملک میں موجود ۹ درگا استھانوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے آٹھ استھانوں کے نام یہ ہیں۔ سری سیلم کا "بھرامرمبا" مندر۔ آلم پور کا "یوگمبا" مندر۔ کالاہستی کا "گنانمبا" مندر۔ کاشی کا "اناپورنا" مندر۔ کلکتہ کا "کالی" مندر۔ میسور کا "چامنڈی" مندر۔ کانچی کا "کاماکاکشی" مندر اور مدورائی کا "میناکشی" مندر۔

یہ ایک عام عقیدہ ہے کہ درگا مندر کے قریب جس کسی کی بھی سکونت رہتی ہے وہ کبھی افلاس کا شکار نہیں ہوتا۔ اندرا کیلا پہاڑی پر واقع بھرامرمبا۔ ملیشورا کا عظیم الشان مندر "سالوسہاسرا استمبا دیوالایا" کے نام سے مشہور ہے یعنی ایک ہزار ستونوں کی قطاروں والا مندر۔ اس مندر کو مسلمانوں کے حملوں کے دوران متعدد بار تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ راجاؤں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی جانب سے مندر کو دیئے ہوئے عطیوں سے متعلق یہاں کئی کتبے موجود ہیں۔ "اکنا" اور مادنا نے یہاں "براہمنا سمدا وھنا" (براہمنوں کے لیے طعام) کا انتظام کیا تھا۔ ان کے نام سے یہاں دو غار موسوم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی یاترا کے دوران انہوں نے ان غاروں میں قیام کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ اس مندر میں جو "لنگ" ہے اسے یودھشترا نے

پانڈوؤں کی فتح کی یادگار کے طور پر نصب کیا تھا۔

تاریخی لحاظ سے اس مندر کی تعمیر دسویں صدی عیسوی میں چالوکیہ راجہ "بھیمو دناملا" نے کرائی تھی۔

بڑے اور اہم مندر کے اطراف میں دوسرے دیوتاؤں اور دیویوں کے کئی چھوٹے چھوٹے مندر موجود ہیں۔

مچھلی پٹنم سے ۱۶ میل کے فاصلے پر "پدا موتھیوی" کا مقدس جنگل واقع تھا جو "تپسیا" کے لئے ایک انتہائی موزوں و مناسب گوشۂ تنہائی مانا جاتا تھا۔

زمانۂ قدیم میں دریائے کرشنا کے کنارے متعدد رشیوں کے آشرم قائم تھے یہاں رشی "دیاسا" کا بھی آشرم تھا۔ اداتی گڈہ میں واسستھا رسم) پلی گڈہ میں دیاگھرا رشی، پلی ورٹّو میں دیا گھر پاڑا رشی، سریکاکلم میں آتری رشی اور جیپا دلورو میں بھیادنا رشی کے آشرم قائم تھے اور وہ ان میں رہتے اور سکٹ دیتے تھے۔

یہاں پر کئی رشیوں کو مکتی حاصل ہوئی اور اسی واسطے اس علاقے کا نام "موتھیوی" پڑ گیا۔

یہاں پر سری لکشمی تپی کا مندر واقع ہے۔ مندر میں بھگوان کی مورتی کے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن پر ایک (۶) انچ لمبا شنکھ بڑی نزاکت کے ساتھ ٹھیرا ہوا ہے۔ بھگوان کی زوجہ راجیا لکشمی بھگوان کے بائیں جانب کھڑی ہوئی ہیں۔ چولا راجاؤں نے اس مندر کی از سر نو تعمیر کرائی تھی اس لیے اُن کا دور آنے تک یہ کھنڈر ہو چکا تھا۔

مچھلی پٹنم سے ۱۸ میل پر واقع "پدا کلے پلی" کو سابق میں "کونڈا الا پوری" کہتے تھے۔ یہاں موز کے درختوں کی بہتات کے باعث اس مقام پر ایک ناگیشورا مندر واقع ہے جسے "کرکوٹکا کیشترم" بھی کہا جاتا تھا۔ چونکہ کرشنا یہاں مشرقی جانب بہتا ہے اس لیے یہ مقام ایک مقدس کیشترم سمجھا جاتا ہے۔ اس مقام پر دریائے کرشنا میں اشنان کر لینے والے کو بار بار جنم لینے کے چکر سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

ناگیشورا مندر کا لنگ بھی خود بخود زمین سے برآمد ہوا تھا۔ کرکوٹکا ایک ناگ سردار تھا جس نے "جنمے جیا" کے سرپا یگیہ" سے ڈر کر شیوجی کی پناہ حاصل کی تھی۔ ابتداءً یہ مندر سوماسوا چاریہ نامی ایک شیو پرست نے ۱۲۹۲ء میں تعمیر کیا تھا پھر ۱۷۸۲ء میں راجہ یرلا گدا کونڈارا ما دیسائی اس کی دوبارہ مرمت کرائی اور کشادہ کیا۔

موپی دیوی جہاں "سبرامنیا" کا مندر واقع ہے قدیم زمانے میں موہنی پورم کہلاتا تھا۔ مندر میں جو مورتی ہے۔ اس کی شکل ایک لنگ کی جیسی ہے جسے کہتے ہیں کہ اگستیا رشی نے نصب کیا تھا۔

لارڈ وینکٹیشور کی مورتی تردملاگیری میں "چلاکلو" کے قریب ایک چھوٹی پہاڑی پر از خود ظاہر ہونے والی مورتی ہے۔ اس مورتی کی کوئی واضح شکل نہیں ہے۔ یہاں تین فٹ بلندی والے "نام" کے نوسیٹس ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی تشکیل قدرتی طور پر ہوئی ہے۔

رشی "بھدرراجا" نے جنوبی ہند میں قیام کے دوران میں دریائے کرشنا کے جنوبی کنارے پر واقع موجودہ محفوظ جنگل میں اپنا آشرم قائم کیا تھا۔ اس کنارے پر "نندرلاپوڑ" نامی ایک مقام پر متعدد سنگی ندی موجود ہیں۔

موداکے مقام پر واقع "دینوگوپالا" مندر میں "کیشتراگجنا" نے اپنے "پدم" منظم و مرتب کیے تھے۔

گڈی واڑہ میں جینیوں کا "پارسناتھ" مندر واقع ہے۔

مچھلی پٹنم شہر جو ضلع کا صدر مقام ہے ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے ستواہانا جیسے قدیم دور میں بھی یہ ایک معروف و معروف بندرگاہ تھا۔

مچھلی پٹنم کا شہر پالوا، سالنکیانا، مشرقی چالوکیہ، چولا خاندانوں اور ایک مختصر عرصے کے لئے کاکتیا راجاؤں کے بھی زیر نگیں رہا۔ یہ شہر ۱۳۲۸ء سے ۱۴۲۴ء تک کونڈویتی ریڈیوں کے زیر اقتدار تھا۔ گجاتپی راجوں اور کرشنا دیوارایا کی سلطنت میں بھی مچھلی پٹنم شامل تھا۔

کہتے ہیں کہ مچھلی پٹنم کو عرب تاجروں نے بسایا تھا۔ نظام خاندان کی بھی یہاں حکومت رہ چکی ہے اور یہ ہندوستان کی پہلی بندرگاہ ہے جس نے بیرونی لوگوں کو راغب کیا۔ کچھ عرصے تک یہ پرتگالیوں کے قبضے میں رہا اور ہندوستان میں انگریزوں نے پہلی مرتبہ اسی مقام کو اپنا ٹھکانا بنایا۔

مچھلی پٹنم اپنے فن قلمکاری کے لئے عہد قدیم سے شہرت رکھتا ہے

اور دور دور کے ممالک سے اس کی تجارت تھی۔

ایک روایت کے مطابق اس شہر کا باب الداخلہ مچھلی کی آنکھ کے استوانی حلقہ کو تراش کر بنایا گیا تھا اور اس سے اس کا نام مچھلی پٹنم رکھدیا گیا۔

اس شہر میں متعدد قدیم مندر ہیں لیکن ان سب میں مشہور ترین مندر اس صدی میں تعمیر کیا ہوا اچلکلا پوڑی کا مندر ہے۔

دریائے کرشنا کے کناروں پر واقع علاقوں پر صدیوں سے خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہا ہے۔ گھنٹا سالا اور موٹوپلی بندرگاہوں کے ذریعہ مصر، یونان، ایران، فن لینڈ، اور روم جیسے دور دراز ملکوں سے تجارتی روابط تھے۔ ہیون سانگ اور عبدالرزاق جیسے سیاحوں نے بندرگاہی شہر گھنٹا سالا کا دورہ کیا تھا۔ پہلی صدی عیسوی "ہیپولس" بھی یہاں آیا تھا۔

خیال ہے کہ پشکرم کے دوران میں دریائے کرشنا میں ایک مرتبہ اشنان کرلینا دوہرے اجر کا باعث ہوتا ہے۔

جب مشتری (برہسپتی) چھٹے برج (کنیا) میں داخل ہوتا ہے تو پشکرا کا قیام دریائے کرشنا میں ہوتا ہے۔ روایت کے بموجب برہمانے پشکرا کو تخلیق کیا اور اُسے تمام تیرتھموں (مقدس پانیوں) کا آقا بنادیا۔ برہمانے حکم دیا کہ پشکرا کو ملک کی بارہ مقدس دریاؤں یعنی گنگا۔ نرمدا۔ سرسوتی۔ جمنا۔ گوداوری۔ کرشنا بھیما۔ کاویری۔ پشکرا۔ تنگبھدرا۔ سندھو۔ پراہیتا میں باری باری سے قیام کرنا چاہیئے۔ لیکن برہسپتی (مشتری) کی خواہش تھی کہ ایک برج سے دوسرے برج میں داخل ہونے کے دوران روزانہ پشکرا میں اشنان کرے۔ چنانچہ پشکرا ایک سال میں ۱۲ روز تک ہر برج میں قیام کرنے پر رضامند ہوگیا۔ لیکن اس کا مستقل مسکن "منیکرنیکا گھاٹ" بنارس رہے گا۔

پشکرم کے دوران میں ہر زائر کو ایک پنڈت دکپالا (چہار سمت)، نواگرہا (نوسیارے) اور تثلیث (برہما - وشنو اور مہیشور) کی پوجا کرنی پڑتی ہے تثلیث، برہسپتی، پشکرا اور دریا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر زائر کو روزہ رکھنا اور ۱۶ برہمنوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے۔

بارہ دنوں کے عرصے میں پہلے دن زمین اور سونے کا عطیہ دینا ہوتا ہے۔ دوسرے دن سکے اور نمک تیسرے دن ترکاریاں اور پھل، چوتھے دن گھی دودھ اور تیل پانچویں دن بیل اور ہل، چھٹے دن صندل مشک اور دوسری خوشبویات ساتویں دن ایک مکان، آٹھویں دن غلہ، نویں دن ایک کنیا (دلہن)، دسویں دن چاندی اور کپڑے، گیارویں دن کتابیں اور کپڑے اور بارہویں دن تلوں کا دان کرنا پڑتا ہے۔

گذشتہ پشکرم ۱۹۶۸ء میں ہوا تھا۔ اس سال ۱۶ ستمبر سے تیرتھ راجہ پشکرا (مقدس پانیوں کا راجہ) ۱۲ دن تک دریائے کرشنا میں سکونت اختیار کرے گا جبکہ برہسپتی چھٹے برج کنیا میں داخل ہوگا۔

ان ۱۲ دنوں کے دوران میں ملک بھر سے ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند دریائے کرشنا کے کنارے جمع ہوکر گیانی برہمنوں، استاد کپالا (آٹھوں سمتوں کے دیوتاؤں)، نواگرہا (نوسیاروں) کی خوشنودی حاصل کریں گے تاکہ وہ اس دنیا اور آنیوالی دنیا دونوں میں راحت پاسکیں۔ زائرین اس موقعہ پر اپنی اور اپنے سورگباشی آبا و اجداد کی بہتری اور بھلائی کے لئے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ وہ اس امر کی دعا اور عہد کرتے ہیں کہ وہ اس دنیا کی اور دوسری دنیا کی دولت و راحت حاصل کریں گے۔

زائرین ان الفاظ میں اشنان کی نیت کرتے ہیں۔

"نجات کے حصول کیلئے، بنیا لوکا (سورگ یا جنت) میں مستقل قیام کیلئے، بزرگوں کی روحوں کی مغفرت کیلئے، مکمل دنیاوی خوشحالی کیلئے، میں عظمت والے اس دریائے کرشنا میں اشنان کرتا ہوں"۔

مچھیرے اچھے شکار کیلئے اس کی حمد و ثنا کے ترانے گاتے ہیں۔ ملاح اس سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کی کشتیاں بحفاظت پار ہوجائیں۔ بھاٹ اس کی عظمت کے گیت گاتے ہیں ------ یہ سب کچھ ہوتا رہے گا اور کرشنا وینی ماتا ماضی، حال اور مستقبل کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ بہتی رہے گی اور اپنی برکتوں اور رحمتوں سے اس سرزمین کو اور یہاں کے عوام کو نوازتی رہے گی۔ ●●

۲۰ نکاتی معاشی پروگرام

شریمتی بی۔ سروجنی پلا ریڈی

وزیر بلدی نظم ونسق و اطلاعات حکومت آندھرا پردیش

آندھرا پردیش میں ہماری وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام اکی عمل آوری اور گورنمنٹ کی پالیسیوں پر عوام کو دن بدن مکمل بھروسہ اور اعتقاد پیدا ہوتا جارہا ہے۔ بیس نکاتی پروگرام کی معقولیت و مناسبت دیگر مختلف ترقیاتی اقدامات پر چھائی ہوئی ہے اور ریاست سماجی اور معاشی ترقی کے مختلف پہلوؤں کو منور کرنے کے اقدامات پر فخر کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری ریاست مسلسل ہمہ جہتی ترقیاتی پلان بناتی رہی ہے اور اسکے بہترین نتائج حاصل کرنے میں فوقیت رکھتی ہے اور آندھرا پردیش کو اپنے ریاستی وسائل اور مرکزی و دیگر مالی امداد کے صحیح مصرف میں اولیت حاصل ہے۔

ہماری ریاست نے زرعی۔ تعمیری اور ہینڈلوم کی صنعتوں، اور آبپاشی کے ترقیاتی کاموں قیمتوں کی سطح کو برقرار رکھنے اشیاء کی منصفانہ تقسیم، کنٹرول شدہ قیمت پر طلباء میں نوٹ بکس کی تقسیم۔ امیدواروں کی ٹریننگ اور سرکاری اخراجات میں سختی سے بچت کرنے کے پروگراموں کو روبہ عمل لانے میں شاندار ترقی کی ہے۔ زرعی شعبہ میں ترقی کا انحصار جدید سائنسی طریقہ زراعت، مالکانہ حقوق کی ادائیگی اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی انتھک کوششوں پر منحصر ہے۔

زرعی پیداوار میں اضافہ کی وجہ صرف زرعی اصلاحات ہی نہیں ہیں بلکہ یہ ترقی دیہاتوں میں بے زمین کسانوں میں زمین کی تقسیم کے ذریعہ اور سماجی اور عوامی زندگی میں تیزی سے تبدیلی لاکر ان کے معاشی اور رہائشی معیار کو بلند کرکے حاصل کی جارہی ہے۔ زمینات کے بڑے پٹہ جات میں کمی کرکے غریب عوام میں تقسیم کے لئے زیادہ زمین حاصل کی جارہی ہے۔ ہماری ریاست زمینی اصلاحات، پانی کی تقسیم اور دیگر مسائل کو حل کرکے بھی زمینات کو زیادہ پیداوار کے قابل بنارہی ہے۔ ہماری ریاست چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی کی زبردست رہنمائی میں ترقی کررہی ہے اور عوام اس پروگرام کو روبہ عمل لانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ریاستی حکومت زائد زمینات کی تیزی سے تقسیم اور زمینی حقوق کی ادائیگی کے ذریعہ بڑے پیمانے پر کمزور طبقات کے معیار کو اونچا کرنے کے مختلف پروگرام کو روبہ عمل لانے کے قابل ہوگئی ہے۔ زمینی اصلاحات ایسے اقدامات کے بغیر صرف سطحی اور بے قاعدہ ہوتے ہیں۔ تیزی سے ٹھوس نتائج حاصل کرنے کے لئے ختم فروری سنہ ۸۰ء تک تقریباً ۴۴ء۴ لاکھ اقرارنامے مکمل کئے گئے اور ریاستی زمینی اصلاحی ٹریبونل نے ریاست میں قانونی پیچیدگیوں سے مُبرا ۸۴ء۱۰ لاکھ ایکر فاضل زمینات دینے کا مصمم عہد کررکھا ہے۔ حکومت ۶۷ فیصد قبضہ جات حاصل کی ہے اور اسکا ۹۲ فیصد تقسیم کیا گیا ہے۔ اس طریقہ سے حکومت نے ۱۲۵ر۴۷ر۱ بے زمین کسانوں کی مدد کی ہے جن میں زیادہ تر کمزور طبقات کے افراد شامل ہیں اور دو لاکھ ساٹھ ہزار زائد زمینات تقسیم کئے گئے۔ زائد زمینات کی تقسیم کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت نے بے زمین کسانوں میں سرکاری زمینات کی تقسیم کا بھی ایک بڑا پروگرام تیار کیا ہے۔ کمزور طبقات کے معاشی استحکام کے لئے زمینداروں کو مالی کارپوریشن کے ذریعہ مختلف سہولتیں اور قرضہ جات کی ادائیگی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس طرح ریاست میں زمینی اصلاحات نہ صرف غیر مساویانہ زمینی وسائل کی تقسیم کی اصلاح کرتی ہے بلکہ غربت کو دور کرنے اور طاقتور اور صحت مند سماج کی نشو ونما میں بیس نکاتی پروگرام کے تحت ٹھوس اور مثبت اقدام کی عکاسی کرتی ہے۔

شریمتی اندرا گاندھی نے بیس نکاتی فارمولے کو روبہ عمل لانے کا پکا عہد کررکھا ہے تاکہ غربت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ مجموعی طور پر صرف سماج کی معاشی ترقیاتی سطح کو اونچا کرنے سے غریبوں کی فوری مدد نہیں کی جاسکتی۔ غریبوں کے مناسب رہائشی سہولتوں سے عدم توجہی انکی حالت کو بدتر کردیتی ہے۔ اس لئے مکانات فراہم کرنا بیس نکاتی پروگرام کا بہت اہم پہلو ہے اور ریاستی حکومت نے اس پروگرام کی عمل آوری میں ریاست کے تمام اضلاع میں ضروری اقدامات کئے ہیں اور شہری اور دیہی علاقوں میں بارہ لاکھ سے زیادہ لوگوں کو جھونپڑیوں کے لئے جگہ تقسیم کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے بجٹ میں کافی رقومات فراہم کئے گئے ہیں اور طریقہ کار کو آسان کیا گیا ہے۔ کئی دیہاتوں میں گنجان۔ غیر صحت مند اور ناپسندیدہ مقامات سے اچھے اور شہری سہولتوں والے علاقوں میں انہیں منتقل کیا جارہا ہے۔ ریاستی حکومت نے اس پروگرام سے مکمل استفادہ کے لئے اقدامات کئے ہیں تاکہ غریب جگہ حاصل کرکے اپنے مکانات تعمیر کرسکیں۔

حصول اراضی کے پروگرام کے تحت شہری اور دیگر سہولتوں مثلاً پینے کے پانی کی سربراہی، سڑکوں، ڈرینج اور روشنی وغیرہ کے انتظامات حکومت کیجانب سے کئے گئے ہیں۔ لوگوں کو معمولی رہائشی مکانات کی تعمیر کے لئے دو سو روپے کی نقد رقم دی جارہی ہے تاکہ تعمیری اشیاء خرید سکیں اور مزدور طبقہ کو دو سو روپے غلہ کی شکل میں دیئے جارہے ہیں۔ معاشی امداد کے پروگرام کو ہاؤزنگ اسکیم سے منسلک کرنا حکومت کی پالیسی ہے۔ پوری ریاست میں تقریباً ۲۵ لاکھ خاندان اس پروگرام سے مستفید ہورہے ہیں۔ سال سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء کے دوران ۵ء۳ لاکھ مکانات کا مسئلہ حل کیا جائیگا۔ اس طرح ریاست غریبوں کی مدد کرنے اور انکی فوری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کررہی ہے۔ گذشتہ دو سالوں میں دستی صنعت کو فروغ دینے سے بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ بیس نکاتی پروگرام کے تحت ریاست میں ساٹھ فیصد بنکروں کی کوآپریٹیو انجمنیں قائم کی گئی ہیں اور آندھرا پردیش کو نہ صرف گورنمنٹ کے مقررہ ٹارگٹ کی تکمیل پر امتیاز حاصل ہے۔ بلکہ دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہینڈلومس رکھنے پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ سال سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۸ء۹۷ کروڑ روپے کے صرفہ سے اور سال سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۹ء۶۷ کروڑ روپے کے خرچہ سے اس صنعت کو مدد دی گئی ہے اور ہینڈلوم بنکروں کی کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے ذریعہ قابل لحاظ پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ سالانہ ہینڈلوم اشیاء کی پیداوار تقریباً تیس کروڑ ہے جبکہ گذشتہ چند سالوں میں انکی پیداوار

صرف پندرہ کروڑ تھی پیداوار کی اس ترقی سے پچاس ہزار بنکروں کو روزگار فراہم ہوا ہے اور اس صنعت کی بے روزگاری گھٹ گئی ہے۔ ترقی کی اس رفتار کو برقرار رکھنے کے لئے پُرانے لومس (راچھوں) کے بجائے نئے راچھے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں کے دوران ریاست میں ۶۳۷،۸۴ لاکھ میٹر ہینڈلوم کا جنتا دراگھی کپڑا تیار ہوا ہے اور ایک لاکھ سے زیادہ بنکروں نے چالیس ہزار سے زیادہ لومس استعمال کیا ہے۔ فی الوقت بائیس اقسام کا جنتا کپڑا جن میں ساڑیاں اور دھوتیاں شامل ہیں تیار کیا جا رہا ہے اور ریاست میں ۳۸۸ کوآپریٹیوز کے تحت چلر فروخت کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک مارکٹنگ کا تعلق ہے بڑے کوآپریٹیو انجمنوں کو ۳۵،۳۶ لاکھ روپوں کی سرکاری امداد دی گئی ہے تاکہ وہ زائد اٹھ شو روم قائم کر سکیں۔ ہینڈلوم کپڑے کی پیداوار کی حوصلہ افزائی کی خاطر ۲،۵۰ کروڑ کی فروخت پر چھوٹ منظور کی گئی ہے۔ چھوٹی آبپاشی کے پروگرام کا ایک اہم جز زیر زمین آبی ترقی ہے۔ یہ ایک اہم عوامی پروگرام ہے جو انفرادی اور باہمی کوششوں سے عمل میں لایا گیا ہے۔ جدید طریقہ زراعت کو ترقی دینے والا یہ ایک اہم پہلو ہے جو سرکاری خزانہ پر بہت کم بار ڈالتا ہے۔ موجودہ شرح تعمیر کے لحاظ سے تیس ہزار بادلیات تین سو پبلک ٹیوب ول۔ چالیس ہزار کنوؤں کی درستگی اور مزید آبی قوت کیلئے سالانہ پچاس ہزار ہیکٹر آبپاشی کے تحت پیدا کئے جائینگے۔ بڑے اور اوسط درجے کی آبپاشی کے پراجکٹس کے تحت سال ۷۸-۱۹۷۷ء اور ۸۰-۱۹۷۹ء میں علی الترتیب ایک لاکھ پچاس ہزار ہیکٹر اور ایک لاکھ ۱۶ ہزار ہیکٹر آبی قوت پیدا کی گئی۔ بیس نکاتی فارمولے کے تحت ملک میں ۵ ملین ہیکٹر زائد آبی قوت پیدا کرنے کا جو ٹارگٹ آندھرا پردیش کو دیا گیا اس ٹارگٹ سے زائد حاصل کرنے کے لئے آندھرا پردیش کوشش کرتا رہے گا ریاستی حکومت کسانوں سے امدادی قیمت پر غلہ حاصل کرنے کے کام میں سرگرم ہے تاکہ کاشتکاروں میں قیمت کی کمی کا تعین پیدا ہو سکے۔ بائیس ہزار سستے غلے کی دوکانیں قائم کر کے حکومت صارفین کو غلہ اور دوسری اہم اشیاء کی تقسیم کر رہی ہے موجودہ خریف کے موسم میں ملوں کی لیوی کے تحت تقریباً ۳ لاکھ ٹن چاول کے حصول کا ٹارگٹ مکمل کر لیا گیا ہے اور ۸۰-۱۹۷۹ء ربیع کے موسم میں بھی مل لیوی کے تحت چاول کا اسٹاک حاصل کیا جائے گا۔ سستے غلے کی دوکانوں کے ذریعہ چالیس ہزار ٹن چاول اور بارہ ہزار ٹن گیہوں سربراہ کیا جا رہا ہے۔ ریاستی حکومت مستقل طور پر تقسیم کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے اپنی تمام تر کوشش صرف کر رہی ہے تاکہ خانگی تاجر اشیائے ضروری کی سربراہی کے موقعوں پر صارفین کا استحصال نہ کر سکیں عوام میں تقسیم کے نظام کو ایک بڑے رقبہ میں وسعت دینے اور سستے غلے کی دوکانوں کے ذریعہ صارفین کی مدد کرنے اور زیادہ سے زیادہ ضروری اشیاء سربراہ کرنے کے بھی اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

حکومت صنعت سازی کا ایک نیا طریقہ تیار کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ دست کاری کو منظم کر کے پوری ریاست میں کنٹرول شدہ قیمت پر نوٹ بکس تقسیم کئے جا سکیں اور تقسیم کا یہ کام ڈسٹرکٹ لیول پر سرکاری عہدہ داروں کے ذمہ کیا گیا ہے۔ ان تمام اقدامات کے نتیجہ کے طور پر تقریباً ۱۷۰ لاکھ مختلف نوٹ بکس کا اسٹاک اگلے موسم کے لئے تیار کیا جا رہا ہے اور یہ طریقہ کار آئندہ تین ماہ اسکولوں کے کھل جانے تک جاری رہے گا۔ اس سے حکومت کا منشاء صرف اسکولوں اور کالجوں کی طلب کو پورا کرنا ہے۔ سرکاری اخراجات میں کمی کے ذریعہ بچت کے فوری اقدامات کئے جا رہے ہیں اور اس کے ذریعہ ایسے اخراجات جو بجٹ میں شریک نہیں ہیں ان کی نامنظوری۔ طوفان سے متاثرہ امدادی کاموں کے ماسوا پلان سے ہٹی ہوئی اسٹاف کی منظوریوں پر پابندیاں، اساتذہ، ڈاکٹروں اور انجینئرس کے ماسوا پلان میں شریک شدہ اسٹاف کی منظوریوں پر بھی پابندیاں شامل ہیں۔ ریاست میں نئے امیدواروں کی ٹریننگ کا پروگرام عمل میں لایا جا رہا ہے جبکہ بہترین نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ اس وقت ریاست میں سرکاری اور خانگی شعبوں میں ۴۸۴۷ امیدوار زیر تربیت ہیں جن میں سے ۲۶۴۹ امیدوار پسماندہ طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے امیدوار مرکزی حکومت کے تحت بھی تربیت حاصل کر رہے ہیں اور امیدواروں کی ایک بڑی تعداد کو ٹریننگ ختم کرنے پر مناسب خدمات دی گئی ہیں غربت کے خلاف جنگ کرنا اور بچھڑے ہوئے طبقات کے لوگوں کو مایوسی کے غار سے اوپر نکالنے کا قابل تحسین کام بھی ۲۰ نکاتی پروگرام میں شامل ہے اور ریاستی حکومت اس کام کے تحت پسماندہ طبقات کے معیار کو اونچا کرنے کے لئے ہر قسم کے امدادی اقدامات کر رہی ہے۔ ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی شاندار رہنمائی میں حکومت اور عوام غریب طبقات کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے ہمہ جہتی پروگرام میں مصروف ہیں۔ ●●

بیس نکاتی معاشی پروگرام

لاکھوں افراد کی اُمیدوں کا مرکز

ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کو ہماری ریاست میں پوری قوت اور عزم کے ساتھ روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ ریاست کے تمام حصوں میں پروگرام کی عمل آوری پورے عروج پر ہے۔ مختلف شعبوں کے خصوصیت کے ساتھ کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے عوام پروگرام کے فوائد سے بہرہ یاب ہورہے ہیں۔

گذشتہ دو برسوں کے مسلسل طوفانوں اور عمومی خشک سالی کے باوجود جنوب کے چاول گودام کی حیثیت سے آندھرا پردیش نے اپنی شہرت برقرار رکھی ہے۔ خشک سالی کے ناموافق اثرات کو زائل کرنے کیلئے ایک ہنگامی زرعی پروگرام پر عمل آوری کی گئی۔ اس پروگرام کے تحت چنے، ارنڈی وغیرہ کی متبادل فصلیں اگائی گئیں۔ موسم خریف کے اختتامی اور ربیع کے ابتدائی موسم میں زائد علاقوں کو زیر کاشت لایا گیا جس میں مونگ پھلی، ہائی برینڈ جوار اور دالوں کی فصل لگائی گئی خصوصیت

علاقوں میں کاشت کی گئی جہاں پہلے نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ خشک سالی سے متاثرہ کسانوں کی یکمشت ترغیبات مہیا کی گئیں۔ کھڑی فصلوں کو بچانے اقدامات کئے گئے۔ جس کے نتیجے میں غذائی اجناس کی پیداوار میں ہونے والا شدید کمی کو دور کیا جا سکا اور سال ۸۰-۱۹۸۹ء میں ۹۰ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کیا گیا۔ ریاست میں زرعی اصلاحات کو پوری قوت سے رائج کیا گیا اور ۹،۷۶۳ لاکھ ایکر کی حد تک فاضل زمینات سرکاری تحویل میں لی گئیں۔ ۵۷،۶۷۶ ایکر تری اور ۲،۴۱۳۱۰ ایکر خشکی زمینات ۱،۷۴۱۲۵ افراد میں تقسیم کئے گئے جن میں ۸۶،۸۷۸ درج فہرست اقوام ۲۶،۸۹۷ درج فہرست قبائل اور ۴۹۱۹۲ پسماندہ طبقات شامل ہیں۔

۱۲ لاکھ خاندانوں کو مکانات کے لیے تقسیم کردہ زمینوں پر رہائشی امکنہ کی تعمیر کا ایک بھاری پروگرام شروع کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت تقریباً ۵،۲۶ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہنچ چکا ہے۔

دستی پارچے کی صنعت کو ترقی دینے کے لیے ترغیبات کی فراہمی کی بدولت "جنتا کپڑے" کی مقدار پیداوار ۳۳ ملین مربع میٹر تک پہنچ گئی ہے۔

بیروزگار نوجوانوں کیلئے کارآمد تربیت جاری ہے۔ اور ۴۸۴۷ امیدوار کو تربیت دی جارہی ہے جس میں ۵۱۰ درج فہرست اقوام ۳۰ درج فہرست قبائل اور ۲۱۰۹ پسماندہ طبقات کے افراد شامل ہیں۔

کس ارزاں فروشی کی دوکانوں کے توسط سے طلباء کو تقریباً ۴ کروڑ کی تعداد میں نوٹ بکس فراہم کی گئیں۔

پوری ریاست میں پھیلے ہوئے ۲۲۰۰۰ ارزاں فروشی کی دوکانات کے ذریعہ مقررہ قیمتوں پر چاول، گیہوں، خوردنی تیلوں، شکر اور مٹی کا تیل جیسی ضروری اشیاء کی فراہمی کے انتظامات عمل میں لائے گئے ہیں۔

ریاستی سیول سپلائیز کارپوریشن اور فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کے ذریعہ زرعی پیداوار کی خریدی عمل میں لاکر کسانوں کے لئے منفعت بخش قیمتوں کی فراہمی کے تیقن کا اہتمام کیا گیا ہے۔ گذشتہ سال موسم خریف میں ۳۵۰ اور موسم ربیع ۲۲۶ مراکز خریدی قائم کر کے ۸۱،۷ لاکھ ٹن دھان کی خریدی عمل میں لائی گئی۔ اس کے علاوہ گرنیوں سے "لیوی اسکیم" کے تحت ۵۱۶۲۵۰ ٹن چاول بھی خریدا گیا۔

مکفول محنت سے نجات پانے والوں کے لیے زیر عمل آوری خصوصی بازآبادکاری اسکیمات کی بدولت چند ہزار خاندانوں کو نئی زندگی بسر کرنے کے مواقعات کی طمانیت حاصل ہوئی ہے۔ فی الوقت یہ ریاست مکفول محنت کی لعنت سے بالکلیہ طور پر پاک ہے۔

اس طرح یہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ بیس نکاتی پروگرام کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں کی عمل آوری کے معاملے میں ریاست آندھرا پردیش کا مقام صف اول میں ہے۔ مارچ ۱۹۷۸ء میں موجودہ ریاستی حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد سے مختلف فلاحی اسکیمات کی عمل آوری کے لئے موازنہ جاتی گنجائشات میں مسلسل اضافہ کیا جارہا ہے۔ ریاستی حکومت کی جانب سے شروع کردہ انقلابی نوعیت کے دوسرے اقدامات یہ ہیں۔ ہر موضع کیلئے بس سرویس۔ چھوٹے کسانوں اور دیہی بیوپاریوں کے فائدے کے لئے باربردار بس سرویس۔ مواضعات میں ماڈل اسکولوں کے قیام اور انتظام کے لئے ابھودیا پرادھامیکا ودیا سمستھا کی تشکیل اور مواضعات کے لئے محفوظ آبرسانی کا ماسٹر پلان۔

پولاورم بیراج پراجکٹ اور سری سیلم رائٹ کنال پراجکٹ پر جلد ہی کام آغاز کر دیا جائے گا۔ اول الذکر پراجکٹ کی بدولت اضلاع وشاکھاپٹنم اور مشرقی گوداوری کیلئے آبپاشی سہولتوں میں اضافہ ہوگا اور وشاکھاپٹنم اسٹیل پلانٹ اور اس کے قریب کی دوسری صنعتوں کی آبی ضروریات کی پابجائی ہوگی۔

سری سیلم رائٹ کنال پراجکٹ کی بدولت اضلاع کڑپہ اور کرنول کی اراضیات سیراب ہوسکیں گی اور سدا خشک سالی سے متاثر رہنے والے اس علاقے کے کسانوں کو مسرت و شادمانی کا دور نصیب ہوگا۔

اس ریاست نے صنعتی میدان میں بھی قابل ستائش پیش رفت کی ہے اور تقریباً ۶۳۰۰ کروڑ روپیوں کا سرمایہ صنعتی سرگرمیوں میں مصروف کیا جاچکا ہے ●●
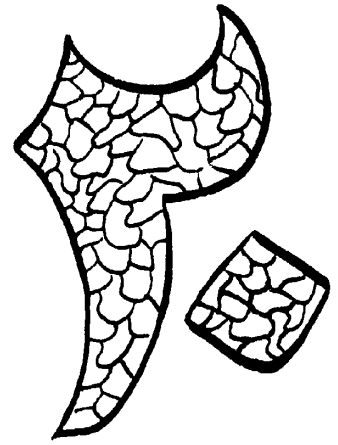
آندھرا پردیش میں دستی پارچہ بافی کی صنعت ترقی کی سمت رواں دواں

گذشتہ دو برسوں کے دوران ہینڈلوم صنعت کی ترقی کے لئے موازنے میں کئے گئے اضافہ کی بدولت اس صنعت نے متاثر کن اور قابل تعریف ترقی کی ہے۔ ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے جزو کے طور پر ریاست میں ۶۰ فیصد بافندوں کو کوآپریٹیوز کے تحت لایا گیا ہے۔ ریاست آندھرا پردیش نے نہ صرف مرکزی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ نشانہ کی تکمیل کی ہے بلکہ ریاست کے ہینڈلومس کی زیادہ سے زیادہ تعداد کوآپریٹیو شعبہ کے تحت ہے یہ امتیاز دوسری ریاستوں کے مقابلے میں آندھرا پردیش ہی کو حاصل ہے۔ گذشتہ دو برسوں میں اراکین کی تعداد ۲ء۲۰ لاکھ سے بڑھ کر ۳ء۲۳ لاکھ ہو گئی ہے۔ اور اسی طرح سوسائٹیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کوآپریٹیو شعبہ کے تحت سرگرم عمل دستی کرگھوں کی تعداد اس وقت تقریباً ۲ لاکھ ہے جو دو سال قبل ۸۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ سوسائٹیوں کو ضروری سامان سے لیس کر کے مضبوط بنانے کے لئے کوشش کی جا رہی ہیں جیسے خام اشیاء اور مالیہ وغیرہ۔

سال ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۹ء۸۶ کروڑ اور سال ۸۰-۱۹۷۹ کے دوران ۹۹ء۷ کروڑ روپے بھاری موازنے کی بدولت اس صنعت کو مضبوط موقف حاصل ہو گیا ہے اور اس کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا ہے جو دو سال قبل کی ۱۵ء۰۰ کروڑ روپے مالیت سے بڑھ کر ۳۰ء۰۰ کروڑ روپے کی مالیت پہنچ گئی۔ اور ۵۰ ہزار ہینڈلوم بنکروں کو روزگار مہیا ہوا نیز بے روزگاری کی شرح ۶۰ فیصد سے گھٹ کر ۴۰ فیصد ہو گئی۔

اس صنعت کی ترقی کی رفتار کو برقرار رکھنے اور اسے مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام کا آغاز کیا گیا ہے جس کے تحت قدیم

اور از کار رفتہ دستی کرگھوں کو جدید اور ترقی یافتہ قسم کے لومس سے بدل دیا جائیگا بننے سے قبل اور اس کے بعد کی اہم ضرورتوں کی تکمیل کی جائے گی۔ دھاگا اور کپڑے کو صاف کرنے کی یونٹیں مہیا کی جائیں گی۔ جیڈی میٹلا حیدرآباد میں ۵۰ ہزار میٹر سوتی یا نیم سوتی کپڑا صاف کرنے کی صلاحیت والی مشین کام شروع کرنے کے لئے تیار رکھی گئی ہے جس کی لاگت ۲۱۶٫۰۰ لاکھ روپے ہے۔

اس طرح سوت اور کیمیائی دھاگوں سے تیار کئے جانے والے کپڑے کے لئے درکار حرارت مہیا کرنے کے لئے مچھلی پٹنم ۶۰ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک کارخانہ قائم کیا گیا ہے جو بہت کام شروع کر دے گا۔ اسی طرح کی ایک اور یونٹ نیلور میں بھی قائم کی جا رہی ہے۔ حکومت کی امداد "اپکو" نے جدید ڈائی یونٹیں راجمندری، حیدرآباد اور پرودا تور میں قائم کی ہیں۔ پرائمری کوآپریٹیو سوسائٹیز کی ضروریات کی تکمیل کرنے کے لئے ۱۲ لاکھ روپے کی لاگت سے ورنگل میں جدید ڈائی یونٹ قیام کے مرحلے میں ہے۔ صرف ہریجن ویورس کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی امداد کے لیے ضلع گنٹور میں جدید ڈائی یونٹ قائم کرنے کے لئے ۱۲ لاکھ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ اس پروگرام میں چھوٹی چھوٹی پراسیسنگ یونیٹیں قائم کرنا بھی شامل ہے جو دھاگے کو رنگنے اور کپڑے کو صاف کرنے میں مدد کرتی ہیں یہ یونیٹیں اضلاع رنگا ریڈی اور محبوب نگر میں قائم کی جائیگی مسرلیس دھاگا تیار کرنے کی ۴ یونیٹیں پونڈور، اے پی، حیدرآباد اور سرسلہ میں قائم کی جائیں گی۔

جنتا کلاتھ : آندھراپردیش کو گذشتہ چند برسوں کے دوران ۶۳۷٫۸۴ لاکھ میٹر جنتا کی قسم والا ہینڈلوم کلاتھ تیار کرنے کا خاص امتیاز حاصل ہے جسکی تیاری میں ۴۰ ہزار لومس مشغول ہیں اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ بنکر روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ سوتی اور کیمیائی دھاگے کو ملاکر تیار کے لئے جانے والے کپڑے کی مانگ کو پوری کرنے کے لئے ضروری سامان اور اشیاء مہیا کرتے ہوئے پیداوار میں اضافہ کرنے کے اقدامات کئے جارہے ہیں مارکٹنگ کے میدان میں ۳۵٫۳۶ لاکھ روپے کی سرکاری امداد کے ذریعے "اپیکس ویورس سوسائٹی نے مزید آٹھ شوروس کھولے ہیں۔ گذشتہ دو برسوں میں ہینڈلوم کلاتھ کی فروختگی پر ۲۶٫۵۰ کروڑ روپے کی رعایت دیگئی اور کپڑے کی سالانہ فروخت ۳۰ کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔

جنتا کپڑے کی تیاری اسکیم کا ۱۹۷۶ میں تجربہ کے طور پر آغاز کیا گیا لیکن آج یہ اسکیم کامیاب طور پر عوام کو کم قیمت پر مضبوط کپڑا فراہم کرنے سرکار کی اہم خواہش میں بدل گئی ہے۔ گذشتہ تین برسوں کے دوران میں پرائمری سوسائٹیوں میں لومس کی تعداد اور پیداوار اور کپڑے کی فروخت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

جنتا اقسام کے کپڑے تیار کرنے والے لومس کی تعداد ۱۹۷۶ء میں ۵ ہزار سے بڑھ کر ۷۸-۱۹۷۷ء — ۲۲۴۳۳ - ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۳۸۵۶۵، ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ کپڑے کی پیداوار ۱۹۷۶ء میں ۴٫۵ لاکھ مربع میٹر سے ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۱۸۹ لاکھ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۲۱۳ لاکھ اور ۸۰-۱۹۷۹ء میں مقرر کردہ نشانہ ۳۰۰ لاکھ مربع میٹر تک پہنچ چکی ہے۔

"اپکو" ۳۸۸ چلر فروش دوکانوں کے ذریعے اس وقت جنتا ساڑیوں اور دھوتیوں کی ۲۲ اقسام بازار میں فروخت ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ "اپکو" کی جانب سے کوآپریٹیو اداروں اور گریجن کوآپریٹیو کارپوریشن اور فیئر پرائس دوکانوں کو یکم جولائی ۱۹۷۹ء سے جنتا کپڑا سربراہ کیا جارہا ہے۔ ایک کروڑ روپے سے ۱٫۲۵ کروڑ روپے تک کے مرکزی امداد میں اضافہ کی بدولت طویل مدت کے انتظار کے بعد جنتا کپڑے کی پیداوار کو بڑھانے میں مدد ملی ہے۔

آجکل کی آسمان سے باتیں کرنے والی قیمتوں کے زمانے میں یہ اسکیم کمزور طبقات کے لئے ایک رحمت ثابت ہوئی ہے جنکی آبادی ریاست میں اکثریت کی حامل ہے۔ اب یہ لوگ سستے اور مضبوط ساڑیاں، دھوتیاں ایسی قیمت پر حاصل کرسکتے ہیں جو ان کی پہنچ کے اندر ہے۔ ساڑیوں کی قیمت دس روپے پانچ پیسے سے لے کر ۲۷ روپے ۷۰ پیسے تک اور دھوتیوں کی قیمت ۱۱ روپے ۷۰ پیسے سے ۳۴ روپے ۴۵ پیسے تک ہے۔

ہینڈلوم صنعت کے لئے خام مال کی سربراہی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے اب عادل آباد، ستینا پلی، ستیہ ویڈو، نندیال، پرچور، سریکاکلم اور میدک میں اسپننگ ملز قائم کئے جارہے ہیں۔ اس ضمن میں کوآپریٹیو اسپننگ لمیٹیڈ گنتکل، دی راجمندری کوآپریٹیو اسپننگ ملز دی نیلور اینڈ

جرالا کو آپریٹیو اسپننگ نے اسپنڈلوں کی پیداوار میں اضافہ کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا ۴ ملز کو توسیع دینے کے لئے حکومت نے اب تک ۲۵ ۱۱۶۲ لاکھ روپے کی امداد بہم پہنچائی ہے جسکے لئے جملہ تقریباً ۴ کروڑ روپے مشغول کرنے پڑے۔

ریاست میں ریشم سازی کے بھاری پروگرام کے آغاز کی وجہ سے ریشمی کپڑے کی پیداوار میں ۸۳ - ۱۹۸۲ء سے قبل تخمیناً ۳۸۵ لاکھ میٹر تک کا اضافہ ہوگا۔ اس پروگرام میں شہتوت کے درختوں کے زیر کاشت رقبے میں ۳۱ ہزار سے ایک لاکھ ایکر کا اضافہ شامل ہے۔ ریشم کے کپڑے کی پیداوار میں بھی ۶۵۰۰ ٹن سے ۳۸ ہزار ٹن کا اضافہ کیا جائے گا۔ ریشمی دھاگے کو لپیٹنے کیلئے درکار سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ آنے والے ۳ برسوں میں ریشم سازی کی اسکیموں سے سالانہ مزید ۴ لاکھ افراد کو روزگار فراہم ہوگا۔ ●●

تنقید و تبصرہ

تبصرہ نگار
وقار خلیل

گلزنگ

(شاعری) ہربنس لال اینجہ جمال قاسمی
ڈیمی سائز مجلد معہ گرد پوش، اشاعت سنہ ۱۹۷۹ء
صفحات ۹۶ - قیمت ۱۲/= روپے
ناشر: سکادمیری پرکاشن
۱۸/۵۵ سدرشن پارک نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵

اردو شاعری کا ذوق ملک کے رہنے بسنے والوں میں ہر زمانہ اور عہد میں بڑھتا ہی رہا ہے۔ پنجاب کے زندہ دلوں کا اردو شعر و ادب سے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ نئی اور پرانی نسلوں میں سخن گوئی اور سخن فہمی کے جذبات اس امر کے شاہد ہیں کہ اردو شعر اور تہذیب کی اہم ہندوستانی زبان ہے گلزنگ کے شاعر جناب جمال قاسمی روہتک (ہریانہ) کے شاعر ہیں۔ چندی گڑھ، ہریانہ اور امرتسر شعراء اور شاعروں کے جمہوری دبستان کی حیثیت میں اردو کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جمال قاسمی جواں جذبات اور طرب پیا احساسات کے شاعر ہیں اس مجموعہ میں ۲۶ غزلیں، ۲۴ نظمیں جن میں سانیٹ اور تضمینیں بھی شامل ہیں کے علاوہ رباعیات اور قطعات ہیں۔ دلّی کے باشعور سخنور اور جدید لہجے کے معتبر شاعر راج نرائن رازؔ نے گلزنگ کے فلیپ پر جمالؔ کی شعری محبوبیت پر اپنی رائے تحریر کرتے ہوئے بالکل حق بجانب لکھا ہے کہ "جمالؔ ایک خوش فکر اور خوش گو شاعر ہیں، وہ اردو کی شعری روایات کے پاسدار ہیں" انکے کلام میں لائق توجہ سادگی نمایاں ہے۔ کلام کی زیریں لئے حزنیہ ہے تاہم مریضانہ قنوطیت سے پاک صاف ہے۔

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

دوستوں سے اس قدر کھائے فریب
دوستی کے نام سے ڈرتا ہوں میں
وصل کے وہ پل نہ چھن جائیں جمال
گردشِ ایام سے ڈرتا ہوں میں

کسی کا ساتھ دے پائے نہ رہبر
فقط راہیں دکھاتے ہی رہے بس
وہ کاشانوں کو خاک آباد کرتے
جو کاشانے مٹاتے ہی رہے بس

عبارت مختصر: جمال قاسمی کا "گلزنگ" ان کے شعری سفر کا گلدستۂ اول ہے، نئی اور بڑی شاعری کے رموز و نکات اور عہد حاضر کے شعری مذاق اور مزاج کو رہنما بنا کر فکر سخن کی جائے اور مطالعہ کی افادیت کو محسوس کیا جائے تو یقین ہے ان کی فکر میں سمت اور اظہار کا سلیقہ انکی اپنی شناخت اور حیات کا سبب بنے گا۔ حوصلہ افزائی تو ہم بھی انکی کریں گے مگر مشورہ بھی دیں گے کہ وہ نئے سفر کیلئے سامانِ سفر بھی ذرا نئے ہی لیتے ہوئے گامزن ہوں۔ ●●

پر آچکا تھا - چنانچہ ۱۹۴۹ء میں امریکہ میں کوئی پانچ لاکھ ٹیلیویژن سیٹ
موجود تھے ۔ ۱۹۵۹ء تک ان کی تعداد دس کروڑ تک پہنچ گئی - خود ہمارے
ہندوستان میں ٹیلی ویژن ۱۹۵۹ء میں جلوہ افروز ہوا - اور دہلی میں پہلا ٹی -
وی اسٹیشن قائم کیا گیا - پہلے پہل قلیل مدتی تجرباتی تعلیمی پراجکٹ سے اس
کا آغاز ہوا - چھ سال بعد یعنی ۱۹۶۵ء میں پروگرام کے اوقات میں مزید
ایک گھنٹہ کا اضافہ کیا گیا - چوتھے منصوبے کے تحت اس کو مزید وسعت دی گئی
اور بمبئی ، جالندھر ، سری نگر ، مدراس ، لکھنؤ اور کلکتہ میں نئے ٹی وی
سنٹر کھولے گئے - پونا ، امرتسر ، مسوری ، کان پور ، کھرگ پور ، اور آسنسول
میں ریلے سنٹرس کا قیام عمل میں آیا - ۱۹۷۲ء میں پلاننگ کمیشن نے پانچویں
منصوبے کے تحت ۴۶۲ کروڑ روپے کی خطیر رقم ٹی وی توسیعی پروگرام کے لئے
مختص کی - اور ۳۱۶۵ کروڑ روپے (جس میں ۱۲۶۵ کروڑ روپوں کی
بیرونی امداد بھی شامل ہے) کٹک ، پٹنہ ، بھوپال ، حیدرآباد ، جے پور ، بنگلور
ٹریوانڈرم ، گوہاٹی اور احمد آباد میں ٹی وی اسٹیشن قائم کئے گئے - اس کے علاوہ
پچھلے چند برسوں میں اڑیسہ ، راجستھان ، مدھیہ پردیش ، کرناٹک ، بہار اور آندھرا
پردیش دو ہزار چار سو گاؤں SITE پروگرام کے تحت لائے گئے - اور جے پور
(راجستھان) حیدرآباد (آندھرا پردیش) کٹک (اڑیسہ) رائے پور
(مدھیہ پردیش) مظفر پور (بہار) اور گلبرگہ (کرناٹک) میں چھ طاقتور ٹرانسمیٹرس
کی تنصیب عمل میں آئی - جو بارہ ہزار ستر مواضعات کو سہولت بہم پہنچائیں گے
ایک عام آدمی کی بھلائی کے لئے ٹی وی کو ملک کے کونے کونے
میں پہنچانے کی تجویز زیر غور ہے - اس کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ
مالیہ کی کمی ہے - چنانچہ مالیہ کی فراہمی اور اخراجات کی پابجائی کے لئے ۱۹۷۶ء
ٹی وی کمرشیل سروس کا آغاز کیا گیا اور پروگرام کے شروع اور آخر میں چند
ثانیوں کے لئے اشتہار نشر کئے جانے لگے - زیادہ سے زیادہ طویل اشتہار کا وقفہ
دس سیکنڈ ہے -

آئیے ! اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اسٹوڈیو سے آپکے ٹیلی ویژن
سیٹ تک پروگرام کیسے پہنچتے ہیں - ٹیلی ویژن کے ترسیلی آلہ کا عمل میکروفون
کے عمل کے مماثل ہوتا ہے - جب کوئی میکروفون پر تقریر کرتا ہے تو آواز کی موجیں
میکروفون پر واقع ہوتی ہیں - ان موجوں کو یہ آلہ برقی دھکوں
(ELECTRICAL IMPULSES) میں منتقل کرکے لاسلکی
ترسیلی دور تک پہنچا دیتا ہے - اور ایریل کے ذریعے برقی امواج کی اشاعت
چاروں طرف اثیر میں ہوتی ہے - ٹیلی ویژن کے ترسیلی آلے کو آواز کی
موجوں کے بجائے نوری امواج سے سابقہ پڑتا ہے جن کو وہ برقی دھکوں
میں تبدیل کر دیتا ہے - یہ برقی موجیں ایتھر میں سفر کرتی ہیں - ٹیلی ویژن
کا تحصیلی آلہ انہیں موصول کرکے دوبارہ نوری امواج میں منتقل کر دیتا ہے
جن کے مناسب امتزاج سے اسٹوڈیو کے مکمل خدوخال ٹیلی ویژن پر نمایاں
ہو جاتے ہیں -

کسی شخص یا منظر کو ٹیلی وائز کرنے کے لئے اس کو پہلے چھوٹے چھوٹے
نوری رقبوں میں تحلیل کر لیتے ہیں - اس کے لئے ایک نقطۂ نور کو کسی شخص یا
منظر کے ہر حصے پر سے گذرنا ہوتا ہے - تاکہ کل منظر مختلف نوری دھبوں
میں تقسیم ہو جائے یہ عمل (SCANNING) نوری تشریح و تحلیل کا عمل
کہلاتا ہے -

(SCANNING) کے عمل سے ہر ایک نوری رقبہ کی حدت
تنویر کے مطابق ضیاء برقی خانہ میں برقی رو کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں - رو کی
ان تبدیلیوں کو طاقتور بنا کر اثیر (فضاء) میں ان کی اشاعت کی جاتی ہے
جب یہ اشارات تحصیلی آلہ کے پاس پہنچتے ہیں تو بجنسہ یہی رو کی تبدیلیاں دوبارہ
پیدا ہو جاتی ہیں - جن کی قوت میں اضافہ کرکے دوبارہ نوری امواج میں منتقل
کر دیا جاتا ہے - اور (SCANNING) کے عمل سے ٹی وی پر
(SCANNING) کے عمل سے اسٹوڈیو کے مناظر دکھائی دیتے ہیں -

آواز یا موسیقی نشر کرنے کے لئے ہر نشر گاہ میں ایک خاص طول کی
موجیں استعمال ہوتی ہیں - یہ حامل امواج کہلاتی ہیں - یہ برقی امواج صوتی اشارات
کی حامل ہوتی ہیں اور فضاء (ایتھر) میں چاروں طرف سفر کرتی ہیں - ٹیلی ویژن
کی صورت میں نشر گاہ کی برقی امواج نوری اشارات کی حامل ہوتی ہیں - اور اس کو
نشر کرنے کے لئے چھوٹے طول کی حامل امواج زیادہ موزوں ثابت ہوتی ہیں - کیونکہ بڑے
طول کی موجوں کو جب اشارات پہنچانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو کئی مشکلات

ابن وحید

۲۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء اس لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے کہ اس مبارک دن ریاست آندھرا پردیش ٹیلی ویژن کے دور میں داخل ہوگئی صدر جمہوریہ نیلم سنجیوا ریڈی نے حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے رویندرا بھارتی تھیٹر میں منعقدہ ایک رنگا رنگ تقریب میں 'حیدرآباد دور درشن کیندر' کا افتتاح کیا جس کے فوری بعد ٹی وی نے اپنی افتتاحی تقاریب کی جھلکیوں اور کلچرل پروگرام کی رنگینیوں کو بے چینی سے منتظر ہزارہا ناظرین کے آگے بکھیرنا شروع کر دیا اور ناظرین اس صدی کی عظیم اور حیرت انگیز ایجاد کے سحر میں دیر تک کھوئے رہے - انہیں پہلی مرتبہ ترسیل کے اس آلہ کی غیر معمولی اہمیت کا بھی اندازہ ہوا -

صدر جمہوریہ ہند نے اپنی پُر مغز تقریر میں ٹی وی کے ذریعہ تعلیم زراعت و حفظانِ صحت کے میدان میں برق رفتار ترقی ' اور طلبہ اور کسانوں کو ہونے والے گوناگوں فوائد کا احاطہ کرتے ہوئے اسے ملک کے کونے کونے میں پہنچانے پر زور دیا -

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے بتایا کہ ٹیلی ویژن صرف عوام کی تفریح طبع کا باعث نہیں ہوگا بلکہ ان کی تعلیم و تربیت میں نہایت موثر رول ادا کرے گا - جو ایک اہم سماجی ذمہ داری بھی ہے - ریاستی وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ریاستی حکومت ٹیلی ویژن رینج میں واقع ہر گاؤں میں کمیونٹی ٹیلیویژن سیٹ کی تنصیب پر غور کر رہی ہے - اور چار سو ٹی وی پہلے ہی سے متحرک ہیں -

یہ جان کر آپ کو بے حد حیرت ہوگی کہ جس ٹیلیویژن کا آجکل ہمارے شہر میں شہرہ ہے ' وہ ۱۹۲۵ء میں ہی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ منظر عام

کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کرہ ہوائی میں برقی اخراج کے باعث خلل واقع ہوتا ہے جس کو ہم (ATMOS PHENES) کہتے ہیں۔ چھوٹی امواج کے استعمال سے یہ خلل بڑی حد تک دور ہو جاتا ہے۔ اور اشارات کی طاقت میں بہت کم انحطاط واقع ہوتا ہے۔ بڑے طول کی موجیں زیادہ تر زمین کے راستے سفر کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے توانائی کا ایک بڑا حصہ تحصیلی آلات تک پہنچنے سے قبل ہی زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس چھوٹے طول کی موجیں زمین کے راستے سفر کرنے کے علاوہ اوپر کی جانب سفر کرتی ہیں۔ اور ساٹھ اسی فٹ کی بلندی پر برقائی ہوئی گیس (HEAVY SIDE LAYER) کی تہہ سے منعکس ہوکر دوبارہ زمین کی طرف لوٹتی ہیں۔

حیدرآباد (آسمان گڑھ) میں واقع ٹی وی ٹاور کی اونچائی ۱۵۰ میٹر ہے۔ اور اس کی طاقت ۱۵ کیلوواٹ ہے۔ جو ۱۷،۰۰۰ (سترہ ہزار) اسکوئر کیلومیٹر کا احاطہ کرتا ہے۔ فی الوقت حیدرآباد ٹی وی جنٹا ایک چینل چار پر روزانہ ڈیڑھ گھنٹے کا پروگرام پیش کر رہا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک مرتبہ ہندی اور تلگو فیچر فلمیں بھی دکھائی جاتی ہیں۔

ٹیلی ویژن، تعلیم، زراعت اور حفظانِ صحت کے میدان میں موثر رول ادا کرنے، طلبہ، کسانوں اور مزدوروں کی معلومات میں اضافہ کرنے اور عوام کو ملک کی ترقی سے واقف کروانے کے علاوہ دیگر شعبۂ حیات میں کارہائے نمایاں انجام دے رہا ہے۔

یہ ٹی وی کے اصول ہی کا فیضان ہے کہ فونو ویژن اور نائیکو ویژن جیسی جدید علم کی شاخیں وجود میں آئی ہیں۔ فونو ویژن کے ذریعے کسی ٹیلی وائز منظر کو گراما فون ریکارڈ میں محفوظ کرلیا جاسکتا ہے۔ اور حسب خواہش متعدد بار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح برقی رو کی تبدیلیوں کو ٹیلی وائز کرنے کے بجائے ٹیلی فون پر عائد کریں تو شخص کی ہر حرکت کے متعلق ایک مخصوص آواز پیدا ہوگی۔ اس طرح ان کے چہروں کو تعبیر کرنے والی آوازیں بھی مختلف ہوگی۔ اور آوازوں کی مدد سے کسی شخص کے چہرے، ہاتھ اور پیر میں تمیز کی جاسکے گی۔ ان آوازوں کا مستقل ریکارڈ "فونو گراف" کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے امید ہے کہ "فونو وائزر" کے ذریعے مستقبل میں نابینا اشخاص اپنے دوست احباب اور رشتہ داروں کے چہروں کو پہچان سکیں گے۔ علاوہ ازیں ان دور نمائی ترسیلی آلات کے ساتھ جب بالائی سُرخ شعاعیں استعمال کی جاتی ہیں تو ہم تاریکی میں رکھی ہوئی اشیاء کو بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ ہسپتالوں میں زیر آپریشن مریضوں کے متاثرہ عضو کا کافی فاصلہ سے معائنہ کیا جاسکتا ہے۔ نیوکلیر میٹریل، جیٹ فیول، اور دوسرے مضرِ صحت اور مہلک اشیاء کے استعمال میں اس سے مدد لی جاتی ہے۔ بنکوں اور ادارہ جات میں قدیم ریکارڈ کو پڑھنے کے لئے ٹی وی کے اصول سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے ان بیش بہا فوائد کے پیش نظر ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ ٹی وی اس صدی کی ایک عظیم اور اہم ایجاد ہے۔ اور اس کے موجد "بیرڈ" کا یہ کارنامہ لائق صد تحسین ہے۔ ●●

حیدرآباد —— آندھرا پردیش کا دارالسلطنت

صلاح الدین نیر

- یہ شہر آرزو
  ہندوستاں کا دل
  امانت ہے محبت کرنے والوں کی
  وفا کی بولتی تصویر ہے یہ
  قطب کا دل دھڑکتا ہے
  ابھی تک ان فضاؤں میں
- یہ میرا شہر ہے دانشوروں، شاعر، ادیبوں کا
  یہ شہر آرزو ہے چترکاروں کا غزالوں کا
  کو بتاؤں کا گیتوں کا
  یہ شہر علم و دانش ہے
  محبت نام ہے اِس کا
- مرا شہر غزل بارو! کچھ اتنا خوبصورت ہو
  کہ جیسے حسنِ فطرت ہر نظر سے نور برسائے
  یہاں ہر چاہنے والا بہت ہی ٹوٹ کر چاہے
- یہاں کی رسم ایسی ہو کہ بس چاہت ہی چاہت ہو
  یہاں کے ذرّے ذرّے میں محبت ہی محبت ہو

اقبال متین

زندہ مردہ آدمی

کارنیوال میں روشنیاں چاروں طرف یلغار کر رہی تھیں ۔
تین روز سے میں نے بچوں سے وعدہ کر رکھا تھا اور پھر انہیں ٹال رہا تھا ۔ اے آئی آر پر رکارڈنگ کے بعد جیب ذرا بھاری ہوگئی تو کارنیوال کی روشنیاں جو تین روز پہلے میں نے سرراہے دیکھ لی تھیں ساری کی ساری میری آنکھوں میں اتر آئیں جیسے سڑک پر میں چل رہا تھا وہاں ابھی ابھی لائٹ آف ہوئی تھی ۔ لیکن میری جیب نے فیوز جلا کر کارنیوال کو سڑکوں پر بکھیر دیا اور میں بچوں کو ساتھ لئے گھوم رہا تھا ۔ بیچ بیچ میں یہ خیال ضرور آتا تھا کہ چیک کیش کرانا تھا ۔ بنک کا وقت نہ ہونے کے باوجود مجھے معلوم تھا کہ چیک کچھ گھاٹے سے سہی، کہاں کیش ہو سکتا ہے ۔

میں نے جب یہ کام کر لیا تو کارنیوال کی روشنیاں پھر سا تد ہوگئیں اور ان روشنیوں میں بچے تالیاں بجا کر ناچنے لگے اور میں نے ان کو خوش دیکھ کر اطراف میں پھیلے ہوئے اندھیروں سے منہ موڑ لیا

گھر پہونچا تو اپنے فلیٹ کی سیڑھیوں کے پاس ہی ایک شخص پر نظر پڑی جس نے کارنیوال کی روشنیوں کو اپنی مٹھی میں بند کر رکھ اور اس کی آنکھیں ٹارچ کی طرح میری جیب میں پڑی ہوئی نوٹوں تھیں ۔ میں نے عمارت کے ایک بڑے سے ستون کی اوٹ میں خ چھپا لیا —— قمیص کی جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ چھ نوٹ بجلی کی سرعت سے پتلون کی جیب میں منتقل کئے اور اس ہو کر اس طرح مسکرایا جیسے اس کے گلے لگ جاؤں گا
یا کھینچ کر اسے گلے لگا لوں گا ۔ تنہائیوں میں ڈوبے رہنے والے دل نے میرے ہونٹوں کو کچھ ایسی ٹریننگ دے رکھی جانے پہچانے چہرے کو دیکھ کر وہ جھٹ سے کوئی ہنسی خود پر کھیتے اور میرا چہرہ کاغذی پھولوں سے باغ و بہار ہو جاتا ۔

کن کانیاں فصلاں پکیاں جی   اہا جی اہا
اہا جی اہا

میں نے گنگناتے ہوئے جھٹ سے دس کا نوٹ سر (اجی) ۔ میں تھمانے کی کوشش کی —— ادے سداراں —— لے بھی

ساری پونجی نچھاور کردوں تجھ پر۔

وہ مسکرایا۔

میرے سینے کے اندر جو کھائی تھی اور اس میں جو اتھل پتھل ہو رہی تھی وہ سب اس کی ایک مسکراہٹ سے بالکل شانت ہوگئی۔

میرے سردار جی کی مسکراہٹ کتنی عظیم تھی —— وہ میرے ہونٹوں پر چپکی ہوئی مسکراہٹ کو پل بھر میں نوچ کر پھینک بھی سکتی تھی —— لیکن سردار اچھے موڈ میں تھا۔

کہنے لگا —— کیا خاک فصلاں پکیاں۔ اب کی بار بھی لگتا ہے تو سود پر ٹرخائے گا ؟

سیڑھیاں چڑھنے لگا تو میں خوش تھا۔ کاغذی مسکراہٹ ابھی ہونٹوں پر جمی ہوئی تھی قطرہ قطرہ جینے میں' لمحہ لمحہ جینے میں کتنی لذت ہے۔ بیکراں سمندر سامنے ہو تو لوگ کس طرح جیتے ہونگے —— مجھے مل جائے تو سراب سے بدل دوں۔ میں نے ایک پل پر فتح پالی تھی۔ سردار کی مٹھی سے ایک لمحہ چھین لیا تھا۔ اور کارنیوال کے اجالے سیڑھیوں پر میرے اطراف پھیل گئے تھے اور ان روشنیوں میں اپنے بچوں کو نہاتا ہوا دیکھ کر میں آنکھیں بھی نہیں جھپکا رہا تھا۔ کیونکہ سردار میرے ہپوٹے اپنے ساتھ لے گیا تھا' میری پلکیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ صرف کاغذی مسکراہٹ ہونٹوں کے لئے چھوڑ دی تھی

میں بچوں کو لے کر جب کارنیوال کے احاطے میں پہونچا تو بڑا مطمئن تھا' سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑی وہ ایک بہت ہی نازک سی چار پہیوں کی بگی تھی جس میں ایک بکری جوتی گئی تھی —— اس بگی کو دیکھ کر دنیا بڑی معصوم لگتی تھی —— بگی کے پاس کھڑے ہر نوجوان' ادھیڑ اور بوڑھے شخص کا بچپن سامنے آکر مجسم ہو جاتا تھا چھوٹے بچے اس بگی کے پیچھے دیوانے ہو رہے تھے۔ گھوڑے اور خچر کی جگہ بکری نے لی تھی اور وہ بھی میری طرح مطمئن نظر آتی تھی۔ بگی کو کاغذی پھولوں سے سجایا گیا تھا اور بکری کی پشت پر زریں جھول پڑی تھی۔

بچے بڑے اشتیاق سے اس بگی میں بیٹھ کر سفر کر رہے تھے اور ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ مجھے اپنا بچپن یاد آرہا تھا —— میں نے تو سارا بچپن رنگ برنگ خوشبودار پھولوں سے سجی بگی میں سفر کرتے گزارا تھا —— اس بگی میں بکری نہیں برق رفتار گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ پھولوں سے لدی اس بگی نے ہمیشہ ہواؤں سے باتیں کی تھیں اور اس طرح میرا بچپن اس زمین پر بے آواز بجلیوں کی طرح چمکتا ہوا بیت گیا تھا۔

—— بگی کا نوجوان مالک بڑا خاموش طبع اور خشک آدمی تھا۔ لگتا تھا اس پیشے کے لئے بالکل ناموزوں ہے۔ بچوں کو رجھانا تو دور رہا وہ اُن سے مسکرا کر بات کرنا بھی نہ جانتا تھا —— بچے لیکن اس حد تک مگن تھے کہ جیسے بجھتے گاڑی بان کی انہیں پرواہ تک نہ تھی —— ویسے دیکھنے میں یہ نوجوان ناک نقشے کا کامل تھا اور خوش پوشاک بھی۔ لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر چولھے میں بجھی راکھ کا خیال جانے کیوں مجھے آیا تھا اور اب یہی خیال ذہن میں بس کر رہ گیا تھا۔ گاڑی بان کی طرف نظر کرتا تو لگتا راکھ اس کے چہرے سے اڑ اڑ کر بکھر رہی ہے۔ مجھے بھی بچوں کی طرح یہ نازک سی بگی اور اس میں جتی ہوئی معصوم سی بکری اچھے لگے تھے لیکن ان کا گاڑی بان ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ بعض اوقات اس کے چہرے کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ انکا چہرہ میرے دل کی طرح ہے۔ میرے دل میں بھی کہیں راکھ اڑ رہی ہے۔ جو کسی بچے کو نظر نہیں آتی۔

میرے بچوں نے ایک چکر لگانے کے بعد دوسرے چکر کیلئے اصرار کیا تو میں انہیں منا پھسلا کر آگے بڑھ گیا کہ واپسی میں دوسری ٹرپ ضرور ہوگی۔

بچوں نے اپنی پسند کی تفریحات ختم کرلی تھیں۔ اب اعلان ہونے لگا تھا کہ ٹھیک ساڑھے نو بجے شہاب ثاقب آسمان سے ٹوٹ کر زمین پر گرے گا۔ گنجانے سے کبھی آواز گونجتی کہ اب ایک شعلہ پوش بلندیوں سے زمین کی پنہائیوں میں اترنے والا ہے۔ لوگ جوق در جوق آواز کی سمت بڑھنے لگے۔

بچوں نے چلتے چلتے پیراشوٹ سے اترتی ہوئی گڑیوں کو دیکھا اور رک گئے۔ مہین پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی چھتریوں سے بندھی ہوئی گڑیاں بڈوں کے ریکٹس سے فضاؤں میں اچھالی جا رہی تھیں پھر اُن کی بند چھتریاں کھل رہی تھیں اور وہ ہواؤں میں ڈولتی ہوئی نیچے اتر رہی تھیں۔ منی تالیاں بجا رہی تھی۔ وہ بھول گئی تھی کہ اس کا آئس فروٹ تیلی سے جدا ہو کر زمین پر پڑا گھل رہا تھا —— اُس کے ہونٹ اور دہن آئس فروٹ سے سرخ اور ٹھنڈے ہو کر چپکٹ ہو گئے تھے —— میں نے رومال جیب سے نکال کر اس کا منہ صاف کیا —— اس کی نظریں پیراشوٹ سے اترتی ہوئی گڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ناگواری سے میرا ہاتھ ہٹا دیا —— پھر کچھ سوچ کر ہاتھ تھام لیا —— میں نے سب بچوں کے لئے پیراشوٹ خرید لئے —— جی چاہا بچوں کو ٹریننگ دینے کے بہانے اپنے لئے بھی ایک خرید لوں — لیکن ڈیڑھ روپے نے بڑھ کر میری پرس کا منہ بند کر دیا۔

شعلہ پوش کو بلندیوں سے زمین کی گہرائیوں میں اترتا ہوا میں نے پہلے بھی دیکھا تھا —— لیکن یہ شور و شرابہ، یہ ہنگامہ کبھی نہ سنا تھا۔ مقررہ وقت پر لوگ جمع ہو جاتے تھے اور سب کی آنکھیں جیسے آسمان کی جانب اٹھ جاتی تھیں —— لاؤڈ اسپیکر پر نہ شہاب ثاقب کی بات ہوتی نہ زمین کی پہنائیوں کا ذکر ——

جھکی ہوئی گردنیں اکڑ تیں اور لگتا کہ میدان میں جمع سارے کے سارے لوگوں نے ماہ و سال کا بوجھ شانے جھٹک کر اتار پھینکا ہے —— ایسے میں نظریں بلندیوں پر شعلہ پوش کی منتظر رہتیں —— بے شمار نظریں بے حساب نظریں جو اسے موت کے منہ میں جاتا ہوا دیکھتیں اور بڑی مطمئن مطمئن سی رہتیں، منٹ دو منٹ کی آوازوں کے بعد ہی اعلانات اور تشہیر بند ہو چکی تھی۔ دراصل تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں اطراف کے اسٹالس کے وہ لوگ تھے جو آہنی مینار کے قریب ہی اپنا اسٹال سجائے ہوئے تھے۔ وہ لوگوں کو شعلہ پوش کے نام سے رغبت دلا کر اس رخ پر بلا رہے تھے جس رخ پر وہ خود تھے اور اس طرح شعلہ پوش کی راہ میں پڑے رہنے والوں کا بھلا ہو رہا تھا —— اور کارنیوال کے میدان کے چاروں سمت سے لوگ ایک ہی رخ پر جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان میں بچوں سے زیادہ بڑے لوگ تھے —— شاید بچوں کو زندگی سے دلچسپی تھی —— خواہ وہ کسی کی ہو —— شعلہ پوش سے اُن کی بے اعتنائی کا بظاہر جواز یہی ہو سکتا تھا کہ وہ دوسری چیزوں میں بھی دلچسپی رکھتے تھے —— کبھی کھلونوں کی دکانوں پر ٹھہر جاتے، کبھی بڈھی کے گلابی بالوں کی جانب لپکتے۔ کبھی آئسکریم کے اسٹال اُن کے پاؤں پکڑ لیتے، کبھی بڈوں کے ریکٹ سے گولے اوپر پھینک کر پیراشوٹ سے اترتی ہوئے گڑیوں کو وہ شعلہ پوش پکارنے میں ہی مگن رہتے۔ اُن کے لئے شاید اس بات میں زیادہ دلچسپی نہ تھی کہ زندگی کو موت سے آنکھیں چار کرتا ہوا دیکھیں اور اپنی تماش بینی پر پشیمان بھی ہوں۔

کارنیوال سارے کا سارا قریب و دور سہی لیکن ایک ہی مرکز پر جمع ہو گیا تھا۔

میں نے دیکھا ایک دُبلا پتلا چھریرے بدن کا مجہول آدمی آہنی مینار کے اطراف پھر رہا تھا —— یوں لگتا تھا جیسے یہ شخص حواس باختہ ہے۔ یا اس نے بہت قیمتی شئے کھو دی ہے اور کبھی آہنی مینار کے اطراف کبھی مینار کے سامنے پانی بھرے حوض کے کناروں پر وہ اس قیمتی چیز کو تلاش کر رہا ہے۔ جانے کب سے تلاش کئے جا رہا ہے —— اطراف پھیلے ہوئے انسانی سروں کے سیاہ سمندر کی اس مجہول شخص کو کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ تو آہنی مینار کی جڑوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا —— حوض کے کناروں پر کچھ تلاش کر رہا تھا اس کو نہ شعلہ پوش کا انتظار تھا نہ اس کی آنکھیں مینار کی بلندیوں کی طرف اٹھتی تھیں میرے سوا کچھ ہی لوگ تھے بلکہ شاید کوئی بھی نہ تھا جو اس مجہول شخصیت میں دلچسپی لے رہا تھا۔ سب کے سب شعلہ پوش کے منتظر تھے۔

ٹین کے لال اور ہرے بھونپوں سے نکلی ہوئی آوازیں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں —— ایک حسینہ، ایک حسینہ جس کا دھڑ مچھلی کا ہے —— ایک مچھلی ایک مچھلی جس کو قدرت نے عورت کا حسین چہرہ لگا دیا ہے۔ صرف چار آنے میں دیدار کیجئے۔

عجیب سی کرخت آواز میں کوئی پکار رہا تھا۔ آپ موٹے اور

بے ڈول نہیں ہیں ۔ بدصورت اور ٹھینگنے بھی نہیں ہیں ـــــ لیکن ہمارے آئینہ خانے میں آپ اپنا چہرہ بھی نہیں پہچان سکیں گے ۔ آئیے خود کو تلاش کیجئے ۔ صرف چار آنے میں ۔ آپ خود کو کھو دیں گے ۔

اب شعلہ پوش کے انتظار کی لو ریت بڑھ رہی تھی ۔ بچے تقاضہ کر رہے تھے کہ مچھلی کے دھڑ والی کو دیکھیں ـــــ میں انہیں بچکار رہا تھا اور ہم آہنی مینار کے بالکل سامنے پہلی صف میں کھڑے ہیں ـــــ ہمارے پیچھے انسانی سروں کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے ـــــ اب یہاں سے ہٹ جائیں تو پھر پہنچنا ناممکن ہے شعلہ پوش اب آتا ہی ہوگا ـــــ

ـــــ مجہول شخص مینار اور حوض کے اطراف کچھوے کی طرح برابر رینگ رہا تھا ۔ اس نے مینار کو کس کر زمین سے جوڑنے والے موٹے موٹے تاروں کو چھو کر دیکھا ـــــ کسی تار کے پاس رک گیا اور بغور دیکھتا رہا ـــــ حوض کے سامنے پڑی ہوئی ریت پر جب وہ چلنے لگا تو اس کا چہرہ روشنی میں واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا یہ مجہول آدمی یقیناً زندہ نہیں تھا ـــــ اس کے چہرے پر موت کی ایسی زردی کھنڈی تھی جو مر جانے کے بعد بہت دیر میں چہرے کا حصہ بنتی ہے ۔ لیکن وہ اپنے تلوؤں سے ریت کو چھو کر اس کی نرمی کو محسوس کر رہا تھا ۔

یکایک لوگوں میں کچھ کھلبلی سی مچی ـــــ لوگ ادھر ادھر کٹ کر جگہ بنا رہے تھے ۔ شعلہ پوش آرہا ہے ـــــ شعلہ پوش، شعلہ پوش ـــــ لیکن مجہول شخص نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ـــــ اس ہل چل سے اس گہما گہمی سے اس حرکت اور زندگی سے اس کو جیسے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا ـــــ وہ تو کبھی حوض میں بھرے پانی کو گھور گھور کر دیکھتا ۔ کبھی کنوئیں کے اطراف بکھری ہوئی نرم ریت کی ملائمت کو محسوس کرتا ـــــ کبھی مینار کو زمین سے کسنے والے تاروں کو اس طرح چھوتا کہ مبادہ اس کے ہاتھ تلوار کی دھار سے زخمی ہو جائیں گے ۔

آدمیوں کی صفوں کو چیر کر بھی شعلہ پوش نہیں آیا ـــــ ہل چل تھمی تو تین چار نوجوان احاطے میں داخل ہوئے ـــــ احاطے میں کھڑے ہوئے لوگوں کو باہر نکالا ۔ صفیں درست کیں ـــــ بچوں کو ممکنہ طور پر کوشش کر کے آگے کی صفیں دلائیں ـــــ لیکن سب بچوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا ـــــ بعض لوگوں نے چھوٹے بچوں کو کندھوں پر چڑھا لیا ـــــ دوسروں نے اعتراض کیا ۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن ان چاروں نوجوانوں میں لوگ یہ جاننے کیلئے بے چین تھے کہ شعلہ پوش کون ہے ـــــ ایک شکیل سے تنومند نوجوان کی طرف لوگوں کی نظریں بار بار اٹھ رہی تھیں جو نو وارد چاروں میں سے ایک تھا ـــــ ہاں وہ جا رہی تھی اور چاروں تو شعلہ پوش نہیں ہوسکتے ـــــ مجہول شخص مبہوت کھڑا تھا ـــــ چاروں نو واردوں نے جھک کر مبہوت کھڑے مجہول شخص کی تعظیم کی اور وہ زمین پر اتو کرتا آہنی مینار کی طرف بڑھنے لگا ـــــ لوگوں نے اب بھی اسکو نہیں چھوڑا ۔ یہاں تک کہ وہ مینار کے مقابل ہو گیا ـــــ پھر اس نے جھک کر دونوں ہاتھ سینے اور پیشانی سے متصل لئے ۔ تین بار یہ عمل کرنے کے بعد جب اس نے سیدھے ہو کر پہلی آہنی سلاخ پر قدم رکھا تو لوگوں نے جو سامنے کی صفوں سے اُسے دیکھ رہے تھے تالیاں پیٹنی شروع کیں ـــــ شعلہ پوش تو یہ رہا ـــــ پچھلی صفوں اور اگلی صفوں میں دھکا پیل شروع ہو گئی ـــــ کہاں ہے وہ ـــــ کون ہے وہ ؟

آگے والوں نے پیچھے والوں سے کہا ـــــ صبر سے کام لو بھائی وہی شخص تو ہے جو اتنی دیر سے آپ سب کے سامنے کھڑا تھا ـــــ اب وہ بلندی پر آرہا ہے ۔

مجہول شخص اوپر چڑھ نہیں رہا تھا ـــــ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اس کے جسم کو جبراً اٹھا کر مینار کی بلند ہوتی ہوئی سلاخوں سے لٹکاتا جا رہا ہے اور وہ بے چوں و چرا ایک سلاخ سے لٹک کر کسی اور سلاخ پر اپنے پیر مضبوطی سے جما رہا ہے ـــــ وہ مجہول اور مبہوت شخص تو زمین پر بھی چلنے کی سکت سے عاری تھا ـــــ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اتنی بلندیوں تک پہونچ سکے گا ـــــ لیکن یقیناً اس کے جسم کو کوئی اوپر اٹھا رہا تھا ـــــ وہ جتنا بلند ہوتا جا رہا تھا، آہنی مینار کا ایک حصہ ہوتا جا رہا تھا ۔ اس کا جسم سلاخوں سے چمٹا ہوا اس کو اوپر ہی اوپر اس طرح اٹھا رہا تھا جیسے کوئی بہت مضبوط رسی سے باندھ کر اسکو اوپر کھینچ رہا ہو ـــــ لیکن رسی کی مضبوطی کا نہ کھینچنے والے کو یقین ہو نہ کھینچے جانے والے کو ۔

لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"ہاں مرگیا ہے ——— اس کا باپ اسی طرح مرگیا ہے"۔

"باپ نہیں بھائی، استاد ——— استاد اسی طرح مرگیا ہے"

"استاد ہو کہ باپ ہو ——— کس طرح مرا بھئی ——— کس طرح مرگیا"

کسی منچلے نے کہا ——— صبر کرو ——— دیکھو بھی اب یہ کس طرح مرتا ہے"۔

دوسرے منچلے نے ——— اضافہ کیا ——— ہاں ہاں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے بھائی"۔

"اف، یہ بلندی ——— اوپر دیکھنے سے بھی چکر آتا محسوس ہوتا ہے"

"بڑے جان جوکھم کا کام ہے یار"

"پیٹ بڑا بدکار ہے میاں ——— جان کی سلامتی کے لئے جان ہی سے کھیلتا ہے"۔

"تو کیا مرگیا اس کا استاد؟"

کیسے مر سکتا ہے؟ بھلا یہ بھی کوئی دشوار بات ہے جو سمجھ ہی میں نہ آئے ——— بھائی، کنوئیں میں گرنے کی بجائے وہ کنارے پر آ پڑا ——— اور پرخچے اڑ گئے اس کے اور یہ پرخچے آگ میں جلتے رہے ——— کہنے والا اس وثوق اور مسرت سے کہہ رہا تھا۔ جیسے اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

مجہول آدمی آہنی مینار سے چمٹا ہوا۔ مینار کا ایک حصہ بن چکا تھا اور اب اس کو دیکھنے کے لئے لوگ اپنی گردنیں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔ گو پیاں ہاتھوں میں آگئی تھیں جو خال خال تھیں، اب اس مجہول اور دبلے پتلے مریض نما شخص کی صورت بلندی پر اتنے فاصلے تک جا پہنچی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ آخر کار اس نے اپنے جسم کو گھسیٹ کر آہنی مینار کی آخری سرے پر بنی ہوئی ریلنگ سے محصور پلیٹ پر پھینک دیا۔ جہاں اتنی جگہ تھی کہ وہ کھڑا ہو کر ہاتھ پاؤں ملا سکتا تھا۔ پٹرول اپنی نمد سے والی نرم اور دبیز پوشاک پر چھڑک کر آگ لگا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے جسم کو ایستادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ——— لوگوں نے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں وہ ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا ——— دبلا پتلا مجہول شخص اور بھی بے جسم و بے جان نڈھال اور مضمحل دکھائی دے رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے ریلنگ کو تھام کر اس نے دوسرا ہاتھ اوپر اٹھایا اور تالیاں پیٹنے والوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے فرغل کا دبیز پوشاک اپنے جسم سے لپیٹ لی۔ سارا چہرہ ایسی کن ٹوپ سے ڈھانپ لیا جو چشم پوش بھی تھی ——— پھر اس نے ریلنگ میں لگے ہوئے پٹرول کے شیشے نکال کر اپنے جسم پر پٹرول چھڑک لیا ——— سر سے لے کر پیر تک ساری پوشاک پٹرول سے تر کی۔ تھوڑا بہت پٹرول زمین پر آتے آتے قطرہ قطرہ بکھر رہا تھا ——— پانی بھرے حوض یا کنوئیں میں بھی گر رہا تھا۔ جس کے اطراف ریت تھی اور جس کو آہنی مینار پر چڑھنے سے قبل اس مجہول مریض نے تلوؤں سے چھو کر محسوس کیا تھا۔

اب وہ محسوسات کی دنیا ہی کی کوئی شئے بن گیا تھا ——— دیاسلائی کھینچ کر اس نے مشعل جلائی ——— مشعل کے شعلے نے ہوا میں ایک نورانی لکیر سی کھینچی ——— پھر اس لکیر نے پلک جھپکاتے ہی پٹرول سے بھیگی ہوئی فرغل نما دبیز پوشاک پر چاروں طرف سے نکیلی، دمکتی، جھلستی زبانیں پھینک دیں جو شعلے بن کر دہک اٹھیں ——— اور پھر دیکھتے دیکھتے یہ سارے شعلے ایک دوسرے سے لپٹ کر ایک ہو گئے اور جیسے کسی نے دھکا دے کر اس شعلے کو زمین کی گہرائیوں میں گرا دیا ——— فضاؤں کو آگ کی لپٹوں سے جھلستا ہوا جب یہ شعلہ پانی سے لبریز کنوئیں میں گرا تو پانی پر تیرتے ہوئے پٹرول نے بھی آگ پکڑ لی اور سارا کنواں جل اٹھا اس شعلہ پوش کنوئیں سے کئی شعلے باہر چھلانگ لگا کر ادھر ادھر بکھر گئے۔

لوگ بے چینی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے بھی ٹکراتے رہے۔ لیکن چاروں طرف بکھرے ہوئے شعلوں نے فضاؤں ہی میں دم توڑ دیا اور کسی ایک کی بھی بکھرے ہوئے سروں تک رسائی نہ ہوئی۔ آگ کا کنواں دیکھتے ہی دیکھتے پھر سے پانی کا کنواں بن گیا۔ اور کنوئیں کی منڈیر پر کسی نے اپنا بھاری بھرکم جسم سمیٹ کر جیسے اچھال دیا۔ کنوئیں کے سامنے

پچھی ہوئی ریت پر پانی سے بھیگی ہوئی دبیز پوشاک کئی ہاتھوں نے ایک تن سے جدا کی ۔ تالیوں کی آواز ابھی مدھم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دبلا پتلا چھریرا شخص نوچ کر پھینکے ہوئے بھیگے بھیگے دبیز فرغل سے برآمد ہوا ——— مسکراتا ہوا چہرہ جس پر پھول ہی پھول کھل رہے تھے ، آگ میں تپ کر ' پانی میں بجھ کر جو شخص فرغل سے برآمد ہوا تھا۔ وہ کوئی اور ہی تھا ——— مجہول شخص شاید موت کو اپنے ساتھ آہنی مینار کی بلندیوں پر لے گیا تھا اور آگ لگا دی تھی اور شعلوں میں لپٹی ہوئی موت کو بڑی صفائی سے دھکا دے کر کنوئیں میں گرا دیا تھا - پھر جانے کب وہ کنوئیں میں چپکا سا اتر گیا اور اسکی تہوں سے بھیگی ہوئی فرغل کی پوشاک میں لپٹ کر کوئی زندگی نکال لایا ۔

تالیاں دیر تک بجتی رہیں ۔ دور تک سنائی دیتی رہیں لوگ آپس میں کہہ رہے تھے ——— آہنی مینار کی بلندی پر پہنچنے والا بیمار مجہول اور مضمحل شخص جانے کہاں مر کھپ گیا ہے ۔ فرغل سے برآمد ہونے والا تو کوئی اور ہی تھا "

لوگ اب بھی اسکو نہیں پہچان رہے تھے ——— نہیں پہچاننا چاہتے تھے ۔

لوگوں کی باتیں سن سن کر بچے مجھ سے مخاطب ہوئے ۔
کیا واقعی وہ شخص مر گیا ہے ابو
جی چاہا ان کو راز کی بات بتلا ہی دوں کہ نہیں ، شاید اب زندہ ہوا ہے ۔ پہلے تو یہ شخص مرا ہوا تھا ۔

●●

خواجہ ضمیر

امتحاں اپنی وفاؤں کا لیا جاتا ہے
ہم کو رسوا سرِ بازار کیا جاتا ہے

اس کو تاریخ کی پلکوں سے چنا جاتا ہے
حق کی خاطر جو سرِ دار چڑھا جاتا ہے

عمر بھر آپ اجالوں کے لئے ترسینگے
اٹھ کے محفل سے کوئی اہلِ وفا جاتا ہے

آج کی شب یہ مری آخری شب ہے شاید
کیوں چراغ آج سرِ شام بجھا جاتا ہے

پست ذروں کے مقدر سے اندھیرا نہ گیا
اور اُجالا سرِ مینار بڑھا جاتا ہے

ہمد مو خوابِ رہائی کی یہ تعبیر نہ ہو
آشیانہ جو جہانوں میں چلا جاتا ہے

نہ ملی جب بھی گنہگار کو دنیا میں پناہ
تیرے دامن میں سمانے کو چلا جاتا ہے

راستے سوچ رہے ہیں ابھی اہلِ دانش
تیرا دیوانہ تیری دھن میں چلا جاتا ہے

روشنی سے کہیں محروم نہ ہو جائے ضمیر
کوئی سورج جو تصور سے ہٹا جاتا ہے

صدق بھی اب جھوٹ کا مرہونِ منت ہوگیا
آئینے کا عکس ان کی حقیقت ہوگیا

بند کمروں میں مہک دیتے رہے جسموں کے پھول
اور کھلی چھت پر ترسنا میری قسمت ہوگیا

آئینہ ٹوٹا تو ہر ٹکڑے میں تیرا عکس تھا
تو بکھر کر اور بھی کچھ خوبصورت ہوگیا

میں محض پرتو تھا جب تک عالمِ بالا میں تھا
عالمِ خاکی میں آکر رنگ و نکہت ہوگیا

جو زمیں پر اشرف تھا مخلوقات میں وہ آدمی
کیا تنزل ہے کہ ننگِ آدمیت ہوگیا

ڈاکٹر قریشی

عابد انصاری

جنتِ نگاہ نظام آباد

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور دلائل و براہین سے ثابت بھی کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیا میں سب سے بہتر ملک بر اعظم ہندوستان جنت نشان ہے ۔ اور ایک سابق چیف منسٹر کے الفاظ میں سارے ہندوستان میں آندھرا پردیش جنت نظیر ہے ۔ میں اس پر یہ اضافہ کردوں گا کہ اس جنت نظیر آندھرا پردیش کا مرکزی مقام نظام آباد ہے ۔ نظام ساگر جیسے بڑے ذخیرہ آب کا وجود ۱۱۹۰ میل طویل نہروں کی روانی ، وسائل معیشت کی فراوانی ، اجناس کی ارزانی ، زرخیزی ، سرسبزی و شادابی ، مناظر فطرت کی دلکشی ، گلگشت علی ساگر کی نظر فریب چمن بندی ، معتدل و خوشگوار آب وہوا ، باشندوں کی تہذیب و شائستگی اور شہر کی رونق کے اعتبار سے شہر نظام آباد اور پورا ضلع واقعی جنت ارضی ہے ۔

محل وقوع

ساری دنیا کے جغرافیہ پر اور پھر ہندوستان میں ضلع نظام آباد کے محل وقوع پر نظر ڈالئے ۔ ہندوستان کے تقریباً بیچوں بیچ ۷۸° طول بلد اور ۱۸° عرض بلد پر سطح مرتفع دکن کے سینہ پر ، دریائے گوداوری و مانجرا کی محبت بھری آغوش میں یہ زرخیز و بارونق ضلع ، نیلی چھتری لگائے ہوئے نیشکر اور دھان کے ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور زندگی کی سانس لیتے ہوئے کارخانوں کے ساتھ پوری آب وتاب اور شان وشوکت سے ۱۳ لاکھ ۳۴ ہزار اشخاص کی خوشحالی اور ہمہ جہتی ترقی میں مدد کر رہا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ دیگر ریاستوں اور بعض بیرونی ممالک کو کثیر مقدار میں چاول ، شکر اور عوامی سگریٹ یعنی بیڑیاں برآمد کر رہا ہے ۔

عاجلانہ ترقی کے اسباب

پورا ضلع سطح اور میدانی علاقہ ہونے کے سبب سے آمد ورفت اور حمل ونقل میں آسانی ہے ۔ اراضیات زراعت کیلئے بھی موزوں ہیں اور مکانات کارخانوں کی تعمیر کے لئے بھی ۔ ہندوستان کے شمالی و جنوبی علاقوں کو ملانے والی قومی شاہراہ

مستقر نظام آباد سے گزرتی ہے۔ آب و ہوا معتدل و خوشگوار ہے۔ ترقی کا سب سے بنیادی ذریعہ نظام ساگر ہے جو ۵۰ سال سے پورے ضلع کو سیراب کر رہا ہے۔ لیکن موجودہ ترقی کے تذکرے سے پہلے تو مناسب یہ ہے کہ ہم اس ضلع کی قدیم تاریخ پر بھی طائرانہ نظر ڈالتے چلیں۔

قدیم تاریخ

ضلع نظام آباد کا علاقہ ڈنڈک بن میں واقع ہے۔ شہر نظام آباد کے اطراف بودھن، بالکنڈہ، ڈچپلی اور کولاس کے وہ تاریخی مقامات ہیں جو قدیم راجاؤں اور سپہ سالاروں کے پایہ تخت و مستقر رہے۔ راشٹر کوٹ خاندان کے راجہ اندر ولبھا یا نیتا ورشم اندر سوم نے ۹۱۵ء سے ۹۱۷ء تک بودھن کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ بلال اور پانڈو میں ان کی عمارتوں، مندروں اور اشیاء کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ۱۲۳۵ء میں ورنگل کے چالوکیہ خاندان کے گنپتی راجہ اور دولبنی راجہ اس علاقہ "تلنگانہ" پر قابض رہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۱۳۰۷ء میں سلطان علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے ورنگل کو فتح کیا تو اندور (نظام آباد) پر سے گزرا اور یہاں کے راجہ کو شکست دی۔ فرانسیسی تاریخ میں بھی موجودہ نظام آباد (سابق نام اندور) کا تذکرہ آیا ہے۔ ۱۶۶۷ء میں موسیو تھینو فرانسیسی سیاح نظام آباد سے گزرا۔ وہ لکھتا ہے "ہم اندور پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہ ایک راجہ کے قبضے میں ہے۔ جو نہ تو مغلیہ بادشاہت کا مطیع ہے اور نہ گولکنڈہ کے قطب شاہ کے زیر اثر۔ بلکہ لڑائی کا رنگ جدھر کامیاب دیکھتا ہے اُدھر کی گاتا ہے۔ اس نے ہم سے کافی گاڑی دو روپیہ ٹیکس طلب کیا۔ مگر ہم ایک روپیہ دیکر یہاں سے چلتے بنے اور بسنت پوری پہونچے۔ ہم اندلوائی سے چار گھنٹے سفر کے بعد ایک خوشنما پہاڑی (سرناپلی) پر پہونچے جو تمام روئے زمین پر بہترین اور شاداب نظر آتی ہے" مزرت سیّاد دانشمند بادشاہ محمد تغلق کے سپہ سالار ملک فخرالدین کی فوجیں قندھار سے ورنگل جاتے ہوئے بودھن و نظام آباد سے گزریں۔ اورنگ زیب عالمگیر بھی گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہ پر حملہ کرنے کے لئے جاتے ہوئے بودھن، کنڈیرہ اور نظام آباد پر قیام کیا۔ ان تمام تاریخی حوالوں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نظام آباد اپنے محل وقوع کے باعث ہمیشہ ایک اہم مقام اور شمال و جنوب کے درمیان لازمی گزرگاہ رہا ہے۔ اور آج بھی ریلوے لائن ہو یا قومی شاہ راہ ضلع نظام آباد کے درمیانی علاقوں اور مستقر پر سے گذرتی ہوئی دہلی، آگرہ، بمبئی وغیرہ کو حیدرآباد، بنگلور اور مدراس سے ملاتی ہے۔

عہد قدیم میں دیگر علاقوں کی طرح نظام آباد کا نظم و نسق بھی دیسمکھ، دیسپانڈے، جاگیردار، فوج کے سپہ سالار کے بے ہنگم انتظامات کے فرسودہ طریقوں کے مطابق رہا۔ لیکن آج سے (۱۸۰) سال پہلے جب اول تعلقداریاں قائم ہوئیں تو انتظامات میں تھوڑی بہت تبدیلی شروع ہوئی۔ ۱۸۲۰ء میں ضلع نظام آباد کی ضلع بندی عمل میں آئی۔ تعلقات کی حد بندی ہوئی۔ اور یہ علاقہ راست حکومت کے زیر انتظام آیا۔ سابقہ اندور حال نظام آباد کو ضلع کا مستقر بنایا گیا۔ اس سے قبل فوج کا مستقر بودھن تھا۔ جب نظام آباد ضلع کا مستقر قرار پایا تو راقم الحروف (عابد انصاری) کے جدِ اعلیٰ حافظ محمد علی عرف الٰہی بخش کو جو بودھن کی جمعداری افواج پر متقرر تھے قربان علی صاحب اول تعلقدار (کلکٹر) نے بودھن سے تبادلہ کرکے مع سواران فوج نظام آباد پر متقرر کیا۔ مصنف "نظام آباد کی تاریخ" جناب غلام احمد دکیل کاشانہ کی تحریر کے مطابق "اب یہ اسلحہ داریاں انقلابات زمانہ سے ختم ہو گئیں۔ لیکن ۱۸۶۹ء سے ۱۸۹۵ء تک یہ خاندان نظام آباد میں انتہائی قوت و عزت کے ساتھ فوج کے علاوہ پولیس کے بھی فرائض انجام دیتا رہا"۔

ضلع بندی کے بعد محکمۂ مال و فوج کے علاوہ پولیس، عدالت، تعلیمات، زراعت، آبپاشی وغیرہ محکمے قائم ہوئے۔ اور انتظامات میں بہ تدریج باضابطگی عمل میں آنے لگی۔ ۱۹۰۰ء میں حیدرآباد تا منماڑ ریلوے لائن ڈالی گئی۔ سڑکیں تعمیر ہوئیں اور ترقی کے راستے کھل گئے۔

نظام ساگر کا آب حیات

نظام آباد کی نشاۃ ثانیہ ۱۹۳۵ء سے شروع ہوتی ہے جبکہ نواب علی نواز جنگ بہادر اور مرزا احمد بیگ صاحب اول تعلقدار کی طویل جد و جہد اور انتہائی دلچسپی کے باعث نظام آباد سے (۵۸) میل میں موضع پنچے پلی کے پاس دو پہاڑوں کے درمیان دریائے مانجرا کو روک کر دنیا کا عظیم الشان پراجکٹ نظام ساگر بنایا گیا۔ جب نظام ساگر کا پانی اس کی چھوٹی بڑی ۱۱۹۰ میل طویل نہروں کے ذریعہ سرزمین نظام آباد کی رگ رگ میں دوڑنے لگا تو یہاں سرسبزی و شادابی، ہر جہتی ترقی اور

زندگی کا نیا دور شروع ہوا ۔ درحقیقت نظام ساگر ہی ضلع نظام آباد کی رگ جاں ہے ۔ یہاں کی زراعتی، صنعتی، معاشی، تمدنی غرض ہر قسم کی ترقی خوشحالی اور رونق چہل پہل سب کچھ صرف اور صرف نظام ساگر کی رہین منت ہے ۔ نظام ساگر تالاب کے پانی کا پھیلاؤ (۵۰) مربع میل پر محیط ہے ۔ تالاب کی گہرائی (۱۰۶) فٹ ۔ بند کا طول ۲ میل ۔ اور بند کی بلندی سطح زمین سے (۷۷) فٹ اونچی ہے ۔ جب تالاب لبالب لبریز ہو تو پانی کی مکمل مقدار ۳۵ ارب ۶ کروڑ ۶۰ لاکھ مکعب فٹ ہوتی ہے ۔ اس عظیم الشان تالاب سے (۲۳۱۳۳۹) ایکڑ اراضی سیراب ہوتی ہے ۔ ایک اور تالاب پوچارم سے (۱۰۰۰۰) ایکڑ اور رامڑگ تالاب سے (۵۰۰۰) ایکڑ اراضی سیراب ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ چھوٹے بڑے قدیم تالاب سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور بے شمار بورویلیں بھی ۔

بڑی فصلیں :

یہاں کی سب سے بڑی فصلیں چاول، جوار اور نیشکر کی ہیں ۔ ہر سال تقریباً (۳۹۳۲۲۹) ایکڑ اراضی پر دھان کی کاشت کی جاتی ہے جس سے سالانہ ۴ لاکھ ۱۳ ہزار ٹن چاول حاصل ہوتا ہے ۔ نیشکر کی کاشت (۳۸۰۰۰) ایکڑ پر کی جاتی ہے جس سے (۱۳ لاکھ ۰ ہزار ٹن شکر حاصل ہوتی ہے) چاول ہماری ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتا اور دیگر ریاستوں کو بھی بھیجا جاتا ہے ۔ اس کے باوجود سرکاری گودام بھرے رہتے ہیں بلکہ جگہ نہ ہونے کے باعث کھلے میدان میں موم جامے لپیٹ کر ہزاروں ٹن چاول رکھا جاتا ہے ۔ ۱۹۷۵ء میں ایسا بھی ہوا اور چاول اتنی کثرت سے پیدا ہوا کہ محبوب گنج اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگا اور شہر کے چوراہوں پر جہاں موقع ملا کانٹا لگا کر چاول کے لاکھوں تھیلے تولے گئے ۔ پورے آندھرا پردیش میں سب سے زیادہ پیداوار یہیں ہوئی ۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی تو ایک اور گنج حال داڑی میں بنایا گیا جو انتہائی وسیع ہے ۔

نظام ساگر کی وجہ سے پبلک سیکٹر میں نظام شوگر فیکٹری، اس کے بعد کوآپریٹیو شوگر فیکٹری سارنگ پور عوامی شعبہ میں اور پرائیوٹ سکٹر میں پورے ضلع میں (۳۶) کھنڈسری شوگر ملز قائم ہوئیں ۔ ان کارخانوں کے باعث جہاں شکر ملنے لگی ہے وہیں بیروزگاری کا مسئلہ حل ہوا ۔ اور نظام آباد کی خوشحالی میں اضافہ ہوا ۔

بڑی صنعتیں :

نظام آباد کی بڑی صنعتیں تین ہیں ۔ دو شوگر فیکٹریز، دو ڈسٹلریز ۔ اور بیڑی سازی کے بے شمار کارخانے ۔ اب تو سارنگ پور فیکٹری کے قریب صنعت نگر قائم ہو چکا جہاں گزشتہ دس بارہ سال سے بعض کارخانے کام کرنے لگے ہیں ۔ عنقریب ایک اسپننگ ملز بھی قائم ہونے والی ہے ۔

رقبہ اور آبادی :

ضلع نظام آباد کا جملہ رقبہ (۷۹۶۹) مربع کیلومیٹر اور آبادی (۱۳۳۴۰۰۰) نفوس پر مشتمل ہے ۔ تعلقات کی تعداد (۹) اور مواضعات (۹۲۱) ہیں ۔ ضلع میں حسب ذیل تعلقہ جات ہیں ۔

نظام آباد ۔ بودھن ۔ بانسواڑہ ۔ مدنور ۔ یلاریڈی ۔ کاماریڈی ۔ آرمور ۔ بھیمگل ۔ دوم کنڈہ ۔ اس ضلع کی آبادی کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ (۱۳۳۴۰۰۰) ۱۳ لاکھ چونتیس ہزار کی آبادی میں خواتین کا تناسب ۵۲ فیصد اور مردوں کا ۴۸ فیصد ہے ۔ نظام آباد زرخیز زراعتی، صنعتی اور تجارتی علاقہ بن جانے کے باعث یہاں کی آبادی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے ۔ قدرتی شرح پیدائش کے علاوہ دیگر متعدد ریاستوں سے مزدوروں، تاجروں، صنعت کاروں وغیرہ کی بھاری تعداد اس ضلع میں قیام پذیر ہو رہی ہے ۔ چونکہ نظام آباد، آندھرا اور مہاراشٹرا کا سرحدی ضلع ہے اس لئے خاص طور پر مرہٹواڑہ کے مزدور اور چھوٹے تاجر کثیر تعداد میں آرہے ہیں ۔

شہر نظام آباد

یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ اتنے خوشحال ضلع کا مستقر جس کی آبادی ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہونچ گئی ہے بہت ہی کم رقبہ پر مشتمل ہے ۔ اسی لئے آبادی بہت گنجان ہو گئی تھی ۔ آج سے کوئی چھ سات سال قبل مسٹر ٹی ۔ ایل ۔ شنکر آئی اے ایس سابق کلکٹر نے اس بات کو محسوس کیا ۔ اور مشورہ دیا کہ شہر کے بلدی حدود کو وسیع کیا جائے ۔ چنانچہ اب شمال میں سوباش نگر اور حال داڑی سے آگے مبارک نگر تک، جنوب میں ناگارم سے آگے، مشرق میں پھولانگ کی ندی سے پرے بورگاؤں تک اور مغرب میں سارنگ پور فیکٹری تک بلدیہ نظام آباد کے حدود قائم کر دیئے گئے ہیں ۔ اس کے نتیجے میں اب شہر کے چاروں طرف آبادی وسیع ہوتے ہوئے پھیل رہی ہے چھوٹے بڑے مکانات سینکڑوں کی تعداد میں تعمیر ہو رہے ہیں ۔ لیکن درمیان

آبادی میں بعض زرعی زمینات پر مکانات تعمیر ہوجانے کے باعث بلدی مسائل پیدا ہورہے ہیں جنھیں محکمۂ مال اور بلدیہ کے عہدہ داروں کے مشترکہ کمیٹیوں میں بہ عجلت طے کردینا چاہئیے ۔ ورنہ بلدیہ کی سہولتوں سے محرومی کے باعث ان محلہ جات میں وبائی امراض پھوٹ پڑنے اور سارے شہر کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے ۔

تفریح گاھیں :

مسٹر ٹی ایل سنکرہی نے فرمایا تھا کہ دن بھر محنت کرنے کے بعد فرصت کے اوقات میں عوام کے دماغوں کو مصروف رکھنے کے لئے تفریح گاہوں سنیماؤں کتب خانوں وغیرہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے ۔ ورنہ بیکار دماغ سوسائٹی کے لئے نقصان دہ بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے آبادی کے تناسب سے ہمارے ضلع میں صرف (۲۸) کتب خانے (۳۲) سنیما اور چار پانچ گلگشت ہیں ۔ جن میں سے علی ساگر نظام آباد اور شہر نظام آباد کا باغ عام ہی زبان زد ہیں ۔ شہر میں تو سنیماؤں کتب خانوں اور پارک کی بڑی کمی ہے ۔ حمال واڑی، پھولانگ، برکت پورہ اور والمیکی نگر میں بچوں کے پلے گراونڈ اور چمن وغیرہ اور مزید سنیماؤں کی شدید ضرورت ہے ۔ حال ہی میں اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی ایک شاخ یہاں کھولی گئی ہے جس میں تازہ ترین تصنیفات رکھی گئی ہیں۔ ان کے زیر اہتمام ایک کوچنگ کلاس کا بھی آغاز کیا گیا ہے ۔ انجمن ترقی اردو نے بھی ایک کوچنگ کلاس شروع کی ہے جہاں خواہشمند طلباء اور دیگر اشخاص کو اردو سکھائی جاتی ہے ۔

مدارس :

آج سے ۲۵ سال پہلے پورے ضلع نظام آباد میں صرف ایک ہائی اسکول تھا اور اب ضلع مستقر کے علاوہ تعلقہ جات بلکہ بعض دیہات میں بھی ہائی اسکول اور کالج قائم ہوگئے ہیں ۔ اردو میڈیم، تلگو میڈیم اور خانگی طور پر انگریزی میڈیم کے بیسیوں اسکول اور کالج کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ مدارس بڑھتی ہوئی آبادی کے لحاظ سے ناکافی ہیں ۔ یہی وجہہ ہے کہ اکثر مدارس اور کالج شفٹ سسٹم سے چل رہے ہیں ۔ تعلیم جیسی ہونی چاہئیے ویسی نہیں ہو رہی ہے ۔ اور اساتذ کا وقت "فضول" جا رہا ہے ۔ خود شہر نظام آباد میں مزید (۲۰) مدارس کی عمارتیں تعمیر کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہندی اور اردو میڈیم کے دس سے زائد خانگی مدارس بھی چلائے جا رہے ہیں جن کی حکومت کی جانب سے مزید ہمت افزائی کی ضرورت ہے

زبان

ضلع نظام آباد، تلنگانہ کا علاقہ ہے ، ہندو مسلمان سب تلگو بولتے ہیں سرکاری زبان تلگو یہاں کے دفاتر میں بتدریج رائج کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن ابھی ابتدائی مراحل میں ہے ۔ مہاراشٹر کا سرحدی ضلع ہونے کے باعث مرہٹی بھی بولی جاتی ہے ۔ شہر نظام آباد، حیدرآباد سے قریب ہونے کے باعث اردو زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے ۔ چونکہ یہاں گجرات، کچھ، پنجاب، اتر پردیش مہاراشٹرا، کرناٹک اور مدراس و کیرالا کے لوگ بھی بسے ہوئے ہیں اس لئے سب میں مشترک زبان یعنی اردو ہی عام طور پر بازاروں ہوٹلوں اور محفلوں کی زبان ہے ۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ شہر نظام آباد کی فضاؤں میں صبح سے رات تک گونجنے والی آوازوں کا ٹیپ ریکارڈ لیا جائے تو اردو آوازیں ہی زیادہ سنائی دینگی ۔

تہذیب و تمدن :

ضلع نظام آباد کی خوشحالی اور پھر حیدرآباد سے قربت نے اس کے باشندوں کو مہذب و متمدن بنادیا ہے ۔ تعلیم عام ہوتی جارہی ہے ۔ دیہات کے پنچایت کمیٹیوں کے اجلاس پارلیمنٹ کے اجلاسوں سے زیادہ مہذب دانشمندانہ اور منصفانہ ہوتے ہیں ۔ دیہات میں نئی زندگی کروٹ لے رہی ہے ۔ گھروں میں ریڈیو کے علاوہ کھیتوں میں ناگرکشی کے وقت دو بیلوں کی کانڈی کے درمیان ہمارا کسان ٹرانسسٹر لٹکا دیتا ہے ۔ لتا منگیشکر گاتی ہے ، کسان آواز ملاتا ہے اور بیل ہل چلاتے ہوئے سنتے ہیں پھر شہر نظام آباد کے تو کہنے ہی کیا ہیں ۔ علمی ادبی تہذیبی ، رفاہی محفلیں مشاعرے وغیرہ آئے دن ہوتے رہتے ہیں ۔ اپنی سڑکوں اور بازاروں کی رونق اور باشندوں کی تہذیب کے لحاظ سے نظام آباد ، بلدہ حیدرآباد کا محلہ معلوم ہوتا ہے ۔

شہزاد فیضی

یہ نہیں کہ دل سے اب خوفِ خدا جاتا رہا
ہاں مگر سچ بولنے کا حوصلہ جاتا رہا

جام اٹھایا تھا کہ محفل سے کوئی اٹھ کر گیا
بس ذرا پی تھی کہ پینے کا مزہ جاتا رہا

اب نہ ساقی ہے نہ ساغر ہے نہ پیمانہ کوئی
تم گئے تو سب نظامِ میکدہ جاتا رہا

ہم کھڑے خاموش سوئے آسماں دیکھا کئے
اور ہماری حسرتوں کا قافلہ جاتا رہا

ہم سفر تجھ سے بچھڑ جانے کا مجھکو غم نہیں
غم تو اس کا ہے کہ اک غم آشنا جاتا رہا

اب کسی کا کوئی دنیا میں شریکِ غم نہیں
آدمی سے آدمی کا آسرا جاتا رہا

جب نہیں ہوں گے تو دنیا بھر کو یاد آئیں گے ہم
سب کہیں گے فیضی درد آشنا جاتا رہا

سیدہ شانِ معراج

پھر گیا آج کوئی عہدِ وفا سے کیسے
ہم نے مانگا تھا اسے اپنے خدا سے کیسے

تشنگی نے کوئی احسان گوارا نہ کیا
ہم رہے آ کے سمندر پہ بھی پیاسے کیسے

تیرے احساس کو پیکر میں مجسم کر کے
دیکھتے ہیں تجھے دیدار کے پیاسے کیسے

ہم تو ہر لمحہ رہے گوش بر آواز مگر
کان محروم رہے تیری صدا سے کیسے

کیسی بے ربط ہوئی شام و سحر کی تنظیم
بال الجھے ہیں ترے دستِ صبا سے کیسے

ہم تو آندھی میں بھی جلتے رہے کل تک لوگو
بجھ گئے آج مگر نرم ہوا سے کیسے

قطعات

(۲۰ نکات کی روشنی سے متاثر ہو کر)

نور ہی نور ہے جدھر دیکھو
جلوۂ طور ہے جدھر دیکھو
شوق روشن ہوئے ہیں ۲۰ نکات
موسم مسرور ہے جدھر دیکھو

اندھیرے میں دیئے روشن ہوئے چہرے چمک اٹھے
محبت اور محنت کے سبب غنچے مہک اٹھے
وطن میں ہر طرف اب کے بہاراں ہی بہاراں ہے
سکوں کی چاندنی میں کیسے ہی جگنو دمک اٹھے

ہر سمت حقیقت کی ضیا دیکھ رہا ہوں
کانٹوں پہ بھی پھولوں کی قبا دیکھ رہا ہوں
ہر شخص کے چہرے پہ مسرت رقصاں
سچائی کو یوں جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

مومن خان شوق

اہلِ ہوس یہ آج کے انساں اِن اُجلے ایوانوں میں
جیسے سجے ہوں کاغذ کے گل شیشے کے گلدانوں میں

اپنا دل جب بزم میں اُن کی ٹوٹا تو محسوس ہوا
جانے کتنے دل ہنستے تھے پھول بھرے گلدانوں میں

مجھ تک جو بھی پتھر آیا اُس نے یہ خوش خبری دی
گننے لگے ہیں لوگ تجھے بھی اب اُن کے دیوانوں میں

ایوانوں کی چھاؤں میں کیا ہے؟ اصلی صورت نقلی روپ
کندن جیسے روپ جلیں گے دھوپ بھرے میدانوں میں

شیش محل کے رہنے والے باہر آکر تو دیکھیں
کتنی روحیں بھٹک رہی ہیں قرنوں سے ویرانوں میں

دکھیوں کے دکھ بانٹنے والے دکھ ہرنے آئے تو مگر
دکھیوں کے دکھ ڈھونڈ رہے ہیں چھلکے ہوئے پیمانوں میں

تپتے ہوئے صحراؤں پہ چھڑکا برسوں اشکوں کا پانی
موم کی فطرت ہم نے ڈھونڈی پتھر دل انسانوں میں

یاس کے سونے شہر میں قیصرؔ یاد کا سورج یوں اُبھرا
آس کی جیسے کرنیں پھوٹیں برہن کے غم خانوں میں

قیصر شکیلی

اب گلشنِ ہستی کی فضا اور ہی کچھ ہے
مرغانِ گلستاں کی نوا اور ہی کچھ ہے

کچھ اور ہیں اب دانشِ حاضر کے تقاضے
سازِ دلِ انساں کی صدا اور ہی کچھ ہے

اک جنسِ تجارت ہیں حسینوں کی ادائیں
اب عشوۂ و انداز و ادا اور ہی کچھ ہے

بے باک نگاہوں کو بھی کر دیتی ہے مجبور
معصوم نظر کی وہ حیا اور ہی کچھ ہے

کچھ فرق نہیں عشق و ہوس میں رہا باقی
اس دور میں معیارِ وفا اور ہی کچھ ہے

حیراں نہ ہوں سمجھائے کوئی چارہ گروں کو
اس دردِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے

عشاق کی نظروں میں وہ اک حُسنِ ازل ہے
واعظ کی نگاہوں میں خدا اور ہی کچھ ہے

فرحتؔ ہمیں اندازِ سیاست نہیں آتے
ہم اہلِ محبت کی نوا اور ہی کچھ ہے

سیدہ فرحت

عکس تھے بن بن کے جو ماہِ تمام آتے رہے
چند چہرے آئینہ خانوں کے کام آتے رہے

ہم حصارِ وقت میں سورج بنے بیٹھے رہے
اور گردش کے لئے خود صبح و شام آتے رہے

میرے ماضی کے افق پر چند جگنو تھے کہ جو
حال کی تیرہ شبی میں میرے کام آتے رہے

ہائے وہ شیریں تمنا اور وہ طفلانہ خو
ہم سدا جس کے لئے خود زیرِ دام آتے رہے

چند قطرے بھی نہ ٹپکے خواہشوں کے من پر
کیسے کیسے ابر تھے بالائے بام آتے رہے

میں ہوس کے گرد چاہت کا ہنر بنتا رہا
اس کے طفلانہ تجربے میرے کام آتے رہے

عمر بھر خوابوں کی منزل کا سفر جاری رہا
زندگی بھر تجربوں کے زخم کام آتے رہے

ایس۔ رونق رضا

خبریں تصویروں میں

شہر میں بوناں کے جلوس کا ایک منظر

چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے وشا کھاپٹنم میں یوم جشن آزادی کے موقع پر سنیج آٹو موبائیل کا افتتاح کیا تصویر میں وزیر لیبر شری جی وینکٹ سوامی وزیر داخلہ شری ایم ایم ہاشم بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ۹ اراگست کو دہلی میں شری وینکٹشور (بالاجی) پنچ رتن مالا کے تیسرے ایل پی ریکارڈ کی جسے شریمتی ایم ایس سبا لکشمی نے پیش کیا، رسم اجرا انجام دیتے ہوئے۔

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی چیف منسٹر آندھرا پردیش
یوم آزادی کے موقع پر
سکندرآباد پریڈ گراونڈ پر
پریڈ کی سلامی
لے رہے ہیں

صدر اندھرا پردیش کرکٹ کنٹرول بورڈ مسٹر چنا سوامی نے نئی دہلی میں صدر جمہوریہ مسٹر سنجیوا ریڈی کو بورڈ کی گولڈن جوبلی کے سلسلہ میں شائع شدہ سووینیر پیش کیا تصویر میں بورڈ کے جنرل سکریٹری مسٹر غلام احمد بھی دیکھے جا سکتے ہیں

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی چیف منسٹر آندھرا پردیش یوم آزادیٔ ہند کے موقع پر صدر جمہوریہ پولیس میڈل تقسیم کر رہے ہیں۔
اوپر تصویر میں کمشنر پولیس شری پی۔ ڈی۔ پوترن اور نیچے کھڑے ہوئے میڈل یافتگان کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اردو و ہندی کے ممتاز ادیب آنجہانی پریم چند کی صد سالہ تقاریب کے موقع پر حکومت ہند نے ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔

جیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی کے ہاتھوں دیوان خانہ عالیہ میں مشن کے ٹکسٹائل کامپلکس کا افتتاح۔ تصویر میں صدرنشین چیرمین سٹ ون مسٹر قادر علی خاں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

تیسری ریاستی آرم ریسلنگ چمپین شپ میں اسکول کے طلبا مسٹر عباس علی اور مرزا علی کا مقابلہ۔ کوچ مسٹر مہر علی بھی دیکھے جا سکتے ہیں
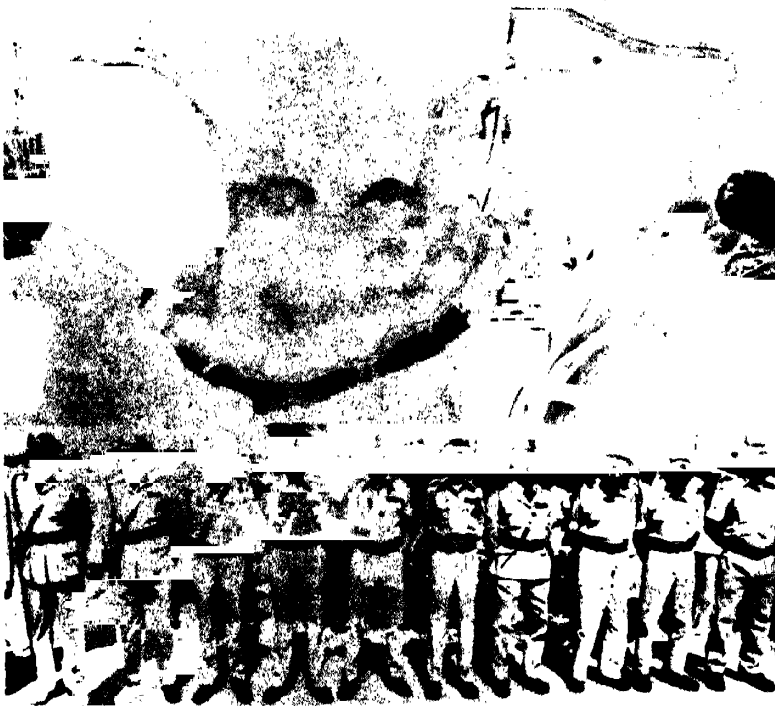
چیف منسٹر ڈاکٹر چنا ریڈی
ممتاز شاعر علی سردار جعفری
کو مخدوم ادارڈ پیش
کر رہے ہیں۔ تصویر میں
مسٹر پی گنگا ریڈی وزیر سیول
سپلائز اور صدر نشین
مخدوم ادبی اوارڈ
ڈاکٹر زینت ساجدہ
بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام جناب علی سردار جعفری کا توسیعی لیکچر اردو ہال میں ۱۶ اگست سنہ ۱۹۸۰ء کو منعقد کیا گیا
تصویر میں جناب چند سریواستو، محترمہ عصمت چغتائی، جناب علی سردار جعفری اور جناب اختر حسن دیکھے جاسکتے ہیں

۱۳ راگست کو عیدگاہ میرعالم میں مسلمان نمازعید ادا کرنے کے بعد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے

آندھرا پردیش
اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء • قیمت : ۵۰ پیسے
بیس نکاتی معاشی
پروگرام
توجہ کا مرکز

چیف ایڈیٹر
وی۔ وی مانکیالا راؤ
ایڈیٹر
ملک محمد علی خاں
اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء
آسون - کارتکا سنہ ۱۹۰۲
جلد نمبر: ۲۵ ● شمارہ نمبر: ۷

● سرورق کا پہلا صفحہ
بیس نکاتی معاشی پروگرام توجہ کا منظر

● سرورق کا دوسرا صفحہ
دیہات میں ایک کمیونٹی کنواں

● سرورق کا تیسرا صفحہ
انڈوں کا اسٹوریج

● سرورق کا چوتھا صفحہ
دیہات میں بھیڑیں پالنے کی یونٹ

ترتیب

● اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔
● زرسالانہ: ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے - زرسالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔ منی آرڈر ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے
● مضامین بھیجنے کا پتہ، ایڈیٹر اردو ماہنامہ "آندھرا پردیش" محکمۂ اطلاعات وتعلقات عامہ' گرہا کلپا' مکرم جاہی روڈ' حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے-پی)
● ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ● طباعت: گورنمنٹ سنٹرل پریس' چنچل گوڑہ' حیدرآباد۔

آندھرا پردیش میں ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری
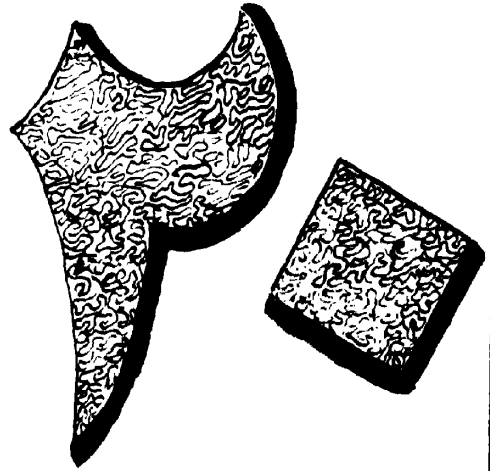
برقی کی تیاری کا تیز رفتار پروگرام

آندھرا پردیش میں برقی قوت کی تیاری کے لئے عظیم گنجائش ہے کیونکہ یہاں بڑی مقدار میں کوئلے کے ذخائر اور آبی وسائل موجود ہیں۔ برقی قوت چونکہ صنعتی ترقی کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے اور زراعت و دوسری خدمات کے فروغ و ارتقاء میں ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ریاستی حکومت نے برقی کے شعبہ کو منصوبہ جاتی اخراجات میں اولین ترجیح دی ہے۔

آندھرا پردیش میں برقی شعبے کو پانچویں منصوبے کے دوران میں جو اپریل ۱۹۷۴ء سے شروع ہوا تھا زبردست اور تیز رفتار ترقی حاصل ہوئی۔

پانچویں منصوبے کے آغاز پر برقی تنصیبی صلاحیت ۶۶۸ میگا واٹ تھی جو مارچ ۱۹۷۶ء کے ختم تک بڑھ کر ۱۵۶۳ میگا واٹ ہوگئی۔ اس مقدار میں مزید اضافہ ہوا اور اب تنصیبی صلاحیت ۱۹۸۸ میگا واٹ تک پہنچ گئی ہے۔ اس اضافے کی بدولت یہ ریاست چوتھے منصوبے کے ختم پر برقی کی قلت کے باعث جو خراب موقف تھا اسے بہتر بنانے کے قابل ہوسکی۔

برقی شعبے میں متذکرہ بالا عاجلانہ ترقی مواضعات کو برقی قوت کی فراہمی میں اضافے کا سبب بنی۔ چنانچہ ۱۹۷۴ء میں برقیائے ہوئے مواضعات کی تعداد ۱۰۴۸۴ تھی جو بڑھ کر مارچ ۱۹۸۰ء تک ۱۶۴۵۸ ہوگئی۔ ۱۹۷۴ء میں بجلی سے چلنے والے پمپ سیٹ ۲۶ء۱ لاکھ تھے لیکن مارچ ۱۹۸۰ء تک ایسے پمپ سیٹوں کی تعداد ۸۸ء۳ لاکھ ہوگئی۔

پیداواری پراجکٹس

گذشتہ چھ برسوں کی مدت میں برقی کے حسب ذیل پیداواری پراجکٹوں کو کارکرد بنایا گیا۔

لوئر سلیر ہائیڈرو الکٹرک پراجکٹ (۴ یونٹ والا ۱۵۵ تا ۴۶۰ میگا واٹ صلاحیت کا) جو دریائے گوداوری کی ایک معاون ندی سلیر و پر واقع ہے۔ اس پراجکٹ پر کام کی رفتار میں تیزی پیدا کی گئی چنانچہ مارچ ۱۹۷۶ء میں اس پراجکٹ کی پہلی یونٹ نے اور جولائی ۱۹۷۸ء میں آخری یونٹ نے برقی پیدا کرنا شروع کر دیا۔

کتہ گوڈم تھرمل اسٹیشن توسیعی مرحلہ - ۳ کو ۱۹۷۴ء میں اور مرحلہ - ۴ کو ۱۹۷۸ء میں چالو کر دیا گیا۔ حالانکہ ناگرجونا بندھ کی تعمیر تقریب تقریب ۱۹۶۸ء میں مکمل کر لی گئی تھی لیکن بجلی کی تیاری کے لیے اس کے پانی کو استعمال نہیں کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے ۱۹۷۶ء میں ۵۰ء۱۰ کروڑ روپے لاگت والی ۱۰ میگا واٹ کی ایک یونٹ منظور کی گئی اور ایک دوسری یونٹ جو سری سیلم کے لیے تھی منتقل کر کے جنوری ۱۹۷۸ء میں یہاں نصب کی گئی۔

ناگرجونا ساگر پمپ اسٹوریج اسکیم پورے ملک میں اپنی نوعیت کی پہلی اسکیم ہے۔ یہ اسکیم ۱۹۷۷ء میں منظور کی گئی تھی۔ اس کے تحت ۶۶ کروڑ روپیوں کے خرچ سے ۴ پیداواری یونٹوں کی تنصیب مقصود تھی۔ پہلی یونٹ نے حال ہی میں اپریل ۱۹۸۰ء سے بجلی تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ باقی کی تین یونٹیں توقع ہے کہ چھ چھ ماہ کے وقفے سے کام کرنا شروع کر دیں گی۔

مذکورہ بالا مختلف پیداواری اسٹیشنوں پر کام شروع ہوجانے کی بدولت بجلی کی تنصیبی صلاحیت جو ۱۹۷۴ء میں صرف ۶۶۸ میگا واٹ تھی اب بڑھ کر ۱۹۸۸ میگا واٹ تک پہنچ گئی ہے۔

راماگنڈم میں ایک سوپر تھرمل پاور اسٹیشن کی تعمیر کا کام این - ٹی - پی لمیٹیڈ کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں تخمینہ ۴ء۴۱۵۹ کروڑ روپے پاور پراجکٹ پر اور ۱۴ء۱۱۶ کروڑ روپے ۴۰۰ کیلو واٹ کی ترسیلی لائنوں کی تعمیر پر خرچ ہوں گے۔ اس پاور اسٹیشن کے تحت پہلے مرحلے میں ۲۰۰ میگا واٹ کی تین یونیٹوں کی اور ۵۰۰ میگا واٹ کی ایک پیداواری یونٹ کی تنصیب عمل میں لائی جائے گی اور دوسرے مرحلے میں تنصیب شدنی ۵۰۰ کیلو واٹ والی مزید دو یونٹوں کے لئے درکار بنیادی ضروریات کی فراہمی کا کام انجام دیا جائے گا۔

دیہی برقی پروگرام کے تحت بڑی تعداد میں مواضعات کو برقی فراہم کی جاچکی ہے اور ۱۲۰۹۰ ہریجن واڑے بھی بجلی کی روشنی سے مستفید ہوئے ہیں۔ اقل ترین ضروریات پروگرام کے تحت رورل الکٹریفیکیشن کارپوریشن نے ۱۱۹۷ مواضعات اور ۳۲۱ چھوٹی بستیوں کو برقیانے کا اور پسماندہ و قبائلی علاقوں میں ۱۷۷۲۵ پمپ سٹوں کو برقی قوت فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور ۵۰ء۹۸۲ لاکھ روپیوں کے خرچ کی منظوری دیدی ہے۔

ریاست کی منصوبہ جاتی گنجائشات سے نیز رورل الکٹریفیکیشن کارپوریشن ایگریکلچرل ریفنانس ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور بینکوں وغیرہ کے قرضہ جات سے سال ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران میں ۱۶۵۰ مواضعات کو برقیانے کی اور ۴۸۰۰۰ پمپ سٹوں برقی فراہم کرنے کی تجویز ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں اس ریاست نے شعبہ برقی میں اپنی تیز رفتار ترقی کو برقرار و بحال رکھا ہے اور معقول مقدار میں برقی قوت کی دستیابی کی بدولت یہ ریاست صنعتی اور زرعی شعبوں میں عظیم کارنامے انجام دینے کے موقف میں ہے ●●

اطمینان بخش

زرعی پیداوار

گذشتہ دو برسوں کے دوران میں آنے والے طوفانوں اور اس سال وسیع پیمانے پر خشک سالی کا شکار ہونے کے باوجود ریاست نے اپنی اس شہرت و حیثیت کو کہ وہ جنوب کی غلہ گودام ہے برقرار و قائم رکھا۔ یہاں کی کاشتکار برادری کو یہ امتیاز و اعزاز حاصل ہے کہ وہ پیداوار میں اضافے کیلئے عصری طریقوں اور ٹکنالوجی اختیار کرنے میں اولیت و سبقت دکھاتی ہے۔

حالیہ دور میں پیش آنے والی خشک سالی کے باعث غذائی قلت کو دور کرنیکے لیے زراعت، آبپاشی اور توسیعی خدمات میں سرمایہ کاری کی بدولت غذائی محاذ پر پیش رفت کی عظیم گنجائش مہیا ہو گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بہتر روزگار، وسیع تر خوشحالی، اضافہ فلاحی سرگرمیوں اور مواضعات کی جدید صورت گری کیلئے مواقع بھی بدست ہوئے ہیں۔

سال ۷۹-۱۹۷۸ء آندھرا پردیش کے لئے ریکارڈ غذائی پیداوار (۶۷ ء ۱۰۶ لاکھ ٹن) کا سال تھا۔ اس خطیر غذائی پیداوار کا اصل اور اہم سبب پیداواری صلاحیت فی ایکٹر ۱۵۶ کیلوگرام تھی جو ہماری کوششوں کی بدولت ۷۹-۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۱۹۰۷ کیلوگرام فی ایکٹر ہو گئی۔ ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کے سلسلے میں ریاستی انتظامیہ کی جانب سے کئے گئے اقدامات غذائی پیداوار میں اضافے کے لیے بہت ہی معاون و مددگار ثابت ہوئے۔

اس سال کے دوران میں آنے والی وسیع خشک سالی کے مضر اثرات کو زائل کرنے اور پیداواری نقصانات کی تلافی کرنے کے لئے ایک ہنگامی زرعی پروگرام روبہ عمل لایا گیا۔ اس پروگرام کے تحت متبادل اجناس جیسے چنا اور ارنڈی وغیرہ کی کاشت کی گئی۔ آخر موسم خریف اور ابتدائی موسم ربیع کے زمانے میں اراضیات کے زائد رقبوں پر مونگ پھلی (رقبہ ۱۶۰۰ لاکھ ہیکٹر) ۔ ہائبریڈ جوار (رقبہ ۱۶۱۰ لاکھ ہیکٹر) اور دالوں (رقبہ ۶۵۵۰ لاکھ ہیکٹر) کی کاشت کی گئی۔ ان اجناس کو خصوصیت کے ساتھ غیر روایتی علاقوں میں کاشت کی گئی۔ ان زائد رقبوں میں کاشتکاری کی ضروریات کی پابجائی کے لئے تقریباً ۴۰۲۹ ٹن مونگ پھلی کے تخم اور ۵۰۰ ٹن ہائبریڈ جوار کے تخم مالیتی ۲ کروڑ روپے تقسیم کئے گئے۔

خشک سالی سے متاثر ہونے والوں کسانوں کو متعدد رعایتیں اور ترغیبات فراہم کی گئیں۔ زراعت کے لیے درکار ضروریات کی خریدی کے لیے ۵۶۰۷ کروڑ روپیوں پر مشتمل خصوصی قلیل مدتی قرضے دئے گئے۔ ۵۹ لاکھ روپے مالیت کے جوار اور مونگ پھلی کے تخم امدادی قیمتوں پر فراہم کئے گئے اور ۶۴ لاکھ روپے مالیت کی کیمیاوی ادویہ پودوں کے تحفظ کے لیے امدادی نرخوں پر کسانوں میں تقسیم کی گئیں، کھڑی فصلوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے اقدامات کئے گئے۔ ان کوششوں اور کارروائیوں کے نتیجے میں غذائی پیداوار میں بھاری کمی اور خسارے کے خطرے کو ٹال دیا گیا۔ چنانچہ عام طور پر موسم خریف میں معمول کے مطابق ہونے والی مقدار پیداوار ۶۲ لاکھ ٹن کے مقابلے میں خشک سالی کے باوجود ۶۰ لاکھ ٹن پیداوار حاصل ہوئی جو بلاشبہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ موسم ربیع میں غذائی پیداوار کا تخمینہ ۳۰ لاکھ ٹن ہے اس طرح ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران میں غذائی پیداوار کی جملہ مقدار ۹۰ لاکھ ٹن ہو گئی۔

کاجو کی کاشت سے متعلق ایک عالمی بینک کی اسکیم کو ۱۳۰۱۴ روپیوں کے اخراجات سے روبہ عمل لانے کی تجویز ہے جس کے تحت دس ہزار ہیکٹر کے اضافہ رقبے پر کاجو کی کاشت کر لی جائے گی۔

زراعت کے بہتر طریقوں اور دوسری متعلقہ معلومات کی جانکاری کسانوں کو فراہم کرنے کے لئے پہلے سے موجود ۱۳ تربیتی مراکز کے علاوہ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران میں مزید دو مراکز قائم کئے گئے۔ جاریہ سال کے دوران میں ایسے تین اور مراکز کھمم، عادل آباد اور ونگل میں قائم کرنے کی تجویز ہے۔

یہ سب کچھ اُن نئی سمتوں اور راہوں کا طفیل اور نتیجہ ہے جن کی نشاندہی ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام نے ریاست کی زرعی ترقی کیلئے کی ہے۔

جبری مزدوروں کے ساتھ نیا طرزِ سلوک

جبری مزدور نظام (برخواستگی) قانون بابت ۱۹۷۶ کی منظوری کے بعد دیہی علاقوں کے اندر بھاری تعداد میں جبری مزدوروں بشمول درج فہرست اقوام کے افراد کی موجودگی کا علم ہوا۔ اس قانون کی منظوری کے بعد جبری مزدوروں کو فوری رہائی دلوا کر انکی باز آبادکاری کا انتظام کرنا پڑے گا۔ ان لوگوں کو جبری مزدوری سے رہائی کے ساتھ ہی پرانے مالک کے پاس پھر سے واپس جانے سے روکنے کے لئے مالی امداد دینی پڑتی ہے۔

جبری مزدوری سے آزادی حاصل کرنے والوں کی سماجی و معاشی باز آبادکاری کے کام کو سال ۷۹-۱۹۷۷ء سے حکومت نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس اسکیم کے تحت ہل چلانے کے بیل، بیل گاڑیاں، بھیڑوں کی یونٹیں، دودھیارے جانور، آئیل انجن اور رکشاؤں کی سربراہی عمل میں لائی جاتی ہے اس ضمن میں سال ۸۰-۱۹۷۷ء سے ریاستی حکومت نے جملہ ۹۲,۳۶,۹۰۰ روپے اور مرکزی حکومت نے ۳,۷۰,۳۰۰ روپے کی رقومات جاری کی ہیں۔

۱۲۷۴۱ شناخت کردہ جبری مزدوروں میں سے ۱۲۷۰۱ کو آزاد کروالیا گیا ہے اور ۷۳۸۶ اشخاص کی باز آبادکاری کی گئی ہے۔ اضلاع ورنگل، میدک اور رنگا ریڈی کے علاقوں میں جہاں جبری مزدوری کی تعداد دوسرے اضلاع سے زیادہ ہے تمام جبری مزدوروں کی باز آبادکاری کی ٹھوس کوششیں کی جارہی ہیں۔

اس اسکیم کے تحت ضلع کی سطح پر ڈسٹرکٹ کلکٹر اور بلاک کی سطح پر بلاک ڈیولپمنٹ افسر باز آبادکاری کاموں کی عمل آوری کرواتے ہیں۔

مرکزی امداد کی اجرائی کے لئے حکومت کی جانب سے رکھی گئی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ اسکیموں کا حساب ہر مد کے تحت علٰحدہ رکھا جانا چاہیئے۔ کامپٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل کی جانب سے حسابات کی آزمائشی تنقیح کی جائیگی

۲۔ صرف شناخت کردہ اور درج رجسٹر جبری مزدور امداد سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۳۔ آزادی حاصل کرنے والے جبری مزدوروں کی باز آبادکاری کے لئے اراضی کی بازیابی اور ترقی دینے کا کام ریاستی حکومت اپنے خرچ پر کروائے گی۔

۴۔ جبری مزدور خاندانوں کی ٹھوس آمدنی کے لئے مناسب و متوازی معاشی یونٹوں کی فراہمی۔

۵۔ باز آبادکاری امداد فراہم کرتے وقت طویل عرصے تک جبری مزدوری میں پھنسے ہوئے اشخاص کو ترجیح دی جانی چاہیئے (طویل عرصہ سے مُراد پانچ سال یا اس سے زیادہ) انٹیگریٹیڈ دیہی ترقیاتی اسکیم کے

تحت مہیا کی جانے والی رقومات کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے جبری مزدوروں کو امداد کے طور پر خود روزگاری کے ذرائع مہیا کرنے سے قبل با اجرت روزگار کی مستقل بنیادوں پر فراہمی کے راستے تلاش کئے جانے چاہئیں۔

ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کو ضروری اشیاء کی فراہمی

ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کے لئے مقررہ قیمتوں پر ضروری اشیاء کی بروقت اور فوری سربراہی ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کی عمل آوری کے تحت ریاستی پالیسی کے جزو کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے آغاز میں ریاست کے اندر اسکول ہاسٹلوں کی تعداد ۱۳۲۲ تھی جن میں جملہ ۹۸۳۹۵ طلباء رہائش پذیر تھے۔

ریاستی حکومت نے دسمبر ۱۹۷۹ء اور جنوری ۱۹۸۰ء میں (۷۰) نئے ہاسٹلوں کے قیام کی منظوری دی۔ (طلباء کے ۴۹ ہاسٹل اور طالبات کے ۲۱ ہاسٹل) جن میں سے ہر ایک ہاسٹل میں ۶۰ طلباء کی رہائش کی گنجائش رکھی گئی ہے

ہاسٹلوں میں رہنے والوں کو حسب ذیل ضروری اشیاء مقررہ قیمتوں پر فراہم کئے جا رہے ہیں۔

سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران میں ۷۰،۴۲،۶۴۳ روپیوں کے تو میانی ہوئی نصابی کتب درج فہرست اقوام سے تعلق رکھنے والے پرائمری مڈل اور ہائی اسکول کی جماعتوں کے تمام طلباء کو فراہم کئے گئے۔ مذکورہ رقم میں ہاسٹلوں کے اندر رہنے والے طلباء کو فراہم کی جانے والی کتابوں کی لاگت بھی شامل ہے۔

۵،۵۰،۰۰۰ روپے کی نوٹ بکس اسکول ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کو اسٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن سے خرید کر مہیا کئے گئے۔

پولٹری ڈیولپمنٹ اور فشریز ڈپارٹمنٹ ڈپوز کی توسط سے انڈے، مچھلی اور مرغی کا گوشت بھی ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کیلئے سربراہ کیا گیا۔

ہاسٹلوں کے لئے درکار دیگر اشیاء سوپر بازار، گریجن ڈپوز سے خریدی جا رہی ہیں۔

"اپکو" اور نیشنل ٹیکسٹائیل کارپوریشن سے کپڑا خرید کر ہاسٹل میں رہنے والوں کے لئے تیار ملبوسات فراہم کئے جا رہے ہیں۔

کمزور طبقات کیلئے مکانات

وزیر اعظم کے بیس نکاتی معاشی پروگرام کا تمام تر زور کمزور طبقات کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے انہیں اونچا اٹھانے کی سمت ہے پالیسی و پروگرام سازی میں آندھرا پردیش نے کمزور طبقات کی ترقی کو پیش نظر رکھا ہے اس مقصد کے تحت بالکلیہ ایک علحدہ محکمہ نظامت کمزور طبقات کے نام سے قائم کیا گیا اور شہروں و دیہات میں رہنے والے غرباء کی رہائشی ضروریات کی طرف خصوصی توجہ کے ساتھ ہاؤزنگ اسکیمات تیار کی گئی سال رواں کے دوران میں اس پروگرام میں وسعت

دی جارہی ہے تاکہ ۳،۶۵ لاکھ خاندان اس سے مستفیض ہوسکیں۔

مستفیضین کو عموماً اور جسمانی طور پر مکانات کی تعمیر میں حصہ لینے پر زور دیا جارہا ہے مزید یہ کہ مستفیض ہونے والوں کی ضروریات صلاحیتوں اور توقعات کو پیش نظر رکھکر ہاؤزنگ پروگرام منظم پیمانے پر بنائے جاتے ہیں' ہاؤزنگ اسکیمات کے لئے دوطرفہ طریقہ کار اختیار کیا جارہا ہے اور سائیٹ اینڈ سرویس پروگرام جس کے تحت معاشی امدادی اسکیم اور جسمانی خدمات کی فراہمی پر زور دیا جاتا ہے یہ اسکیم ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو پختہ مکانات کی تعمیر کے لئے رقم بطور قرض حاصل کرکے ادائی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

۲۔ پختہ مکانات کی تعمیر کا پروگرام ایسے لوگوں کے لئے ہے جو رقمی امداد بطور قرض فوری حاصل کرکے استفادہ کرسکتے ہوں۔ سائٹ اینڈ سرویس پروگرام کا اہم مقصد ایسے اشخاص کی مدد کرنا ہے جنھیں مکانات کی تعمیر کے لئے اراضیات دی گئی ہیں لیکن وہ اراضیات کو اپنے قبضہ وتصرف میں نہ لاسکے ہوں اور قرض کی مدد سے پختہ مکان تعمیر کرنے کے موقف میں بھی نہ ہوں۔ اس پروگرام میں حسب ذیل امور کو شامل کیا گیا ہے مکانات کی تعمیر کے لئے دی گئی زمینات کو ترقی دینا (سطح بنانا وغیرہ)۔ شہری سہولت مہیا کرنا جیسے پینے کا پانی سڑکیں' موریاں' بازاروں میں روشنی وغیرہ کا انتظام کرنا' کم لاگت والے مکانات کا ڈھانچہ کھڑا کرنا تاکہ معاشی امدادی اسکیمات باغات لگانے کی اسکیمات مہیا کرنا تاکہ اہل افراد کی آمدنی میں اضافہ ہو اور یہ پختہ مکانات تعمیر کرنے کے اہل ہوسکیں اس پروگرام کے تحت ۲۰۰ روپے تعمیری سامان کی خریدی کے لئے اور ۲۰۰ روپے غذائی اجناس کی شکل میں مزدوروں وغیرہ کے لئے محکمہ جنگلات کی جانب سے بمبو اور لکڑی رعایتی نرخ پر مہیا کی جاتی ہے اگرچہ یہ امداد بالکلیہ ترغیبی انداز کی ہے لیکن اس کی بدولت مستفیضین کو اس امداد کے برابر اپنے طور پر مالیہ اور جسمانی محنت اپنے مکان کی تیاری میں لگانے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اس پروگرام سے تقریباً ۲،۶۵ لاکھ خاندان کو فائدہ پہونچا اور ۵ ہزار سے زائد رہائشی مکانات وجود میں آئیں۔

جسمانی محنت کے منجملہ اس پروگرام پر ۲۰ کروڑ روپے خرچ کئے گئے سال رواں کے دوران میں ۳،۶۵ لاکھ مکانات تعمیر کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے سائیٹ اینڈ سروس پروگرام کے تحت تعمیر کئے جانے والے ہر مکان کے لئے ایک برقی گولہ سربراہ کرنے کی نئی اور دلچسپ اسکیم کو روبہ عمل لایا جارہا ہے معاشی کفایت کی خاطر ۱۰ - ۱۵ مکانات کو ملاکر بازار کے کھمبے سے برقی سربراہ کی جائے گی کالونی کے تمام مکانات کے لئے مشترکہ میٹر لگایا جائے گا اور بجلی کے اخراجات مشترکہ طور پر ہر گھر سے پنچایت کی جانب سے وصول کئے جائیں گے طوفان سے متاثر ہونے والے علاقہ میں پختہ مکانات کی اسکیم کا مقصد ساحل پر واقع کچے مکانات کی بتدریج پکے مکانات میں تبدیل کرنا ہے اس پروگرام کو ایل آئی سی اور ہڈکو سے قرض حاصل کرکے روبہ عمل لایا جارہا ہے یہ اسکیم بھی دیہات میں پختہ مکانات کی اسکیم کے مماثل ہے صرف فرق یہ ہے کہ دیہات کے لئے رقم چیف منسٹر ریلیف فنڈ اور دیگر رضاکارانہ اداروں سے مہیا کی جارہی ہے۔ پرکاشم اور نیلور ضلعوں میں ۱۲،۰۰۰ مکانات تعمیر کئے جارہے ہیں۔

یونیسیف کی امداد سے ۴۰ لاکھ روپے کی رقم سے ترقیاتی پروگرام برائے کمیونٹی کو ان علاقوں میں روبہ عمل لایا جارہا ہے اس پروگرام کا مقصد خواتین اور بچوں میں نئی زندگی پیدا کرنا ہے۔

شہری علاقوں میں بھی ہڈکو کے قرض کی مدد سے پختہ مکانات کی اسکیمات روبہ عمل لایا جارہا ہے کئی مکانات پر اس پروگرام کو گندہ بستیوں اور ماحول کو ترقی دینے کے پروگرام سے جوڑ دیا جارہا ہے اس پروگرام کے تحت فائدہ حاصل کرنے والوں کی ماہانہ آمدنی ۳۵۰ روپے یا اس سے کم ہونی چاہئے۔ اس اسکیم پر شہری علاقوں میں عمل آوری کی جائے گی ایسا مقام جسے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کی رو سے میونسپلٹی یا ٹاون قرار دیا گیا ہو ریاست کے شہری علاقوں تقریباً ۲۰ ہزار مکانات زیر تعمیر ہیں ریاستی حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے تیز رفتار اقدامات کا اس حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سال کے عرصہ میں جملہ ۲،۶۷۵ لاکھ خاندانوں کی مدد کی گئی اسکیم کا مقصد واقعتاً ریاست کے تمام غرباء کی مدد کرنا ہے۔
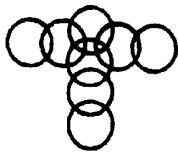
زرعی مزدوروں کے لئے اجرتوں کی اقل ترین شرحیں

آندھرا پردیش کھیت مزدوروں کے لیے اجرتوں کی اقل ترین شرحیں مقرر کرنے اور انہیں نافذ کرنے کے معاملے میں صف اول کی ریاست ہے۔ ان شرحوں پر سنہ ۱۹۷۴ء میں نظرثانی کی گئی تھی اور ۲ دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء سے ان کا نفاذ عمل میں لایا گیا جن کے مطابق ہر بالغ کھیت مزدور کو منطقۂ اول میں سالانہ ۱۴۰۰ روپے منطقۂ دوم میں سالانہ ۱۱۰۰ روپے اور منطقۂ سوم میں سالانہ ۹۰۰ روپے اجرتیں ادا کی جائیں گی۔ ہنگامی مزدوروں کے اجرتوں کی مقررہ اقل ترین شرح منطقۂ اول میں یومیہ ۲ تا ۵ روپے، منطقۂ دوم میں یومیہ ۳ روپے ۲۵ پیسے تا ۴ روپے ۵۰ پیسے اور منطقۂ سوم میں ۳ تا ۴ روپے ہے۔ ان شرحوں کا اطلاق مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں طور پر ہوگا۔ اگر کہیں بچے مزدوری پر لگائے گئے ہیں تو انہیں بالغ مزدوروں کے نصف کے مساوی اجرتیں ملیں گی۔ اگر کہیں پر مزدوروں کا کوئی زمرہ مقررہ مزدوری سے زائد پر کام کر رہا ہے تو وہ زائد مزدوری سے استفادہ کرتے رہنے کا حقدار ہے۔

ہر ضلع میں ایک لیبر انفورسمنٹ آفیسر متعین کیا گیا ہے جو اقل ترین شرحوں کے نفاذ اور ان پر عمل آوری کی نگرانی کرتا ہے۔ ان عہدہ داروں کے علاوہ اسسٹنٹ انسپکٹرس آف لیبر، بلاک ڈیولپمنٹ آفیسرس، اگریکلچرل ایکسٹنشن آفیسرس، ویلیج ڈیولپمنٹ آفیسرس، تحصیلداروں، ڈپٹی تحصیلداروں اور ریوینیو انسپکٹروں کو بھی قانون کے تحت بحیثیت انسپکٹرس مقرر کیا گیا ہے۔ ڈپٹی لیبر کمشنروں کو اپنے اپنے علاقوں میں لیبر کورٹس کے علاوہ اجرتوں کے متعلق دعووں کی سماعت اور تصفیے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اقل ترین اجرتوں کے قانون کی پابندی کرانے کے لیے لیبر انفورسمنٹ آفیسر ایک ماہ میں چار مواضعات کے کم سے کم ۶۰ مقبوضوں کا معائنہ کر کے شکایات کی عاجلانہ یکسوئی عمل میں لاتے ہیں۔ ان افسروں کی کارکردگی کا جائزہ ڈپٹی لیبر کمشنر لیتے ہیں اور ہر ماہ لیبر کمشنروں کو رپورٹ روانہ کرتے ہیں۔ اسی طرح اسسٹنٹ لیبر انسپکٹر اپنے اپنے علاقوں میں ہر ماہ کم سے کم ۵ ارضی مقبوضوں کا معائنہ کرتے ہیں اور مزدوروں کی شکایات کا ازالہ عمل میں لاتے ہیں۔ ان کے کاموں کی نگرانی لیبر انفورسمنٹ آفیسرس کرتے ہیں۔

سال سنہ ۱۹۷۹ء کے دوران میں ۵۲۹۰ سے زائد ایسے ارضی مقبوضوں کا معائنہ کیا گیا جہاں زرعی مزدور کام کرتے ہیں۔ ڈپٹی لیبر کمشنر کو ۲۶۱ عرضی دعوے وصول ہوئے اور ۳۶-۲۵۵ روپے بطور معاوضہ دلائے گئے۔

بلاک ڈیولپمنٹ آفیسرس نصف ماہ میں ۳ یا پورے مہینے میں ۶ مقبوضوں کا معائنہ کرتے ہیں اور ہر ویلیج ڈیولپمنٹ آفیسرس کی جانب سے بھی نصف ماہ میں آٹھ یا پورے مہینے میں ۱۶ مقبوضوں کا معائنہ کیا جاتا ہے۔

آجرین کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ زرعی مزدوروں کو اجرتیں مکمل طور پر یا جزوی طور پر جنس کی شکل میں ادا کر سکتے ہیں۔

سرکاری اخراجات میں سختی کے ساتھ کفایت

ریاستی حکومت نے اپنے اخراجات میں سختی سے کمی کرنے کے اقدامات کئے ہیں اس کے پیش نظر خارج از موازنہ اخراجات اور منصوبہ کی گنجائش میں اضافہ کرنے کی تجاویز کو ملتوی کر دیا ہے اور غیر منصوبہ جاتی سرکاری تقررات

پر پابندی لگادی گئی - لیکن سائیکلون ریلیف ورک کے لئے اگرچہ منصوبے کے تحت ہی کیوں نہ ہو، ٹیچروں، میڈیکل ڈاکٹروں اور انجینئروں کی پوسٹ کی حد تک عملے کے تقرر کی منظوری دی گئی ہے۔ مذکورہ عملے کے تقرر کے سلسلے میں بھی حکومت نے دو باتوں کو پیش نظر رکھا ہے۔

۱۔ منصوبے کے تحت گنجائش موجود رہے

۲۔ کام کا بوجھ زیادہ رہے۔

حکومت نے دیگر سرکاری اخراجات کے مد میں اضافہ نہ کرنے کے احکامات جاری کئے ہیں۔ یعنی دفاتر کے تمام اخراجات بشمول پوسٹیج، ٹیلی فون اور ٹیلی گرام، پانی اور بجلی کے اخراجات، سفر خرچ کے مد میں اضافہ نہیں کیا جاسکے گا اور غیر منصوبہ جاتی مد کے تحت کوئی سرکاری گاڑی کے لئے اخراجات کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ پٹرول اور آئیل کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے عاید ہونے والے زائد اخراجات کی بھی دیگر سرکاری اخراجات کے مد میں سال ۸۰ - ۱۹۷۹ء کے لئے مہیا کردہ گنجائش ہی سے پابجائی کی جائے گی۔ اس بات کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ ہر تین ماہ میں ایک دفعہ اخراجات کا موازنہ مرتب کیا جائے اور اسی حد تک اخراجات کو محدود رکھا جائے۔

سرکاری اخراجات میں کمی کرنے کے لئے کئے گئے اقدامات کی عمل آوری پر سختی سے نگرانی رکھنے کے لئے حکومت نے تمام محکمہ جات کو پابند کیا ہے کہ وہ محکمہ فینانس اینڈ پلاننگ (فینانس ونگ) کی رائے کے خلاف مذکورہ پابندیوں کو ختم کرنے کی کوئی کارروائی نہ کریں۔ ●●

قلمی معاونین کی خدمت میں

- اپنے مضامین صاف وخوشخط صفحے کے ایک طرف تحریر کرکے روانہ کیجئے
- اپنی نگارشات نظم ونثر کے ساتھ اپنا پتہ مکمل تحریر کیجئے
- ادا کئے ہوئے مضامین واپس نہیں کئے جاتے۔

مضامین روانہ کرنے کا پتہ : ایڈیٹر آندھرا پردیش اردو
دفتر اطلاعات وتعلقات عامہ گرہا کلپا، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۱

آندھرا پردیش میں
کسانوں کے لئے
بیش بہا مراعات اور ترغیبات

چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ایسی متعدد تدابیر اور اقدامات کا اعلان کیا ہے جن کا مقصد دیہاتوں کو جامع ترقی اور عوام کو فوری فائدے بہم پہونچانا ہے۔

قرضہ جاتی مراعات

- چار کروڑ روپیوں کے مساوی تقاوی قرضوں کی معافی۔
- مشکلات میں گھرے ہوئے کسانوں کے لئے قرضوں کی میعاد کا ازسر نو تعین۔
- تمام بقایوں پر جرمانہ سود کی معافی اگر وہ ڈسمبر سنہ ۱۹۸۰ء کے ختم تک ادا کردیئے جائیں۔
- سود پر لئے جانے والے سود کا خاتمہ۔

امدادی قیمت

- کاشتکاروں کے لئے موثر وصولی کے ذریعہ اقل ترین امدادی قیمت۔

ذخیرہ کی سہولت

- اشیاء کے تحفظ کے لئے ۲۵ء۳ لاکھ ٹن کی زائد گنجائش فراہم کرنے گوداموں کی تعمیر، تاکہ کمزور کسانوں میں اجناس کو روک کر فروخت کرنے کی استطاعت بڑھ جائے

قومی پندرھواڑہ برائے خاندانی بہبود

چیف منسٹر کا پیام

آپ جانتے ہیں کہ خاندانی بہبود ہمارا قومی پروگرام بن گیا ہے اور آج کے دور میں اسکی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ آپ خاندانی بہبود کو صرف طبی پروگرام نہ سمجھئے بلکہ اس کا تعلق ہماری اقتصادی ترقی سے ہے۔ ہم نے کافی ترقی کی ہے' ہمارا معیار زندگی اونچا ہو رہا ہے صنعتی و زرعی شعبوں میں ہم ترقی کر رہے ہیں اور ہماری یہ ترقی کا اچھا اثر ہر خاندان اور ہر فرد پر پڑ رہا ہے' آپ سب کو اس مسئلہ پر سوچنا چاہیئے۔ کیا ہم جتنی ترقی کر رہے ہیں اتنی خوشی ہمیں حاصل ہو رہی ہے ہم جان توڑ محنت کر رہے ہیں اور مل جل کر خوش رہنا چاہتے ہیں اور دیش کی ترقی کے ساتھ سماج کو اونچا اٹھانا چاہتے ہیں آج ہم کڑی محنت کرتے ہوئے اپنی آمدنی بڑھا رہے ہیں مگر اس کے باوجود ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہماری جو بھی کچھ آمدنی ہو رہی ہے اسکی تقسیم کتنے لوگوں پر ہو رہی ہے اگر ہماری آمدنی کے ساتھ ہمارے ارکان خاندان کی تعداد بھی بڑھتی جائے تو ظاہر ہے کہ مفلسی اور غربت میں اضافہ ہوگا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ہمارا معیار زندگی بلند ہو رہا ہے اور کل معمولی زندگی گذارنے والا آج خدا کے فضل و کرم سے اچھی زندگی گذار رہا ہے وہ محنت کر رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے دیکھنا ہے کہ کیا وہ اپنی محنت کی منصفانہ تقسیم کر رہا ہے ظاہر ہے کہ افراد خاندان زیادہ ہوں تو منصفانہ تقسیم بھی ایک مسئلہ ہوگی اور جب ہمارے بچے زیادہ ہوں گے تو ان کی تربیت پر توجہ دے سکتے ہیں اور نہ اُن کی تعلیم و صحت پر توجہ دیجا سکتی ہے۔ ہر ماں باپ کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اُن کے بچے خوشحال زندگی گذارنے کے لئے بچوں کی تعداد بھی کم ہو۔ آج غریب لوگ اچھی زندگی گذارنے کے متمنی ہیں اور بہتر طریقہ پر رہنا چاہتے ہیں اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ اُن کے ہاں بچوں کی تعداد کم ہو۔ ہم محنت و مشقت کریں وسائل آمدنی کو بڑھائیں خوشحالی کی طرف بڑھیں اور اس کے ساتھ ہی محدود خاندان پر توجہ دیں تاکہ ہماری آیندہ نسل خوشحالی اور اچھی زندگی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ آج ہمارے بچوں کو اچھی غذا' اچھے لباس اور اچھی تربیت کی ضرورت ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے ہر گھر میں بچوں کی تعداد کم ہو۔ آج حکومت نے چھوٹے خاندان کی برقراری کے لئے ہر قسم کی سہولت مہیا کی ہے۔ ہمارے دواخانوں اور فیملی پلاننگ سنٹرس میں آپ کی خدمت' مشورے اور مدد کیلئے طبی عملہ موجود ہے اور ان کی خدمات سے آپ استفادہ کر سکتے ہیں۔ میں آج آپ کو دعوت دے رہا ہوں کہ آپ چھوٹے خاندانوں کی افادیت کو محسوس کیجئے

آج حکومت ہر خاندان اور ہر فرد کی ترقی چاہتی ہے' میں اپیل کر رہا ہوں کہ آپ ہم سے تعاون کیجئے اور خاندانی بہبود کیلئے آگے بڑھئے' حکومت کی طرف سے دی جانے والی طبی سہولتوں سے فائدہ اٹھایئے

واحد پریمی
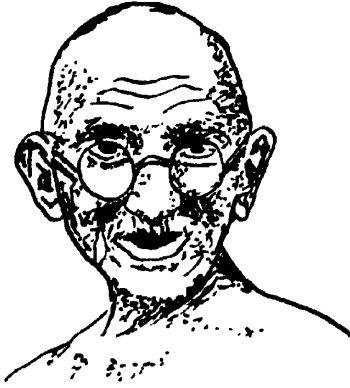
آج کا دن بڑا مبارک ہے

(باپو کے جنم دن ۲ اکتوبر پر)

آج کا دن بڑا مبارک ہے\
آج ہی اُس عظیم انساں نے\
ایک تابندہ زندگی پائی\
جسکو کہتے ہیں آپ ہم گاندھی

وہی گاندھی جو خضرِ راہ بنا\
وہی گاندھی جو مثلِ ماہ بنا\
جس نے دنیا کو روشنی بخشی\
جس نے عرفان و آگہی بخشی\
جس نے پیغام شانتی کا دیا\
جس نے اندازِ زندگی کا دیا\
جو پرستار تھا محبت کا\
جو طلب گار تھا اخوت کا\
جو رہینِ حق و صداقت تھا\
جو نگہبانِ آدمیت تھا\
جو مددگار تھا غریبوں کا\
جو سہارا تھا بدنصیبوں کا

جو عدو کا بھی یار بن کے رہا\
جو سراپا ہی پیار بن کے رہا\
جس کے دل میں تھے نقشہائے عظیم\
جس کی نظروں میں اک تھے رام و رحیم\
جو سکھ و ہندو و مسلماں تھا\
جو بہی خواہِ نوعِ انساں تھا\
جس نے قرآن اور گیتا پڑھی\
جس نے تبلیغ اک خدا کی کی\
جسکو بے مثل راہبر کہیئے\
جسکو پیغمبرِ سحر کہیئے

آج کا دن بڑا مبارک ہے\
آج ہی اس عظیم انساں نے\
ایک تابندہ زندگی پائی\
جسکو کہتے ہیں آپ ہم گاندھی

ریاستی کابینہ کے فیصلے

★ خشک سالی سے متعلق امدادی اقدامات

ریاستی کابینہ نے خشک سالی سے متعلق امدادی اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے اضلاع اننت پور، چیتور اور کڑپہ کے کلکٹروں کو خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے پروگرام (DPAP) کے تحت غیر صرف شدہ رقم کو ترجیحی بنیادوں پر روزگار پیدا کرنے والے کاموں اور پیداوار میں مدد و معاون ہونے والے اثاثہ جات کے لئے استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے۔

پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے جاریہ منصوبے میں رکھی گئی گنجائش کے تحت غیر صرف شدہ رقم و نیز رواں مالی سال کے دوران پنچایت راج موازنے میں رکھی گئی رقم سے جو شدید متاثرہ علاقوں کے لئے خرچ کی جارہی ہے استفادہ کرتے و نیز ایک مد کی رقم کو دوسرے مد میں منتقل کرنے کے اور سال رواں کے دوران منظورہ کاموں کے علاوہ دیگر کاموں پر بھی رقومات کو خرچ کرنے کے لئے کلکٹروں کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ حکومت نے مزید ۴۰ لاکھ روپے اننت پور، ۲۰ لاکھ روپے چیتور اور ۱۰ لاکھ روپے کڑپہ (جو جاری کر دیئے جارہے ہیں) کے لئے جاری کرنے کے احکامات دیئے ہیں جو پینے کے پانی کی فراہمی و نیز روزگار مہیا کرنے کاموں پر خرچ کئے جائیں گے۔ یہ رقم متاثرہ علاقوں کو غذائی اجناس پہنچانے کے لئے بھی استعمال کی جائے گی۔

کابینہ نے گنا اگانے والوں کے خلاف دائر کردہ تمام مقدمات کو واپس لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

★ ریاستی ملازمین کو گرانی الاؤنس کی ایک اور قسط

ریاستی کابینہ نے ملازمین سرکار کو یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء سے گرانی الاؤنس کی ایک اور قسط منظور کی ہے۔ کابینہ کے فیصلے کا اطلاق ملازمین جو اس مقامی و پنچایت راج اداروں بشمول ٹیچرس پر ہوگا، دیہی عہدہ داروں اور دیہی ملازمین کو بھی ماہانہ ۵ روپے زائد الاؤنس عارضی طور پر منظور کیا گیا ہے۔

نظرثانی شدہ گرانی الاؤنس کی شرح کا اطلاق تمام ہمہ وقتی کنٹیجنٹ ملازمین پر بھی ہوگا۔ نظرثانی شدہ گرانی الاؤنس کی موجودہ شرح اس طرح رہے گی ـــ ۵۰۰ روپے تک ماہانہ تنخواہ پانے والوں کے لئے ۱۲½ فیصد لیکن گرانی الاؤنس ۶۲ روپے ۵۰ پیسے سے تجاوز نہ کرے۔

۵۰۰ روپے سے زائد تنخواہ پانے والوں کے لئے ۱۰ فیصد لیکن گرانی الاؤنس ۱۵۰ روپیوں سے تجاوز نہ کرے۔

★ زرعی بقایاجات کی وصولی کے طریقہ کار میں تبدیلی

پانچ ایکر (تری یا خشکی) اراضی کے حد تک مالک چھوٹے کسانوں کی جانب سے قلیل مدتی قرضوں کے تحت ۷۲، ۳۲۶ کروڑ روپے واجب الادا ہیں۔ اسی طرح ریاست کے تمام کسانوں سے وصول طلب بقایاجات کی رقم ۲۰۶۰۸ کروڑ روپے ہے۔ کسانوں کی حقیقی دشواریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت نے ان بقایاجات کی وصولی کے طریقہ کار کو بدلنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کسانوں کو تیزی سے امداد پہنچانے کا تیقن حاصل کرنے کے لئے ضلع کمیٹیوں کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔

طویل مدتی قرضوں کے ضمن میں بھی حکومت ادائی کے معاملے میں دشواری محسوس کرنے والے چھوٹے کسانوں کے ساتھ بقایاجات کی وصولی میں اسی طرح کی رعایت کریگی۔ اس تعلق سے دیجانیوالی امداد کے سلسلے میں مناسب رہنمایانہ اصول بنائے جائینگے، امداد پہنچانے کا کام ضلع کمیٹیوں کی نگرانی میں انجام دیا جائیگا۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۸۰ء تک ادا کئے جانے والے تمام طویل اور قلیل مدتی قرضوں پر عائد شدہ تعزیری سود اور سود مرکب کو حکومت نے معاف کر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ ●●

آپ کے خطوط

مرتبہ : خواجہ حسین احمد

- ماہنامہ آندھرا پردیش جولائی ۸۰ء کا شمارہ نئے روپ میں دیکھا۔ کتابت، طباعت اور نگارشات نے متاثر کیا
ترتیب، تزئین اور منتخبات بھی عمدہ ہیں۔ ● محمد شہود عالم (مونگیر بہار)
- آندھرا پردیش کا تازہ شمارہ نئی آب و تاب کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ شکریہ۔ پرچہ کی ترتیب کے ساتھ فوٹو
آفسیٹ پر طباعت دیکھ کر جی خوش ہو گیا ● ایس۔ ایم۔ عباس ایڈوکیٹ (بجنور)
- جولائی سنہ ۱۹۸۰ء کا آندھرا پردیش نظر نواز ہوا اور مطالعہ کے بعد پرچہ پسند آیا۔
آپ نے اس شمارہ میں جو مواد فراہم کیا ہے بڑی اہمیتوں کا حامل ہے ● کمال جائسی (کانپور)
- روزنامہ سیاست میں یہ خبر پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ آندھرا پردیش فوٹو آفسیٹ پر شائع ہوگا۔ آندھرا پردیش سے شائع ہونے
والے اس علمی و ادبی رسالے کو خوب سے خوب تر بنانے میں آپ کی کوشش اور محنت کارگر ثابت ہوئی ● محمد علی اثر (حیدرآباد)
- آندھرا پردیش کا نیا روپ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ساعی کو کامیاب فرمائے ● کے۔ صلاح الدین، حیدرآباد
- آندھرا پردیش کا تازہ شمارہ وصول ہوا میری نیک خواہشات کا ہدیہ قبول کیجئے ● روشن پٹیلوی، چبنری گڈھ
- ماہنامہ آندھرا پردیش جولائی سنہ ۱۹۸۰ء کا شمارہ وصول ہوا، رسالہ خوبصورت اور دیدہ زیب ہے
نظم و نثر کا حصہ خوب ہے۔ ● ایس۔ کے۔ رام پال - جالندھر۔
- آندھرا پردیش نے چولا بدل دیا ہے نیا روپ دیکھ کر بحد بے حد خوشی ہوئی ● بہار صدیقی بدایونی
- آندھرا پردیش کا تازہ شمارہ دیکھا بے حد پسند آیا۔ آفسیٹ کی طباعت پر اس کا حسن خوب نکھرا ہے ● خسرو متین خسرو، میرٹھ
- آندھرا پردیش کا رنگ و روپ کو تمام لکھنے والے پسند کر رہے ہیں اس پرچے کے لئے آپ جس قدر محنت کر رہے
ہیں اس کا مجھے اندازہ ہے ● شاہد عظیم، حیدرآباد۔
- آندھرا پردیش جولائی سنہ ۱۹۸۰ء کا شمارہ وصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ، خوبصورت کتابت اور پاک وصاف طباعت
یہ شمارہ مجھے بے حد پسند آیا ● رحمان شاہی - پٹنہ۔
- فوٹو آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت اور خوبصورت کتابت سے آراستہ آندھرا پردیش جولائی سنہ ۱۹۸۰ء کا شمارہ وصول ہوا۔
سبحان اللہ یہ حسن اور ایسی سج دھج ● ناوک حمزہ پوری، ہزاری باغ۔

خبریں تصویروں میں

ضلع سریکاکولم میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں امدادی اقدامات

نلہ کنٹہ میں
چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی
نے گنیش چوتھ کا پوجا
کرکے افتتاح
کررہے ہیں

مرکزی بزم حضرت امیر مینائی
وکل ہند انجمن پیشوایان مذاہب
کے زیر اہتمام اتوار ۔ ستمبر سنہ ۱۹۸۰ء
کو خواجہ کا چھلہ مغل پورہ میں منعقدہ
جلسہ قومی یکجہتی میں علامہ محمد جلال الدین
کامل تقریر کر رہے ہیں۔ تصویر
میں مولانا حافظ پیر یوسف
ایم ایل سی ۔ مولانا صوفی
صابر علی مولانا سید فرید
پاشاہ قادری اور کمشنر
پولیس مسٹر پی وی پوترن
(صدر جلسہ) اور دیگر
اصحاب دیکھے جا سکتے ہیں

چیف منسٹر ڈاکٹر ایم چنا ریڈی ضلع سریکاکولم میں سیلاب زدہ علاقوں کے فضائی معائنہ کے بعد امدادی اقدامات کے تعلق سے نیول اڈمیرل مسٹر ایم کے رائے سے تبادلہ خیال کر رہے ہیں

ضلع سریکاکولم میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا منظر

اردو ماہنامہ

آندھرا پردیش
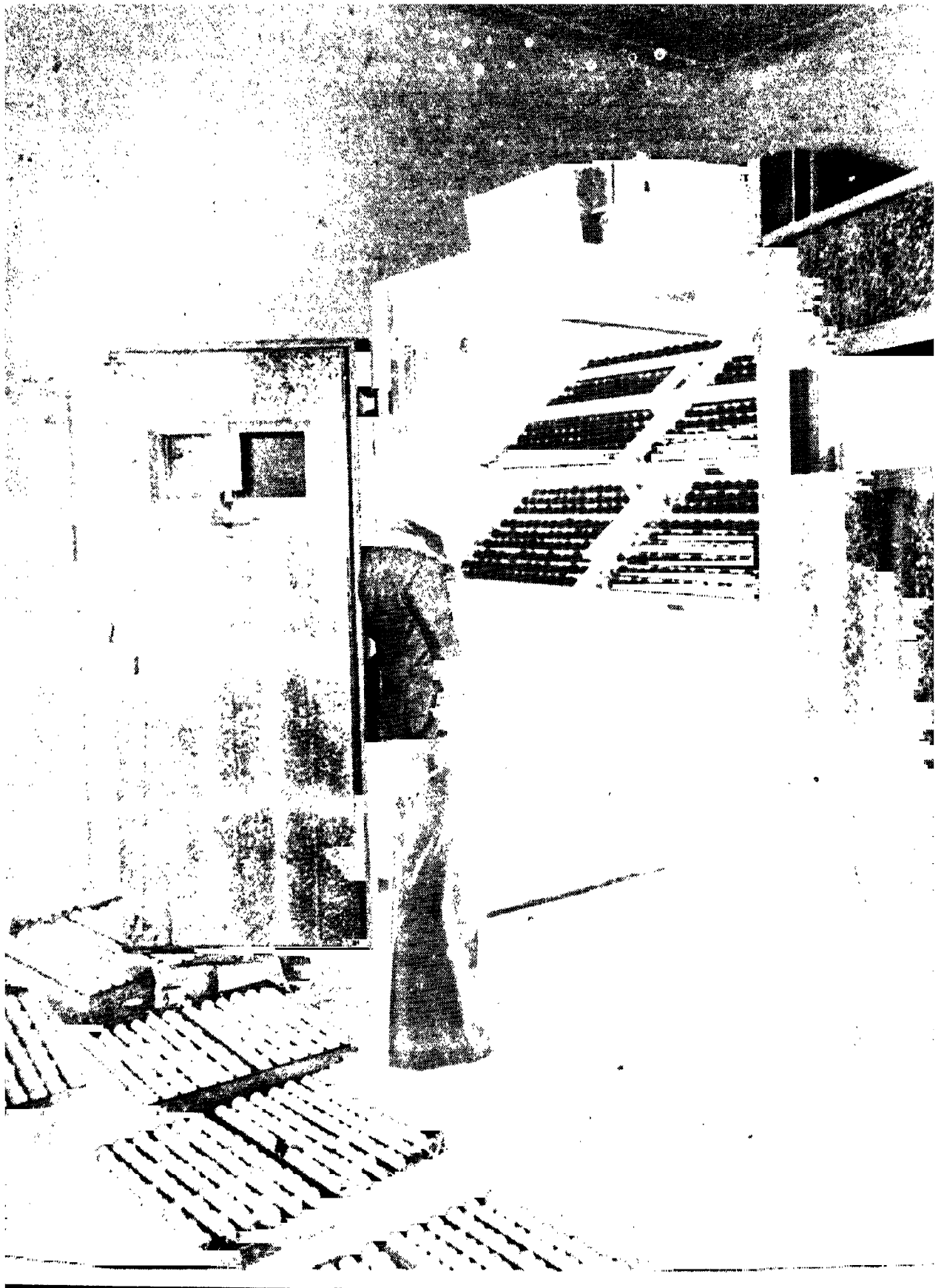
ترتیب

چیف ایڈیٹر

وی - وی مانکیالا راؤ

ایڈیٹر

ملک محمد علی نعمان

نومبر ۱۹۸۰ء

کارتک - اگھراین سنہ ۱۹۰۲

جلد نمبر ۲۵ ● شمارہ نمبر ۸

آندھرا پردیش کے قیام کی ۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں مبارکباد پیش کر رہے ہیں

دیپاولی مبارک

● اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

● زرسالانہ : ۶ روپے ، فی پرچہ ۵۰ پیسے - زرسالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے - منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے

● مضامین بھیجنے کا پتہ - ایڈیٹر اردو ماہنامہ "آندھرا پردیش" محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ، گرہ کلپا، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی)

● ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ● طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

اداریہ

نئی حکومت

جناب ٹی انجیا ہماری ریاست کے ساتویں وزیر اعلیٰ ہیں اور گذشتہ ماہ وزارت اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی نئی کابینہ کو تشکیل دیا جس میں مندرجہ ذیل ۲۲ کابینی وزراء کو شامل کیا گیا ہے۔

مسرس ایم باگا ریڈی، این بھاسکر راؤ، اے مدن موہن، کے پربھاکر ریڈی، احمد شریف، این امرناتھ ریڈی، پی وی چودھری، سی داس، ٹی ہیگر یواچاری، دیوی کونڈیا چودھری، کے ادبل ریڈی، جی راجہ رام، سی رام بھوپال ریڈی، بی رام دیو، جی وینکٹ سوامی، اے ویرپا کے رنگا ریڈی، پی سیتا راما رام، جی سری راملو نائیڈو، بی وینکٹ راما ریڈی، وائی وینکٹ راؤ اور مسز بی سروجنی پلا ریڈی۔

نئی حکومت کے بعض اہم اعلانات اور وزیر اعلیٰ کی تقاریر پر عام حلقوں میں نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے بلکہ پسماندہ طبقات، ہریجنوں اور اقلیتوں میں نئی وزارت کا شاندار خیر مقدم کیا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ جناب ٹی انجیا ہماری ریاست کی جانی پہچانی عوامی شخصیت ہیں اور اُن کا غریبوں، محنت کش طبقات سے قریبی تعلق رہا ہے، ان کی قیادت میں وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام اور آنجہانی سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام پر عمل آوری کیلئے پہلے سے کہیں زیادہ شدت پیدا کی جائے گی۔

نئے وزیر اعلیٰ کو عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہے اور اُن کے دور وزارت میں ہماری ریاست صنعتی، زرعی و تعلیمی محاذ پر ترقی کی نئی منزل پر گامزن رہے گا۔

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ جناب وی - وی - مالکیالا راؤ کی خصوصی توجہ اور گورنمنٹ سنٹرل پریس کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں آندھرا پردیش اردو خوبصورت کتابت اور فوٹو آفسیٹ طباعت سے مزین کیا گیا ہے جسکے تین شمارے منظر عام پر آچکے ہیں اور اردو حلقوں میں آندھرا پردیش کے نئے روپ کو سراہا گیا ہے۔ قارئین کا تعاون بھی ہمیں حاصل ہے اور خریداروں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ہم اپنے قلمکاروں اور قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ آندھرا پردیش کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں اور اپنے دوست احباب کو خریداری کے لئے ترغیب دیں۔ "آندھرا پردیش" کی قیمت انتہائی کم ہے اور ایک عام اردو داں بھی پرچے کو خرید کر مطالعہ کرسکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ دسمبر کے ختم تک ہمارے خریداروں میں قابل لحاظ اضافہ ہو۔ ہمارے قلمی معاونین اپنی نگارشات ہمیں روانہ کریں لیکن اشاعت کے لئے بار بار تقاضہ نہ کریں چونکہ ہمارے ہاں مضامین، غزلیں، نظمیں بڑی تعداد میں جمع ہیں اور ہم باری باری سے اُن کو شائع کریں گے۔ توقع ہے کہ ہمارے قارئین اپنے علاقوں میں جاریہ عوامی بہبود کے کاموں سے ہمیں ضرور واقف کروائیں گے۔

(ملک محمد علی خاں)

شری ٹی انجیا چیف منسٹر آندھرا پردیش ۱۹۲۹ء کے دوران موضع بانور ضلع میدک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے "ہندستان چھوڑ دو" تحریک میں حصہ لینے کے لئے ۱۹۴۲ء میں تعلیم ترک کر دی۔ شری ٹی انجیا حیدر آباد کے صف اول کے لیبر لیڈر ہیں۔ سال ۱۹۴۲ء کے دوران انہوں نے محنت کشوں کے لئے کام کا آغاز کرتے ہوئے صنعت نگر میں ٹریڈ یونین منظم کی۔ قدیم ریاست حیدر آباد میں وہ ٹریڈ یونین تحریک کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ ان کی عملی زندگی کا آغاز آلوین کمپنی سے ہوا اور وہ ترقی کرتے ہوئے مرکزی وزیر بن گئے۔

قبل ازیں شری ٹی انجیا ۱۹۵۲ء - ۵۸ کے دوران سات سال تک ریاستی انٹک لیڈر رہ چکے ہیں۔ شری ٹی انجیا آندھرا پردیش کانگریس ایڈھاک کمیٹی کے نائب صدر اور تلنگانہ علاقائی کانگریس کمیٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے یونسکو اسکیم کے تحت ۱۹۵۶ء کے دوران جاپان کا بھی دورہ کیا۔

شری ٹی انجیا ۱۹۵۰ء سے فروری ۱۹۷۸ء تک ریاستی قانون ساز اسمبلی کے رکن اور ۱۹۵۷ء میں آرمور ضلع نظام آباد سے اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے اور ۱۹۶۲ء کے انتخابات میں وہ حلقہ اسمبلی مشیر آباد سے منتخب کئے گئے۔ نرسمہا راؤ وزارت میں وہ ۱۲ مارچ ۱۹۷۲ء کو منسٹر لیبر و روزگار مقرر کئے گئے اور ۸ جنوری ۱۹۷۳ء کو صدر راج کے نفاذ تک وہ اس قلمدان کو سنبھالتے رہے۔ بعد ازاں وہ ستمبر ۱۹۷۴ء میں وینگل راؤ کابینہ میں شامل ہو گئے۔ اس بار انہیں قلمدان لیبر کے ساتھ ساتھ ریاستی صنعتی امن کی برقراری کی ذمہ داریاں بھی سونپی گئی تھیں۔ سال ۱۹۷۷ء تک وہ اس عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

شری ٹی انجیا اپریل ۱۹۷۸ء میں وہ راجیہ سبھا کے رکن منتخب کر لئے گئے اور ۸؍جون ۱۹۸۰ء کو اندرا گاندھی کابینہ میں وہ وزیر وزارت لیبر مقرر کر لئے گئے جس وقت انہوں نے یہ قلمدان وزارت سنبھالا مہاراشٹرا، اتر پردیش، گجرات اور دیگر ریاستوں میں صنعتی بے چینی پھیلی ہوئی تھی لیکن شری انجیا کی بروقت مداخلت کے نتیجہ میں ملک کے محنت کشوں کے مسائل کی یکسوئی ممکن ہو سکی اور اس طرح ملک کے طول و عرض میں صنعتی امن کا دور دورہ ہو گیا۔

رسم حلف برداری
کے بعد
چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا
گورنر آندھرا پردیش
مسٹر کے سی ابراہام
سے مصافحہ
کرتے ہوئے

نئے چیف منسٹر
مسٹر ٹی انجیا
کی درگاہ یوسفینؒ
پر حاضری

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا پریس کلب میں صحیفہ نگاروں سے خطاب کرتے ہوئے
تصویر میں شری پربھاکر، شری ناگیشور،
دیکھے جاسکتے ہیں۔

مسٹر ٹی انجیا
راج بھون میں حلف لیتے ہوئے
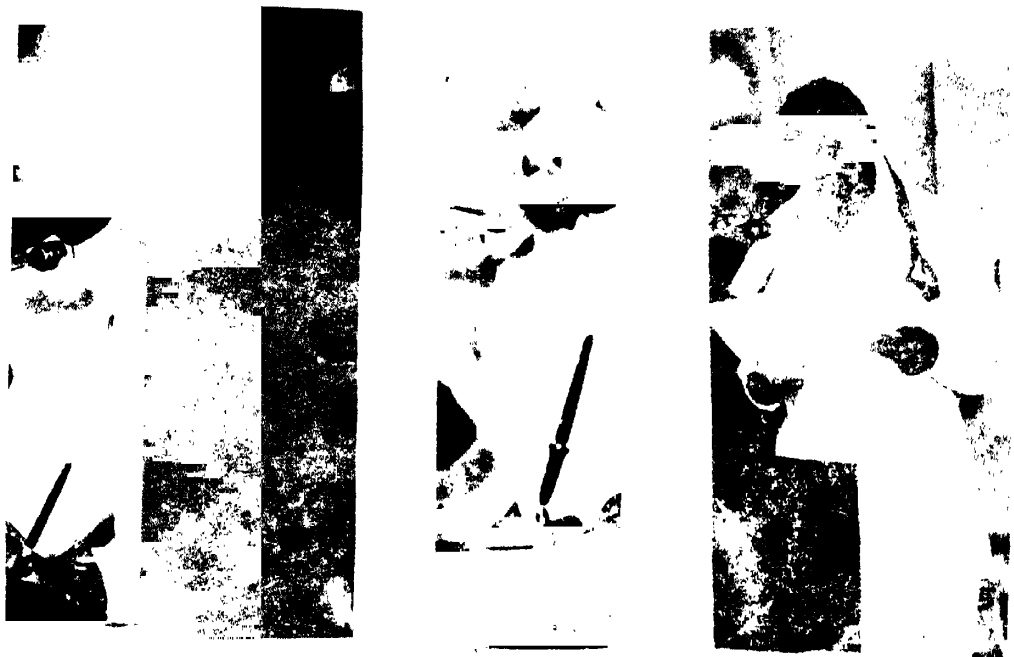
راج بھون میں ۲۲ وزراء کی حلف برداری ۔ تصویر میں مسٹر کونڈیا چودھری، مسٹر رام بھوپال ریڈی اور مسٹر کے پربھاکر ریڈی دیکھے جا سکتے ہیں ۔

نئے وزراء قلمدان

نئے وزراء میں قلمدانوں کی تقسیم عمل میں آئی ہے جو حسب ذیل ہے

- مسٹر ٹی انجیا (چیف منسٹر) جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ سروس، لا اینڈ آرڈر، شیڈولڈ کاسٹس اینڈ شیڈولڈ ٹرائبس سول بڑی صنعتیں، اکو موڈیشن زرعی اصلاحات، اربن سیلنگ، بڑی آبپاشی اور ایسے قلمدان جو کسی وزیر کو نہیں دیئے گئے
- مسٹر احمد شریف : امداد و باز آبادکاری چھوٹی بچتیں آندھرا پردیش راجیہ سینک بورڈ، وقف اور بندرگاہیں
- این امرناتھ ریڈی : امداد باہمی، انڈین پارٹنر شپ ایکٹ، سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ، نان ٹریڈنگ کمپنیز ایکٹ۔
- مسٹر ایم باگا ریڈی : پنچایت راج بشمول رورل واٹر سپلائی۔
- مسٹر این بھاسکر راؤ : اسمال اسکیل انڈسٹریز، سلف ایمپلائمنٹ، ٹکنوکرائس اسکیمیں، اسپیشل ایمپلائمنٹ پروگرامس، فشریز بشمول فشریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن، مارکٹنگ اینڈ ویر ہاؤزنگ کارپوریشن۔
- مسٹر پی وی چودھری : اوقاف ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ان آندھرا پردیش، آثار قدیمہ اور اسٹیٹ آرکائیوز
- مسٹر سی داس : انتخابات اکسائیس و مشنری و پرنٹنگ
- مسٹر ٹی ھیگریوا چاری: فنی تعلیم آندھرا پردیش، بلالہ اکیڈیمی اور انڈین میڈیسن
- مسٹر ڈی کونڈیا چودھری : ہائی ویز، امکنہ و شوارع پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ، ورک شاپس اور ریلویز پوسٹ اینڈ ٹیلیگرافس سے متعلق امور
- مسٹر اے مدن موھن : میڈیکل اینڈ ہیلت۔
- مسٹر کے اوبل ریڈی ، متوسط آبپاشی، فلڈ کنٹرول، ڈرینیج اور اریگیشن ڈیولپمنٹ کارپوریشن
- مسٹر کے پربھاکر ریڈی : داخلہ، پولیس، پاسپورٹ، آرمس ایکٹ جنگلات اور فارسٹ ڈیولپمنٹ کارپوریشن

● مسٹر جی راجہ رام : فینانس، پلاننگ، بیورو آف اکنامکس اینڈ اسٹاٹسٹکس، شوگر انڈسٹری بشمول نظام شوگر فیکٹری، کھانڈسری فیکٹریز اور کین ڈیولپمنٹ اسپورٹس اور کمرشیل ٹیکس۔

● مسٹر سی رام بھوپال ریڈی : مالگذاری، رجسٹریشن اینڈ اسٹامپس، جائیداد تخلیہ کنندگان، عطیات اور جاگیر ایڈمنسٹریشن ٹرسٹ سٹلمنٹ بورڈ، سروے اینڈ سٹلمنٹ بورڈ، سروے اینڈ سٹلمنٹ بشمول اسٹیٹ ابالیشن

● مسٹر بی رام دیو : انیمل ہسبنڈری اور ڈیری ڈیولپمنٹ بشمول ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن، ملک سپلائی اسکیم۔

● مسٹر کے رنگا راؤ : ہاوزنگ بشمول دیگر سکشنس ہاوزنگ اسکیمس اور آندھرا پردیش ہاوزنگ کارپوریشن سوشیل ویلفیر اینڈ ہریجن ویلفیر بشمول آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن

● شریمتی بی سروجنی پلا ریڈی : میونسپل ایڈمنسٹریشن بشمول ایڈمنسٹریشن آف میونسپل کارپوریشن آف حیدرآباد اربن ڈیولپمنٹ اتھاریٹی، ٹاون پلاننگ، ٹرسٹ اربن واٹر سپلائی اینڈ ڈرینج بشمول محکمہ آبرسانی حیدرآباد، ماحول کی آلودگی، ماحول کی صفائی (جیسے پانی کوئلہ اور برقی کا استعمال وغیرہ) اطلاعات و تعلقات عامہ، سنیماٹوگرافی۔

● مسٹر پی سیتا راما راؤ : ٹرانسپورٹ بشمول آندھرا پردیش اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

● مسٹر جی سری راملو نائیڈو : چھوٹی آبپاشی، بیک ورڈ کلاس ویلفیر، بیک ورڈ کلاس فینانس کارپوریشن۔

● مسٹر اے ویریا : برقی

● مسٹر بی وینکٹ رام ریڈی : پرائمری، سکنڈری اور کالجیٹ ایجوکیشن لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی بشمول اکیڈیمیز، کلچرل آفیسرس، اسٹیٹ کونسل فار ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ، ریسیڈنشیل اسکولس، ڈیولپمنٹ آف ماڈرن آنیشیل لینگویج۔

● مسٹر وائی وینکٹ راؤ : زراعت، بشمول فوڈ پروڈکشن، گراؤنڈ واٹر ریزورسس، اگرو انڈسٹری کارپوریشن اور اس کے ذیلی حصے، کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ، قانون اور عدالت

● مسٹر جی وینکٹ سوامی : سیول سپلائز بشمول سیول سپلائز کارپوریشن، لیبر اینڈ امپلائمنٹ انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ای ایس آئی اور لیدر انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن۔

زر سالانہ ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے
اپنا زر سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے
منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے
پتہ : ڈائرکٹر انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشن حکومت آندھرا پردیش
"گرہ کلپا" مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ اے پی

مراد آباد میں برقعہ پوش خواتین وزیراعظم
شریمتی اندرا گاندھی کو داستان غم سنا رہی ہیں
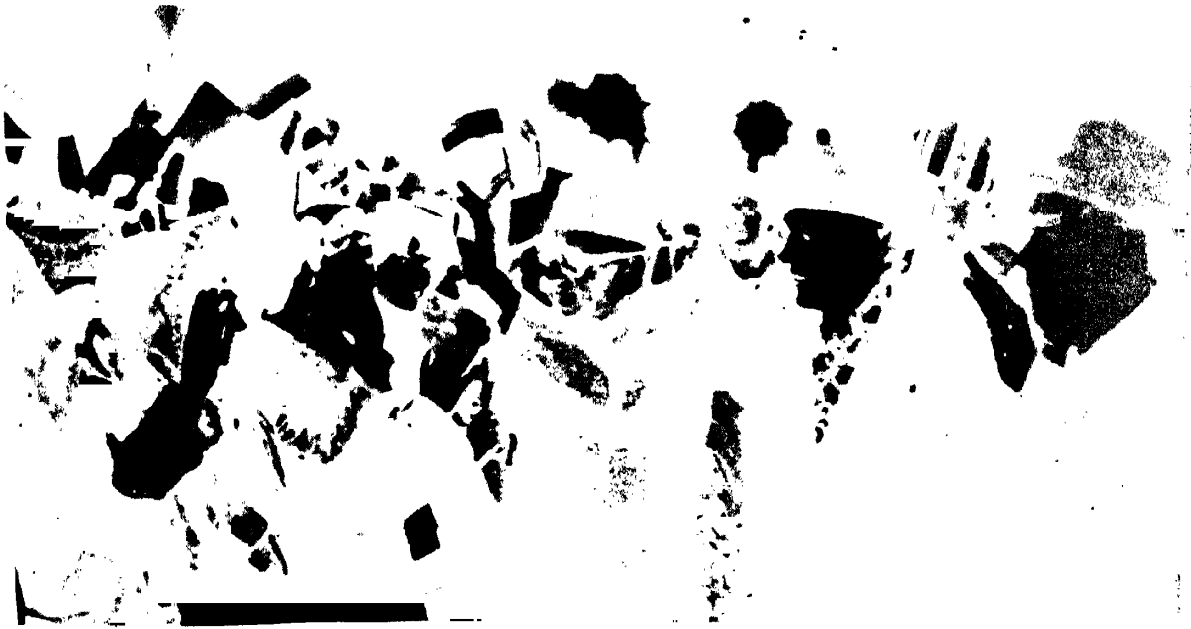
صدر جمہوریہ ہند مسٹر نیلم سنجیوا ریڈی کا سوویت یونین میں شاندار خیر مقدم

بمبئی میں وزیر اعظم
شریمتی اندرا گاندھی
نے نیشنل سوسائٹی
آف کلین سٹیپز کے
چلڈرن کا مپلکس
کے پروگرام کا
افتتاح کیا ۔

محبوب راہی

اندرا جی کا انتخاب اور ہمارا سیاسی شعور

ثبوت ہم نے دیا پھر شعور کا اپنے
طلسم توڑ کے ادبار کے حصاروں کا
پہنچ گئے ہیں نشاط و سکوں کی منزل تک
رخ ہم نے موڑ دیا کرب و غم کے دھاروں کا
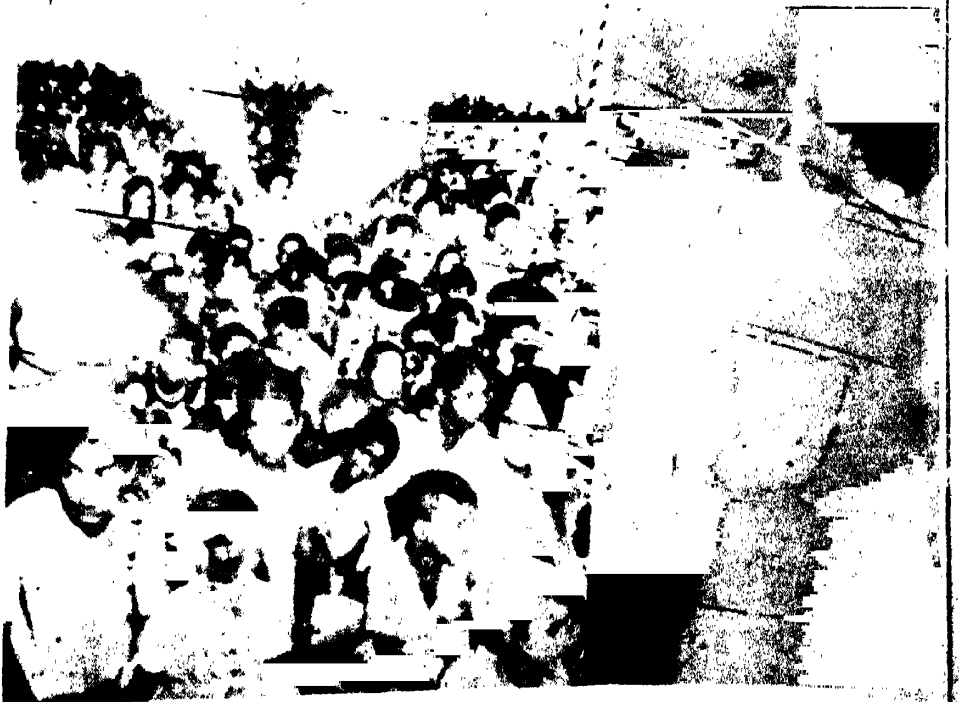
وہ بھول ہم سے ہوئی تھی جو دو برس پہلے
خوشا کہ اس کا ہمیں جلد ہو گیا احساس
وہ لوگ ہم نے جنہیں اقتدار سونپا تھا
دیا ہے انکو سیاست کے دیس سے بن باس

وہ روشنی کہ منور تھا جس سے دیش اپنا
ہوائیں دے کے ہمیں نے اسے بجھایا تھا
اندھیرے کر کے مسلط سروں پہ خود اپنے
خود اپنے پہ ہم نے یہ ظلم ڈھایا تھا

ہمیں یہ وصف ہے حاصل کہ اپنی بھول کو ہم
بڑی خوشی سے بہت جلد مان لیتے ہیں
جو کرنا ہو وہ خموشی سے کر گزرتے ہیں
جو ٹھان لیتے ہیں دل میں وہ ٹھان لیتے ہیں

خوشا کہ ہم نے غلط راستوں سے کر کے گریز
پھر ایک رہبر کامل کا انتخاب کیا
سبھی مفاد پرستوں کو دیکے فاش شکست
پھر ایک اندرا گاندھی کو کامیاب کیا

وقار جس سے فزوں تر ہوا ہے بھارت کا
بلاشبہ ہے وہی ذات اندرا گاندھی
جو دو برس سے پریشانیوں کا عنواں تھے
کرے گی حل وہ سوالات اندرا گاندھی

پھر اقتدار کی مسند پہ جلوہ فرما ہے
مٹے گی وقت کی ظلمت پھر اسکے ہاتھوں سے
خوشا نصیب اے ہندوستاں کہ اب تیری
سنورنے والی ہے قسمت پھر اسکے ہاتھوں سے

وطن کی دھرتی کے دامن پہ اسکے بیس نکات
ستارے بن کے پھر اک بار جگمگائیں گے
بہار نو کے ترانے ہوائیں گائیں گی
روش روش گل امید مسکرائیں گے

پیام لائے گی ہر صبح کامرانی کے
نشاط و عیش مسلسل کے، شادمانی کے

پیداکنندہ اور صارف
دونوں کے ساتھ انصاف

آندھرا پردیش میں حالیہ برسوں کے دوران میں اشیائے ضروریہ کی تحصیل اور تقسیم میں باقاعدگی پیدا کی گئی ہے ۔ تاکہ یہ اشیاء عوام کو آزادی کے ساتھ دستیاب ہوسکیں اور اس طرح پیداکنندوں اور صارفین دونوں کو فائدہ پہنچے ۔ مٹی کا تیل ، خوردنی تیل شکر چاول اور گیہوں جیسی ضروری اشیا کی فراہمی کے لئے ریاست میں ۲۳ ہزار سے زیادہ ارزاں فروشی دکانات کا ایک وسیع جال پھیلا دیا گیا ہے۔

مٹی کے تیل کا کوٹہ

ریاست میں تقریباً ماہانہ ۴۰ ہزار کلو لیٹر مٹی کے تیل کی ضرورت پڑتی ہے لیکن مرکزی حکومت کی جانب سے تقریباً ۳۲ ہزار کلو لیٹر کی مقدار میں مٹی کا تیل ریاست کو فراہم کیا جاتا ہے ۔ ریاست میں نئے کیروسین ایجنٹوں کی تعیناتی کے لئے اجازت طلب کی گئی ہے تاکہ ہر تعلقہ میں کم سے کم ایک خوردہ فروش مٹی کے تیل کی فراہمی کے ایجنٹ کا انتظام ہوجائے ۔ بلاک مارکٹ کے انسداد کی خاطر مٹی کے تیل کی تقسیم راشن کارڈوں پر عمل میں لائی جارہی ہے ۔

اضافہ شکر

گھریلو صارفین میں تقسیم کے لئے مرکزی حکومت کی جانب سے ہر مہینہ ۲۰ ہزار آٹھ سو ۸۲ (۲۰۸۸۲) ٹن لیوی شکر ریاست کو فراہم کیجاتی ہے جبکہ فی کس ۵۰۰ گرام ماہانہ کی شرح سے ہمیں جملہ ۲۷ ہزار ٹن شکر کی ضرورت پڑتی ہے ۔ حکومت نے ۸ ہزار ٹن کی مقدار میں درآمد شدہ شکر بھی حاصل کی ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن کو الاٹ کی گئی ہے ۔ یہ کارپوریشن محکمہ سیول سپلائی کی جانب سے مقررکردہ مقدار میں تھوک صارفین کو شکر مہیا کرتا ہے ۔ اس عمل سے کھلے بازار میں شکر کی قیمتوں پر مفید اثرات مرتب ہوئے ہیں ۔

خوردنی تیلوں کی فراہمی

حالیہ دنوں میں مونگ پھلی کے تیل کی قیمتوں میں چونکہ زبردست
نہ نمایاں ہوا ہے ۔ اسی لئے ریاستی حکومت نے ارزاں فروش دوکانات
ریعے عوام کو ہر راشن کارڈ پر ۵ کیلوگرام درآمد شدہ پالمولن آئیل فراہم کرنے
لہ کیا ہے۔ ارزاں فروش دوکانات کو تحصیل داروں کی جانب سے کسی کوٹے
بن کے بغیر ریاستی سیول سپلائز کارپوریشن سے انکو درکار مقدار کے
ل کی اجازت حاصل ہے۔ پالمولن آئیل کے علاوہ ریاست کو ریپ سیڈ آئیل
ویا بین آئیل بھی الاٹ کیا جاتا ہے جو عوام ارزاں فروشی کی دوکانوں کے
فراہم کیا جارہا ہے ۔گذشتہ ۶ ماہ کے دوران میں تقریباً ۲۸ ہزار ٹن
نے کا تیل عوام کو فراہم کیا گیا ۔ چونکہ یہ تیل مقابلتاً سستی قیمتوں پر فراہم
جا رہے ہیں اور یہ مونگ پھلی کے تیل کا ایک اچھا بدل بھی ہیں اس لئے مونگ
کے تیل کی قیمتوں کو موثر طور پر قابو میں رکھا گیا ہے۔

پکوان گیس

ریاست میں تین آئیل کمپنیوں کی جانب سے بازار میں پکوان گیس
ت کیجاتی ہے ۔ ریاست بھر میں اس گیس کے صارفین کی تعداد ۱۶۸۹
ہے ۔ جس میں دونوں شہروں کے ۶۲۷ ۳ ۷ صارفین بھی شامل ہیں
سال اکتوبر کے مہینے سے ۶۰ ہزار سے زائد نئے درخواست گذاروں کو
ٹینگ لسٹ پر ہی گیس کی فراہمی کا انتظام عمل میں لایا جائیگا۔

ریاست کو مجموعی طور پر ہر مہینہ ایک لاکھ کلو لیٹر اعلی قسم کے
آئیل کی ضرورت ہے جبکہ مرکزی حکومت صرف ۳۷ ہزار تا ۵۷ ہزار
ٹر ڈیزل فراہم کرتی ہے۔ ڈیزل آئیل کی اس مقدار کو منصفانہ طور پر تقسیم
ے کے لئے تمام طریقے اختیار کئے گئے ہیں تاکہ ضروری خدمات جیسے اے
ٹی سی ، خانگی ٹرانسپورٹ اور زرعی شعبے کی ضروریات معقول طور پر پوری
سکیں ۔

جنتا دوکانیں

ریاستی حکومت نے ہر ضلع میں جنتا دوکانیں کھولنے کی تدابیر شروع
ی تاکہ کمزور طبقات کو اشیائے ضروریہ کی فراہمی آسانی کے ساتھ عمل میں
جاسکے ۔

عوامی تقسیم کے نظام کو کارکرد اور مکمل طور پر موثر بنانے کے لئے کوئی دقیقہ
نہیں اٹھا رکھا گیا ہے تاکہ صارفین کو اشیائے ضروریہ آسانی کے ساتھ دستیاب ہوسکیں۔

چاول اور گیہوں کی فراہمی

ریاست میں ہر مہینہ تقریباً ۴۰ ہزار ٹن چاول ارزاں فروش دوکانوں
کے ذریعے فراہمی کے لئے اجرا کیا جاتا ہے لیکن کھلے بازار میں چاول کی قیمتیں بہت زیادہ نہ
ہونے کے باعث ان دکانوں سے فروخت ہونے والے چاول کی مقدار صرف ۲۰ ہزار ٹن ہی ہے
ارزاں فروش دوکانات میں فروخت کے لئے ہر ماہ ۱۲ ہزار ٹن گیہوں کی
اجرائی کیجاتی ہے ۔ اور ۱۶ ہزار ٹن گیہوں آٹے کی گرنیوں کو دیا جاتا ہے۔

کاشتکاروں کی امداد

صارفین کی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پیداکنندوں کے مفادات کا
بھی تحفظ کیا جاتا ہے۔ کاشتکاروں سے امدادی قیمتوں پر غذائی اجناس حاصل کئے
جاتے ہیں اور اس طرح انکے اقل ترین منافع کا تحفظ کیا جاتا ہے ۔

سال ۸۰ - ۱۹۷۹ء کے دوران میں جبکہ غذائی اجناس کی فصل بہت زیادہ
اچھی ہوئی تھی تو فوڈ کارپوریشن آف انڈیا اور اسٹیٹ سیول سپلائز کارپوریشن
کی جانب سے خریف کے موسم میں ۳۵۰ خریدی مراکز اور ربیع کے موسم
میں ۲۲۶ خریدی مراکز کے ذریعہ کسانوں سے ۰ ۱۸۵ ۸، ۷ ٹن دھان
خریدا گیا ۔ اس طرح کسانوں کو پریشانی کی حالت میں اور مجبوراً اپنا دھان گرے
ہوئے داموں پر بیچنے سے بچایا گیا۔ اسکے علاوہ مل لیوی اسکیم کے تحت ۵۱۶۳۵۰
ٹن چاول گرنی مالکوں سے بھی خریدا گیا جسکی بدولت بالواسطہ طور پر کسانوں کو اپنی پیداوار
منافع بخش قیمتوں پر فروخت کرنے میں مدد ملی ۔

اس سال موسم خریف کے لئے مل لیوی اسکیم کے تحت ۳ لاکھ
ٹن چاول کے حصول کا نشانہ مکمل کرلیا گیا ہے۔ موسم ربیع میں بھی چاول کے
ذخائر حاصل کرنے کا کام جاری رہے گا۔

اس طرح ریاستی حکومت کے اقدامات سے صارفین اور
پیداکنندوں دونوں کے ساتھ انصاف ہو رہا ہے۔

عظیم رہنما جواہر لال نہرو

قومی یکجہتی کے علمبردار

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

○

قلم اٹھاتا ہے اس شخص پر کہ جسکی حیات
ہمیشہ گرمیِ حالات سے پگھلتی رہی
قلم اٹھاتا ہے اس شخص پر کہ جسکی حیات
چراغ بن کے اندھیروں میں روز جلتی تھی

○

قلم اٹھاتا ہے اس شخص پر کہ جسکی حیات
کوئی بھی رُت ہو، ہر حال مسکراتی تھی
بلا تعینِ اوقات جگمگاتی تھی

○

ہزاروں زخم تھے اہلِ وطن کے سینے پر
حیات جس کی گلستانِ آرزو کی طرح
خلوص، پیار کے مرہم کو اپنے ساتھ لئے
ہر اک نظر میں اُبھرتی تھی روشنی بن کر
ہر ایک لب پہ تھی پھولوں کی تازگی بن کر

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
قلم اٹھاتا ہے اس شخص پر کہ جسکی حیات
کروڑوں زخمی دلوں کے لئے مداوا تھی
کھنڈروں، بجھتے گھروں کے لئے اجالا تھی
حیات جسکی مسلسل رہی ہے فیض رساں
حیات جسکی رہی ہے شعورِ راہبراں

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
وہ جانتا تھا کہ اشکوں کی آبرو کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ کتنی لہو کی قیمت ہے
وہ جانتا تھا کہ غربت کی زندگی کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ کُٹیا کی روشنی کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ دامن کو اپنے پھیلائے
ہزاروں لوگ ایک اک بوند کو ترستے ہیں
کرم کی آس میں ہر گام پر ٹھہرتے ہیں

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
کچھ اسطرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
اس ایک شخص کا جسکی نظر کی گرمی سے
ستم شعاروں کے اوراقِ دل سلگتے تھے
کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
دل و نظر ہی نہیں جذبہ عقیدت بھی
شعور و فکر کی عظمت پہ خود ہی ناز کرے
کبھی نہ سازشی لمحوں سے ساز باز کرے

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
کچھ اسطرح سے یہ سوچا ہے گفتگو کروں
عظیم رہنما! نہرو کی زندگانی سے
کہ آج زہر سے ڈوبی ہوئی فضاؤں میں
سمٹ نہ جائیں کہیں صاحبانِ فہم و ذکا
دل و نگاہ میں چھائے نہ تیرگی کی فضا
اندھیرے، شب کی نگاہوں کا زہر پی پی کر
اجالے مانگنے والوں سے ہم کنار نہ ہوں
خزاں پسند کبھی شاملِ بہار نہ ہوں

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

○

ایک ایسا شخص جو محسن ہے میری دھرتی کا
وطن پرستی میں جسکی کوئی مثال نہیں
ہزاروں رنگ کے پھولوں کا پیرہن اوڑھے
ہر انجمن میں جو، تا دیر جگمگاتا تھا
جو اشک پی کے ہمیشہ ہی مسکراتا تھا
ایک ایسے شخص کو کچھ ناشناسِ مہر و وفا
نشانہ آہنی تنقید کا بناتے ہیں
حسد کی آگ سے خود اپنا گھر جلاتے ہیں

○

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

صلاح الدین نیر

حسام الدین سلیم

آندھرا پردیش کی تاریخ سے واقف ہیں سب
کارواں جب جانبِ منزل چلا پہلے پہل
کر کے مقصد کا تعین، مثلِ دریا تھا رواں
وادیوں سے سر کو ٹکراتا ہوا بڑھتا رہا
راستے کے پیچ و خم سے بل پہ بل کھاتا ہوا
اتدضلشے وقت کے شانہ بشانہ روز و شب
ہر قدم منزل بمنزل اپنے مقصد کی طرف
کارواں یہ بڑھ رہا ہے ناچتا گاتا ہوا
اس کے تہذیب و تمدن کی بہارِ گل فشاں
خشک صحراؤں کو سبزہ زار کرتی ہی رہی
اس کے ہر لمحہ میں ہے عہد آفریں جادوگری
جشنِ سیمیں ہو مبارک اور سلامت دوستو
آندھرا پردیش کی تاریخ سے واقف ہیں سب

توقیرِ سجدہ

راشد آذر

نہیں کیا مرے سجدوں کا احترام تو میں
خدا کے در سے سر اپنا اٹھا کے لوٹ آیا
ہزار صدیوں سے آدابِ فنِّ مسجودی
وہی ہیں آج بھی مسجود ہو خدا کے بشر
مقام سجدے کا سمجھے تو پھر قبول کرے
اگر وقارِ عبادت نہ دو محبت کو
دماغ و دل میں کشاکش رہے گی برسوں تک
مگر تمہیں بھی بہر حال بھول سکتا ہوں

ایسا کیوں ہوتا ہے

دن گزرتے ہیں، مہ و سال میں ڈھل جاتے ہیں
اور مہ و سال گزر جاتے ہیں خاموشی سے
کون رکھتا ہے مہینوں کے گزرنے کا حساب
اور جب سال گزرتا ہے خوشی لاتا ہے
صرف لمحات گزرنے نہیں پاتے چپ چاپ
ایسا کیوں ہوتا ہے، کچھ لمحے ٹھہر جاتے ہیں
اور گزرتے ہیں تو اشکوں کی جھڑی لگتی ہے

کمال جائسی

میں شخصیت پرستی کا کبھی بھی قائل نہیں رہا۔ لیکن ملک کی قائد شریمتی اندرا گاندھی کی جرأتمندیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا

ابھری آکاش پر ایک تازہ کرن
حوصلوں کے امنگوں کے مہکے چمن
اندرا کا ہے پیغام صبحِ وطن
آگئی ہیں بہاریں سرِ انجمن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

دشمنی دوستی میں بدلنے لگی
شمعِ امید ہر گھر میں جلنے لگی
جامِ تہذیب سے مے اُبلنے لگی
تیری تائید ہے انجمن انجمن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

تیری آواز باپو کی آواز ہے
تیرا انداز نہرو کا انداز ہے
آسماں تیری عظمت کا آغاز ہے
تیرے قدموں کی آہٹ چمن در چمن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

تو نے کانٹوں سے دامن بچایا نہ تھا
دھوپ ہی دھوپ تھی کوئی سایہ نہ تھا
وقت کے ساز پہ گیت گایا نہ تھا
آزمائش کی راہیں تھیں بیحد کٹھن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

چہرے کمھلائے سے تھے ہزاروں یہاں
تھک چکے تھے یہاں سب خیال و گماں
تیرے آنے سے نکھرا یقیں کا سماں
پھر سیاست کی دیوی ہے محوِ سخن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

رشیوں بھگتوں کی دھرتی پہ گاتی ہوئی
فصلِ گل آئی نغمے سناتی ہوئی
کامیابی کا پرچم اڑاتی ہوئی
آسماں بن گئی ہے زمینِ وطن
زندہ باد اے ترقی کی تازہ کرن

غزلیں

نگاہ و فکر کی رعنائیاں زیادہ سہی
کچھ اپنے آپ سے بھی آج استفادہ سہی

تراش لایا ہے کچھ بُت حسیں خیالوں کے
ہمارا ذوقِ جنوں آج بے لبادہ سہی

غموں کی آنچ میں تپنا ہی گر مقدر ہے
رہِ حیاتِ الم اور بھی کشادہ سہی

چلو کسی کی نگاہوں کی یاد تازہ کریں
تھکن اُتارنے تجدیدِ جام و بادہ سہی

اب آئینوں سے کوئی عکس جھانکتا ہی نہیں
نویدِ درد ہو، زخموں کا پھر اعادہ سہی

ورق ورق پہ نمایاں ہے وقت کی تحریر
کہیں حیات کا کوئی ورق تو سادہ سہی

ہمارے بعد بھی نقشِ قدم چمک اٹھیں
زمینِ شعر میں اپنا بھی کوئی جادہ سہی

ندیم وعدوں کی لذت میں بھی کشش نہ رہی
کبھی تو بھول کے آجاؤ بے ارادہ سہی

○ خیرات ندیمؔ

صحرائے تمدن میں بھٹک جاؤ گے ٹھہرو
تہذیب کی سولی پہ لٹک جاؤ گے ٹھہرو

پستی میں بلندی سے لڑھک جاؤ گے ٹھہرو
اک روز منوں مٹی میں ڈھک جاؤ گے ٹھہرو

انسان کی فطرت کو نہ پہچان سکو گے
تم شاخ کی مانند لچک جاؤ گے ٹھہرو

کم سِن ہو ابھی حُسن کا انعام نہ سوچو
گمراہ خیالوں سے بہک جاؤ گے ٹھہرو

ہر رات مری یاد میں آنکھیں نہ بچھاؤ
شیشے کی طرح غم سے کھنک جاؤ گے ٹھہرو

جذبات میں آکر نہ کوئی فیصلہ کرنا
تم غصے میں کچھ اور بھڑک جاؤ گے ٹھہرو

ٹھہرو کہ مجھے فرصتِ دیدار نہیں ہے
بن آرزو نظروں میں کھٹک جاؤ گے ٹھہرو

آشادؔ اصولوں کی کٹھن راہ بدل دو!
دو گام نہ چل پاؤ گے تھک جاؤ گے ٹھہرو

○ رشید آشادؔ

○ منظر زیدی

یہ کس کی آنکھ میں شوخی ہے اور ہنسی لب پر
یہ کس نے وقت کے دل میں چبھو دیا نشتر

ہماری پیاس کا عالم ہوا یہ صحرا میں
دکھائی ریت بھی دیتی ہے آب کی چادر

یہ کس کے چہرے سے پھوٹی ہیں نور کی کرنیں
سمٹ کے چاندنی بیٹھی ہوئی ہے پیڑوں پر

میں انکی یاد کے روشن چراغ کر لونگا
اندھیری راہ سے ہوگا جو کبھی میرا گذر

بس انکا نام لیا تھا اسی لئے ابتک
ہر ایک پھینک رہا ہے مری طرف پتھر

ہر اک خار پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
چمن میں آیا ہے کوئی برہنہ پا منظرؔ

○

پھر انہیں آج تصور میں پکارا جائے
دل کے زخموں کو ذرا اور نکھارا جائے

ریت کے ذروں کی صورت جو ابھی بکھری ہیں
انکی یادوں کو جمع کرکے سنوارا جائے

اس طرح میری امیدوں کا جنازہ نکلا
جیسے دھوکے سے کوئی راہ میں مارا جائے

دھوپ آنگن سے ذرا جلد چلی جاتی ہے
گھر کی دیوار کو تھوڑا سا اُبھارا جائے

کتنی ہی بار ہر اک شرط کو ہم جیتے ہیں
آج افسردہ ہیں وہ شرط کو ہارا جائے

انکی گلیوں میں تو دشوار ہے جینا منظرؔ
وقت صحرا میں بھٹک کر ہی گذارا جائے

○

اپنی کہانیوں اور افسانوں کے ذریعہ بیداری کا پیام دینے والے

عظیم ہندوستانی قلمکار **منشی پریم چند**

جن کی صدسالہ تقریبات سارے ملک میں منائی جارہی ہیں

یونس عابدی

پریم سراپا

تھے صورتاً تو شبنم خوشتر پریم چند
روتے رہے ہیں حالِ وطن پر پریم چند

تحریر کہہ رہی ہے کہ پہچانتے تھے خوب
حالات و حادثات کے تیور پریم چند
چھیڑا کئے سماج کی دکھتی ہوئی رگیں
رکھتے رہے سماج پہ نشتر پریم چند
ماحول پر زمانے کے منظر کشی کے ساتھ
کرتے رہے ہیں تبصرہ اکثر پریم چند
ناول کہیں ہیں اُن کے تو افسانے ہیں کہیں
پہنچے ہیں کس خلوص سے گھر گھر پریم چند
اہلِ وطن کو دیتے رہے درسِ اتحاد
آزاد و نہرو کے رہے ہمسر پریم چند
تفریق و انتشار کی کاٹا کئے رگیں
تھے اہلِ بغض کے لئے خنجر پریم چند
وہ شخصیت پریم سراپا، کہیں جسے
اندر پریم چند تھے باہر پریم چند

یونسؔ ہر ایک تذکرۂ اہلِ علم پر
آتے رہیں گے یاد برابر پریم چند

منشی پریم چند

زباں پہ نام ہے منشی پریم چند ترا
بلند کام ہے منشی پریم چند ترا

ہر ایک دل میں ترا پریم پایا جاتا ہے
ہر اک غلام ہے منشی پریم چند ترا

سماج واد کا نعرہ ادب کو تو نے دیا
نیا پیام ہے منشی پریم چند ترا

ہر آدمی کو دکھائی دے اپنی شکل اس میں
مجیب جام ہے منشی پریم چند ترا

ترے فسانوں میں ہیں جیتے جاگتے کردار
یہ اہتمام ہے منشی پریم چند ترا

یہ بات سچ ہے کہ علم و ادب کی دنیا میں
بڑا مقام ہے منشی پریم چند ترا

مجیب نے یہی جانا ہر انجمن میں ذکر
یہ احترام ہے منشی پریم چند ترا

★ مجیب بستوی

بشکریہ "قومی راج" بمبئی

اُمید ادیبی

انسانیت کا یار تھا منشی پریم چند　　جنتا کا اعتبار تھا منشی پریم چند
اُردو کا جاں نثار تھا منشی پریم چند　　ہندی کا تاجدار تھا منشی پریم چند
ناول کا شہریار تھا منشی پریم چند

اِک آہنی دیوار تھا منشی پریم چند　　انصاف کا مینار تھا منشی پریم چند
ہاں سچ کا پرستار تھا منشی پریم چند　　کردار کا معمار تھا منشی پریم چند
دُکھیوں کا مددگار تھا منشی پریم چند

ہمدرد و مہربان تھا سچا سماج کا　　ہر آن وہ حریف رہا سامراج کا
خواہاں نہیں رہا وہ کبھی تخت و تاج کا　　ہر فرد مانتا ہے اُسے کل اور آج کا
مفلس کا دستدار تھا منشی پریم چند

وہ پشت بان رہا تھا ہمیشہ غریب کا　　مخلص تھا اور یار تھا وہ بدنصیب کا
بیشک عزیز تھا وہ حریف و حبیب کا　　پیارا رہا ہمیشہ وہ دور و قریب کا
اخلاق کا شہکار تھا منشی پریم چند

ہندی بھی کہہ رہی ہے "نگہباں رہا"　　اُردو کو ناز ہے کہ "مرا پاسباں رہا"
دونوں کو فخر ہے کہ "سدا ہم زباں رہا"　　کچھ بھی ہو پر یہ سچ ہے کہ جادو بیاں رہا
بستانِ اُردو بہار تھا منشی پریم چند

دانا تھا، اہلِ فن تھا، بڑا ہنرمند تھا　　مقصد ہر ایک بات کا اس کی بلند تھا
بخشا خدا نے اُسے اِک دلِ دردمند تھا　　اُلفت پسند تھا وہ صداقت پسند تھا
اس دیش کا وقار تھا منشی پریم چند

اس نے کبھی نہ کام تعصب سے ہے لیا　　یکجہتی کا پیام وہ بھارت کو ہے دیا
مزدور کے مقام کو اونچا ہے وہ کیا　　اُمید وہ پریم سے اُلفت سے ہے جیا
اُلفت کا ایک دیار تھا منشی پریم چند

بشکریہ "قومی راج" بمبئی

سید یٰسین

ماڈرن بنجارہ

مچان پر بیٹھا لاکیہ آوازوں سے اور رسی گھما گھما کر آوازیں پیدا کرتے ہوئے چڑیوں اور دوسرے پرندوں کو اپنے تیار جوار یا جرے کے کھیت سے پرے ہٹا رہا تھا۔ پاس میں ہی اس کا اپنا لہلہاتا دھان کا کھیت اور کنواں تھا جو یہاں سے صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ چاروں طرف چھوٹی موٹی پہاڑیوں سے گھرا ہوا چار ایکڑ کا یہ قطعہ ایک دلکش وادی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ پیپل کے تنے سے لٹکنے والے رسیوں کے پالنے میں اٹھارہ چاندی کا ننھا لاڈلا اسکی گھنی چھاؤں میں پڑا سو رہا تھا۔ چاندی دھان کے کھیت میں گھر کی دوسری عورتوں اور مزدوروں کے ساتھ گھاس اور بیکار پودوں کو صاف کرتی ہوئی سریلی آواز میں دیہی نغمے گا رہی تھی جس سے ساری وادی گونج رہی تھی۔ کنویں کا پانی پمپ سٹ سے باہر آکر سورج کی کرنوں سے جگمگاتا ہوا بہہ بہہ کر دھان کے کھیت کی آبیاری کر رہا تھا۔ چاندی کے لبوں پر خوشی کے نغمے اسکی مصیبت کے دن ختم ہونے کی علامت تھے۔ چاندی اس بات پر بہت خوش تھی کہ اب وہ ادھار مانگنے کے لئے اور اپنے پڑوسیوں کے پاس نہیں جاتی ہے اور خود ضرورتمندوں کی مدد کرتی ہے۔

ان سریلی آوازوں کو سن کر لاکیہ کی نظر دھان کے کھیت اور کنویں کی طرف اٹھ جاتی ہے۔ چاندی کی خوشی کا اندازہ کرتے ہوئے لاکیہ ماضی کی یادوں میں گم ہو جاتا ہے۔

ایک اتفاق ہی تھا کہ ایک اور شام لاکیہ اپنے دوست رامو سے ملنے گیا تھا۔ جہاں گاؤں کے تیس، چالیس نوجوان بیٹھے آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ تعلیم بالغان کا مرکز اس گاؤں میں شروع کریں۔ گاؤں کے پاٹھ شالہ کے ایک ٹیچر نے مفت تعلیم دینے کا ان سب کو پیشکش کیا تھا۔ رامو کی زبردستی سے لاکیہ بھی اس مرکز میں شریک ہو کر چھ ماہ میں معمولی حساب کتاب اور لکھ پڑھنے کے قابل ہو گیا۔ اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں سے ٹیچر کے دل میں لاکیہ کے لئے خاص جگہ تھی اور لاکیہ اس مرکز میں اچھی طرح تعلیم حاصل کرنیوالا نوجوان بن کر ابھرا۔ بے زمین ہونے کے ناطے "فاضل اراضی کی تقسیم" پروگرام کے تحت اسکو چار ایکڑ اراضی بھی سرکار کی طرف سے دی گئی۔ زمین کو زراعتی زمین میں تبدیل کرنے اور ترقی دینے کے لئے لاکیہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ اتھارٹیز کی طرف سے چلائے جانے والے ٹریننگ پروگرام میں شامل ہو کر ۳ ماہ کی ٹریننگ حاصل کی۔

ٹریننگ مکمل کر کے لاکیہ جب اپنے دیہات کو پہنچا تو وہ اپنی

زراعت کو پرانے طریقہ پر نہیں بلکہ نئے اور سائنسی طریقوں پر کرنا چاہتا تھا لیکن سرمایہ اسکے لیے ایک مسئلہ اور دردِ سر بنا ہوا تھا۔ لاکیہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ سرمایہ کے لئے ساہوکاروں کا دروازہ کھٹکھٹانا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ لاکیہ اپنے دوسرے کسان بھائیوں کی حالت زار بھی دیکھ رہا تھا۔ یہ بیچارے اپنے خون پسینے کی کمائی سے ساہوکاروں کے گودام بھرتے اور خالی ہاتھ ننگے پیٹ اپنے گھروں کو چلے جاتے، پھر اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے ان خون چوسنے والوں کا دروازہ ہی کھٹکھٹاتے تھے۔ اس سوچ و بچار میں لاکیہ کے دن کٹ رہے تھے۔ اس کو کوئی ہمنوا نہیں مل رہا تھا۔ وہ راستے کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ لیکن پھر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مایوس نہ تھا۔ پست ہمت نہیں ہوا تھا مسلسل راستے کی تلاش میں کھویا ہوا تھا۔

رات تقریباً آٹھ بجے کا وقت تھا۔ لاکیہ دن بھر اپنی زمین کا کام کر کے گاؤں میں داخل ہوا تھا۔ مائک پر گرجدار آواز میں کچھ اعلان ہوا تھا گرام پنچایت کے پاس سارا گاؤں اُمنڈ پڑا تھا۔ بچے بھانت بھانت کی آوازیں نکال رہے تھے۔ بابو جی کو پھر بتلاؤ۔ ہیلی کاپٹر دوبارہ بتلاؤ۔ ٹریکٹر سے ہل جوتنا پھر بتلاؤ وغیرہ وغیرہ۔ لاکیہ رک کر مائک کی آواز سن رہا تھا جو کہہ رہا تھا کہ پچھڑے ہوئے اور پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے سرکار کی وضع کردہ پالیسیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایئے، اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے مدرسہ میں شریک کروایئے۔ ہریجنوں، گریجنوں کے لئے دیئے گئے تیقنات اور تحفظات سے فائدہ اٹھایئے۔ بے زمینوں کو دی گئی فاضل اراضی کو زرعی اغراض کے لئے ترقی دیجئے۔ دیہی بینکوں اور چھوٹے کسان ترقیاتی ایجنسی کی طرف سے دیئے گئے کم شرح سود پر قرض حاصل کیجئے اسکا صحیح استعمال کیجئے اور ایک تہائی معافی قرض کا فائدہ اٹھایئے۔ زرعی ترقی کے لئے مفت رائے اور مشورے کے لئے اپنے قریبی دیہی ترقیاتی کارکن اور منڈل توسیعی آفیسر سے ملئے۔ اس سنیما کے ذریعہ ملک کی مختلف ترقی کی منزلوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے مستقبل کی تعمیر کیجئے" اس کے بعد پھر ترقیاتی پروگراموں پر سنیما جاری ہو گیا۔

سنیما ختم ہونے کے بعد لاکیہ آہستہ آہستہ گرام پنچایت میں جا کر سنیما کے انچارج پبلک ریلیشنس آفیسر سے مل کر اپنی مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے دوسرے روز لاکیہ اس آفیسر کے ہمراہ قریبی قصبہ جا کر وہاں توسیعی آفیسر سے مل کر اپنے لئے قرض کی راہ ہموار کرتا ہے۔ مختلف مرحلوں پر زرعی اغراض کے لئے لاکیہ قرض حاصل کر کے اپنے کاروبار کو ترقی دے لیتا ہے۔

اپنی فصل اور زمین کی ترقی میں قدم قدم پر دیہی ترقیاتی کارکن اور توسیعی آفیسر کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے زرعی ترقی میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے عمدہ بیج کی تخم ریزی، کوراMنڈل اور یوریا کا استعمال۔ فصلوں کی بیماریوں کو کیڑے مار دواؤں کے ذریعہ روک تھام لاکیہ کا کھانا پینا۔ اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس طرح صرف دو سال کے قلیل عرصے میں لاکیہ کی حالت سدھر گئی۔ گاؤں کے دوسرے کسان بھی لاکیہ کی اس قدر تیز اور متحیر کُن ترقی سے ششدر رہ گئے۔ لاکیہ کو فکر اب اس بات کی ہو گئی کہ کس طرح اس کے کسان بھائیوں کو ساہوکاروں کے چنگل سے نکالیں۔

لاکیہ، انگریزی حکومت کے خاتمے اور آزادی کے بعد سے عوامی حکومت کی طرف سے شروع کیے گئے مختلف پروگراموں اور پنجسالہ منصوبوں کی افادیت کا دل ہی دل میں مشکور ہو کر تعریف کرنے لگا۔ اور پھر آزادی سے پہلے کے ایام بھی اسکی نظروں کے سامنے اچانک گھوم گئے جب لاکیہ ایک چور۔ ڈاکو اور جرائم پیشہ تھا۔ ان دنوں بنجاروں کو بات کرنے کی آزادی بھی نہیں تھی۔ مکھیہ ہر طرح سب پر حاوی تھے۔ جہاں گاؤں میں کچھ ہوا ان بیچاروں پر اجتماعی جرمانے اور اجتماعی سزائیں دی جاتی تھیں۔ کسی کو بھی حقیقت ڈھونڈنے کی فکر نہیں تھی۔ بنجارہ ہونا ہی جرائم پیشہ مانا گیا تھا۔ پھر لاکیہ کو وہ دن بھی یاد آ گیا جس دن وہ اپنے قبیلے کی ایک دوشیزہ چاندی سے بیاہ رچانے جا رہا تھا۔ لاکیہ دولہا دولہن کے ساتھ شادی کے منڈپ میں تھا کہ مکھیہ کے چند آدمی لاٹھیوں سے مسلح تھے آئے اور کچھ کہے سنے بغیر لاکیہ کو گھسیٹ کر مکھیہ کی حویلی کی طرف لے چلے۔ مکھیہ جو ہمیشہ گاؤں والوں کی خوشی کے موقعوں پر اسی طرح بھڑک اٹھتا تھا لکڑیوں کی چوری کا غلط الزام لگا کر لاکیہ کی خوب پٹائی کی اور آٹھ دن تک لاکیہ کو کمرے میں بند کر دیا۔ لاکیہ کا گھر شادی کے گھر کے بجائے ماتم کدہ بن گیا۔ اور شادی ملتوی کر دی گئی۔ لاکیہ کی بوڑھی

اور ہونے والی دلہن چاندی بھی بار بار مکھیہ کی عاجزی اور منت کی تب
اٹھ دن کے بعد مکھیہ نے لاکیہ کو رہا کر دیا ۔ گاؤں والے اچھی
سے واقف تھے کہ مکھیہ سارے گاؤں پر دھونس جمانے کے لئے
ں میں خلل ڈالا کرتا تھا ۔ آج اُن کا خاتمہ ہو چکا تھا ۔

اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے لاکیہ پھر چڑیوں کو اڑانے
میں مصروف ہوگیا ۔ آج وہ ڈاکو نہیں ایک ماڈرن بنجارہ تھا۔
جو اپنی تقدیر کا خود مالک تھا ۔ مکھیہ کا دیوالیہ نکل چکا تھا۔ گاؤں
پر گاؤں والوں کا راج تھا ۔ ●●

دیدہ ور
پروفیسر ہارون خاں شروانی کی یاد میں

اسحٰق ملک

وہ دیدہ ور جس کے فکر و فن نے
دکن کی تاریخ اور ثقافت کو حسن بخشا
بچھڑ گیا ہے تو سب غمیں ہیں
وہ سلسلہ تھا ہماری تہذیب آرزو کا
جنوں کی تقدیس مشکبو کا
وہ عہدِ وسطیٰ سے بہمنی دور کے قبائلوں کا راز داں تھا
قلی قطب کی روائیتوں کا مزاج داں تھا
وہ جامعہ کا معلم ادبیات تاریخ کا باب آخری تھا
نہیں ہے ہم میں مگر کتابیں کھلی ہوئی ہیں
ورق ورق اُسکو پھر سے پڑھ لیں
وہ دیدہ ور جس کے فکر و فن نے
دکن کی تاریخ اور ثقافت کو حسن بخشا

آکاش وانی حیدرآباد

شعبۂ اردو — ایک سال کا جائزہ

ملک کی خوشحالی اور ترقی ہی نہیں، قوم کی تعمیر بلکہ حالات کے خوشگوار ہونے، فضا کے سازگار یا ناسازگار بنانے میں اخبار، ریڈیو اور رسالے بہت بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔

سچ بات یہ ہے کہ مسٹر جے دیال بوبجہ کے حیدرآباد اسٹیشن پر چارج لینے سے قبل یہاں کے اردو پروگراموں کا معیار بہت بڑی حد تک گرتا جا رہا تھا۔ حیدرآباد آنے سے پہلے آپ ہندوستان کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ مسٹر بوبجہ آل انڈیا ریڈیو جے پور کے ایک بہترین ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہیں۔ اردو زبان کے ایک بہت اچھے ادیب ہیں، اسلئے انہیں حیدرآباد بھیجا گیا۔ مسٹر بوبجہ ایک اچھے ڈرامہ نگار بھی ہیں اس لئے آپ نے سب سے پہلے آکاش وانی حیدرآباد سے نشر ہونے والے ڈراموں کی طرف توجہ کی اور مقامی لکھنے والوں کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ ملک کے مختلف اسٹیشنوں کو خطوط لکھے کہ وہ اپنے پاس کے عمدہ ڈرامے روانہ کریں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دلی سے شری رفعت جمالی کا ڈرامہ چٹان، سعادت حسن منٹو مرحوم کا ڈرامہ "جیب کترا" اشفاق مشہدی کا پتھروں کا شہر، پران کشور پروڈیوسر سری نگر کا "سلطان" ۔ ریوتی سرن شرما کا تارہ ٹوٹ گیا، جے پور کا روپ متی باز بہادر، شیشہ بھی وہی پتھر بھی وہی جیسے شاہکار ڈرامے حیدرآباد سے نشر ہوئے پہلے دو ڈرامے تو چالیس سال پرانے منٹو مرحوم کے زمانے کے ہیں۔ جن کی ریکارڈنگ کے علاوہ اسکرپٹ بھی نایاب ہیں۔

میوزیکل فیچرس اور اوپرا، کیونکہ صوتی اداکاروں کے ساتھ موسیقاروں اور سازندوں کے بھی مسلسل اور متواتر ریہرسل منعقد کرنے ہوتے ہیں اس لئے کئی برسوں سے کوئی میوزیکل فیچر نشر نہیں ہو سکا تھا، اس سال شاہد حیدری کا میوزیکل فیچر " چہرہ اسے کی آواز" برسات پر شاذ تمکنت کا غنائیہ کالی گھٹائیں پندرہ اگست پر امیر احمد خسرو کا اوپرا "قافلۂ رنگ و بو" نہایت دھوم دھام سے نشر کئے گئے۔ قافلۂ رنگ و بو کو فائن آرٹس اکیڈیمی کے فن کاروں نے بڑی محنت

سے پیش کیا۔

مزاحیہ پروگرام صرف اتوار کو ۲ بجکر بیس منٹ پر دس منٹ کیلئے "پھلجھڑیاں" عنوان سے نشر ہوتے تھے، مگر اس سال نکری، مزاحیہ خاکوں کے علاوہ مختصر ڈراموں کا ایک طویل سلسلہ "چچا کی قلابازیاں" کے تحت حیدرآباد سے نشر کیا گیا جو اس قدر مقبول ہوا کہ دلی، لکھنو، پٹنہ، سری نگر، جموں، کلکتہ رتناگری ہر جگہ منگوایا گیا اور دودرشن بھارتی کے ہوا محل پروگرام میں بار بار نشر کیا گیا، اور اب تک ان مختصر مزاحیہ ڈراموں کی فرمائشیں آرہی ہیں۔

مزاحیہ تقریروں میں جناب بھارت چند کھنہ، حاجی بشیر احمد رشید قریشی، ظہیر پرویز، رشید الدین، پرویز یداللہ مہدی اور دوسرے اصحاب نے خوب رنگ جمایا۔

مزاح کا ایک انوکھا رنگ لئے، صرف مردوں کے لئے اور آؤ دل بیٹھیں پروگرام شروع کئے گئے، حالات حاضرہ کی بات آئی ہے تو ہفتہ بھر کی تہذیبی اور ادبی سرگرمیوں کا جائزہ " اس ہفتہ کی ڈائری" کے سلسلے میں جس خوبی سے لیا گیا ان میں جناب اختر حسن، جناب احسن علی مرزا، جناب حسن جتی جناب ملک محمد علی خاں، جناب جلیل امرت، جناب اوج یعقوبی، منظور احمد صاحب جناب جبار صدیقی اور جناب جہاندار افسر کے نام بھلائے نہیں جا سکتے۔

ہر پیر کو "ہم آپ اور وہ" پروگراموں میں " پھول والوں" قصابوں ٹائر ٹیوب جوڑنے والوں، رمضان کے فقیروں، سیکل اور موٹر میکانکوں ریلوے گارڈ، انجن ڈرائیورز، اور ریزرویشن" کرنے والوں سے انٹرویوز بہت دلچسپ رہے، ڈاکٹروں میں، ڈاکٹر ایس اے منان، سی ایس ریڈی، سدرشن ریڈی، ڈاکٹر آفتاب حسین، زہرہ تقی، حیدر خاں، مجید خاں، رمایرتاپ، جسونت پرتاب ماتھر، ڈاکٹر فخرالدین، شانتی نارائن ماتھر، نعیم قریشی اور خالد صدیقی سے لئے گئے انٹرویوز اس قدر معلوماتی تھے کہ ہزاروں اشخاص نے ذاتی طور پر خط لکھے اور ان اصحاب کے پتے طلب کئے۔

ورکرس اور مزدوروں کو کبھی پروگراموں میں موقع نہ مل سکا تھا، اجرت، رخصت، بونس اور دوسرے مسائل کے سلسلے میں صنعتی مزدوروں کے پروگرام میں فیکٹریوں کی جانب سے اور علاوہ ہر شکل کو افادیت سے بھرپور فیچرز، تقریریں اور انٹرویوز نشر کئے گئے۔ بی ایچ ای ایل، پراگاٹولس، آر آر ایب، ای سی آئی ایل، ایچ ایم ٹی اور ڈی آر ڈی ایل کے کارکنوں نے ان پروگراموں میں حصہ لیا۔

"اپنی نگری اپنے لوگ" پروگراموں میں نہ صرف ادبی ٹرسٹ شنکر جی کے مشاعروں، شعرائے کی جانب سے منعقدہ اور ہفتہ وار گورنج اور برقی بورڈ کے مشاعروں نے بے حد داد حاصل کی بلکہ سامعین کی فرمائش پر ان مشاعروں سے کیفی اعظمی، علی سردار جعفری، کرشن بہاری نور، مینا قاضی، یکتا شبنم اور خمار بارہ بنکوی، بیکل اتساہی کے کلام سے اقتباسات بار بار نشر کئے گئے۔

سائنس کی باتیں سلسلے میں سورج گہن، نیوکلیر انرجی، سولار انرجی آندھراپردیش کے خزانے تیل گیس اور کوئلہ پر معلوماتی پروگرام بے حد پسند کئے گئے۔ ان سے ملتے پروگرام میں دنیا کا پیدل اور سیکل پر سفر کرنے والے سیاحوں کے علاوہ، سارس لکھنوی، مبارک بیگم اور نینا دیوی کے انٹرویوز حیدرآباد ہی سے نہیں دودرشن بھارتی سے بھی بار بار نشر کئے گئے۔

حیدرآباد کے ان افسانہ نگاروں نے اس سال اپنی نگارشات سے نیرنگ میں چار چاند لگادئے، جیلانی بانو، عاتق شاہ، نہال سنگھ ورما، مختار مجازی، ساجد اعظم، عفت موہانی، ظہور الحسن، دشنودت بھارتی، ساتھ ہی ساتھ ان شعرائے کرام کا کلام حیدرآباد سے نشر ہونے کے علاوہ باہر اسٹیشنوں کو بھی بھیجا گیا۔ سعید شہیدی، ڈاکٹر مغنی تبسم، شاذ تمکنت، راشد آذر، کنول پرشاد کنول، علی احمد جلیلی، علامہ قدر عریضی، متین سروش، اے اے خسرو، ثریا مہر، خیرات ندیم، غیاث متین، وقار خلیل، صلاح الدین نیر، عزیز النساء صبا، اور بانو طاہرہ سعید۔

حیدرآباد ریڈیو سے پہلی بار شاہکار ناولوں کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں پہلے مرزا ہادی رسوا کا مشہور ناول 'امراؤ جان ادا' سنایا گیا، پھر پنڈت رتن ناتھ سرشار کی تصنیف فسانۂ آزاد پیش کی گئی، عفت موہانی کا ناول "لے نام بھی آہستہ" سنایا گیا اور آج کل اردو اور ہندی کے مستند ادیب منشی پریم چند جن کی صد سالہ تقاریب سارے ملک میں منائی جارہی ہیں ان کا شاہکار ناول "گئودان" پیش کیا جارہا ہے۔

وابستہ بھول سمجھی جائیگی اگر سب سے زیادہ مقبول پروگرام لطیفے ہی لطیفے کا ذکر نہ کیا جائے جس کے لئے لاکھوں سامعین ہفتہ کی رات بے چین رہتے ہیں۔ کسی زمانے میں فلمی گانوں کی فرمائشوں کے سلسلے میں جس قدر کثیر تعداد میں خطوں کی وصولی ہوتی تھی آج اس سے کہیں زیادہ خطوط "لطیفے ہی لطیفے" پروگرام کے لئے آتے ہیں، ان کا پڑھنا اور انتخاب ایک مشکل کام ضرور ہے لیکن سامعین کے نام اور پتوں کے ساتھ منتخب لطیفوں کا پیش کیا جانا ہی اس پروگرام کی مقبولیت کا راز ہے۔

تہوار اور تقریبات کے موقع پر نشر کی گئی ان احباب کی تقریریں رسالہ "آواز" اور دوسرے ریڈیو اسٹیشنوں کو بھیجی گئیں ڈاکٹر رام لواس شرما، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، بیرسٹر اکبر علی خان، مولانا ابو یوسف، مولانا قطب الدین حسینی وغیرہ

شاعر کا تخیل جب اشعار میں ڈھلتا ہے
یادوں کے جھروکے سے اک چاند نکلتا ہے

جس راہ پہ بچھڑے تم وہ راہ بھی، لیکن
ابتک مری آنکھوں میں اک دیپ سا جلتا ہے

یخ بستہ فضاؤں سے کجلاتا ہے ہر منظر
جسموں کی تمازت سے احساس پگھلتا ہے

امروز کی آنکھوں میں خوابوں کی تھکن کیسی
نیندوں میں ہماری کیا فردا ہی مچلتا ہے

اک بات نہ کہنے کی کہہ دی تھی اکیلے میں
لہجے کے اثرؔ سے کیوں مفہوم بدلتا ہے

○

محمد علی اثر

سعادت نظیر

○

مجبور ہوگئے ہیں جو ذوقِ طلب سے ہم
ٹھہرے ہوئے ہیں آپ کی منزل پہ کب سے ہم

رنگینیِ بہارِ چمن دیکھتے رہے
تھے آشنا جو منظرِ رخسار و لب سے ہم

گستاخیوں پہ شوق نے مجبور کر دیا
بچتے دگرنہ اُن کی نگاہِ غضب سے ہم

تھے ہر قدم پہ راہِ محبت میں حادثے
منزل پہ پھر بھی آ ہی گئے بچ کے سب سے ہم

انکارِ حور و خلد کو کہنے لگے ہیں کفر
آئے ہیں تیری محفلِ رنگیں میں جب سے ہم

اُن کی تسلیاں بھی نہ ہوں گی سکوں نواز
واقف ہیں شیوۂ دلِ ایذا طلب سے ہم

کردے جو عام دردِ محبت کو، اے نظیرؔ
وہ کام لیں گے جذبۂ شعر و ادب سے ہم

○

منزل پہ جا پہنچتے کہیں پہلے سب سے ہم
اے کاش! کام لیتے جو حُسنِ طلب سے ہم

نکلے ہیں جب سے آپ کی بزمِ طرب سے ہم
تنگ آ گئے ہیں کشمکشِ روز و شب سے ہم

اندیشہ ہائے دورِ خزاں سے ملی نجات
وابستہ ہو گئے جو گلِ منتخب سے ہم

اے اہلِ گلستاں، ہمیں خود بھی خبر نہیں
مستِ شمیمِ زلفِ بہاراں ہیں کب سے ہم

کچھ اس میں التفات کے پہلو، ضرور ہیں
مسرور ہیں جو اُن کی نگاہِ غضب سے ہم

آنکھوں سے اشک بن کے ہماری نکل گیا
جو لفظ کہہ سکے نہ کبھی اپنے لب سے ہم

وہ دن بھی، کاش! آئیں کہ اپنے جگر کی چوٹ
سینکیں کسی کے "شعلۂ رخسار و لب" سے ہم

جو مفلسانِ شوق کو کر دے غنی نظیرؔ
لیں گے وہ کام دولتِ شعر و ادب سے ہم

حمید آرموری

نایاب ہندوستانی پرندہ

شاید آپ کو علم ہوگا کہ موسم سرما کے آغاز میں دنیا کے مختلف حصوں سے طرح طرح کے پرندے بھارت آکر راجستھان کے نیم ریگستانی علاقہ جیسلمیر میں ہزاروں کی تعداد میں قیام کرتے ہیں۔ پھر موسم سرما کے ختم ہوتے ہوتے یہ پرندے اپنے اپنے سکونتی مقامات کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔ اس سالانہ عظیم اجتماع کو دیکھکر ایسا لگتا ہے جیسے یہ مقام "پرندوں کا کعبہ" بنا ہوا ہے۔ اِن موسمی پرندوں میں تغدار نسل کے پرندے تلور، ہوبارا، اور چھوٹا تلور بھی خاصی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ جو پرندے ہمارا دیس چھوڑ کر نہیں جاتے اور سال کے بارہ مہینے یہیں رہتے ہیں ان میں **تغدار** (جس کا ہندی نام سوہن چڑیا ہے)، چرس اور خرمور قابلِ ذکر ہیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ عام طور پر تلور، تغدار اور ہوبارا کو ایک ہی پرندہ خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ الگ الگ پرندے ہیں۔ البتہ ان کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔

تغدار نسل کے پرندوں کا قبیلہ ایک مختصر چھوٹا سا قبیلہ ہے جو صرف دو خاندانوں پر مشتمل ہے۔ ایک تلور خاندان دوسرا چرس خاندان ——

تلور خاندان میں صرف چار پرندے آتے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:——

(۱) تغدار (GREAT INDIAN BUSTARD)
(۲) تلور یا ہوبارا (BUSTARD OR HOUBARA)
(۳) بڑا تلور (GREAT BUSTARD)
(۴) چھوٹا تلور (LITTLE BUSTARD)

چرس خاندان میں درج ذیل دو پرندے شامل ہیں :-

(۱) چرس (BAGAL FLORICAN)

(۲) چھوٹا چرس یا خرمور (LESSER FLORICAN)

تغدار

پرندے ہمارے ملک کے مختلف حصوں میں الگ الگ ناموں سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً پنجاب میں تغدار، کاٹھیاواڑ میں گورار، ہریانہ میں گورائن، مہاراشٹرا میں ہُم راجستھان میں تلور اور گھر اون اور اترپردیش میں ہُقنا کے نام سے مشہور ہیں۔ البتہ انگریزی میں اس کا ایک ہی نام ہے وہ ہے گریٹ انڈین بسٹرڈ۔

گریٹ انڈین بسٹرڈ یا تغدار

ایک میدانی پرندہ ہے۔ جو اپنے رہنے کے لئے ایسے کھلے ہوئے خشک میدانوں کا انتخاب کرتا ہے جن پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اور اونچی گھاس اگتی ہے۔

تغدار دیکھنے میں شتر مرغ جیسا لگتا ہے۔ البتہ جسامت میں گدھ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس پرندے کی گردن اور ٹانگیں قاز سے لمبی ہوتی ہیں۔ اس کے اگلے انگوٹھے تو ہوتے ہیں مگر پچھلے انگوٹھے نہیں ہوتے۔ انگوٹھے کافی لمبے ہوتے ہیں۔ اسکی ٹانگوں کا رنگ پیلا پیلا ہوتا ہے۔

زیادہ تر تغدار چتکبرے بھورے ہوتے ہیں۔ کچھ نروں کا اگلا حصہ کالا اور بھٹ کیلا ہوتا ہے۔ تغدار کا وزن کوئی پندرہ بیس کیلوگرام ہوتا ہے۔ البتہ چھوٹے تغدار کا وزن پونڈ ڈیڑھ پونڈ سے زیادہ نہیں ہوتا۔

تغدار کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پرندہ پرندوں میں پائے جانے والے مخصوص غدود (PREENING GLANDS) سے محروم ہوتا ہے۔

اب تک تغدار کی کوئی (۲۲) اقسام کا پتہ چلا ہے۔ جو دنیا کے مختلف حصوں میں دیکھی گئی ہیں۔ رنگ روپ، جسامت اور وزن میں تھوڑے بہت اختلاف کے باوجود تمام تغدار ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ یورپ میں پائے جانے والے تغدار کا وزن کوئی ۳۰ پونڈ اور قد تین فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کا شمار دنیا میں پائے جانے والے سب سے زیادہ وزنی پرواز کرنے والے پرندوں میں ہوتا ہے۔

یورپی تغدار سے اونچا کوری تغدار (KORI BUSTARD) ہوتا ہے۔ جو جنوبی اور مشرقی افریقہ میں پایا جاتا ہے۔

تغدار

تلور خاندان کا سب سے بڑا پرندہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ پرندہ بھارت کے مختلف حصوں میں پایا جاتا تھا۔ یہ کبھی پنجاب کے میدانوں، بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات اور وندھیاچل کی پہاڑیوں کے درمیان واقع میدانوں میں نظر آتا تھا۔ تلنگانہ کے ضلع محبوب نگر اور آندھرا کے ضلع اننت پور میں بھی اس پرندے کو دیکھا گیا۔ لیکن آج ساری دنیا میں اسے صرف بھارت کی سرحدی ریاست راجستھان کے ریگستانی علاقہ جیسلمیر میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اور حکومتِ راجستھان کے مطابق ان پرندوں کی تعداد صرف چند ہزار باقی رہ گئی ہے۔

سچ پوچھیئے تو آج اس پرندے کا وہی حال ہے جو کل تک شیر کا تھا مطلب یہ ہے کہ اس پرندے کی نسل بھی دن بہ دن گھٹتی جا رہی ہے۔ خوش قسمتی سے شیر کو قومی جانور کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ اس طرح اس کی نسل کی افزائش اور تحفظ کا انتظام ہوگیا —— حالانکہ قومی پرندے کے اعزاز کو حاصل کرنے والے پرندوں کی دوڑ میں تغدار بھی شامل تھا۔ اور اسے قومی پرندہ کا اعزاز دیئے جانے کی تجویز بھی حکومت کے زیر غور تھی لیکن بدقسمتی سے ماہرین طیور نے مور کی خوبصورتی و نزاکت سے متاثر ہوکر قومی پرندہ کا تاج مور کے سر پر رکھدیا۔ اس طرح مور کو تغدار پر ترجیح حاصل ہوگئی۔

قومی پرندے کے اعزاز سے محروم ہونے کے باوجود تغدار کو بھارت کا خاص پرندہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بھارت کے تغدار کو دنیا کے دوسرے تمام تغداروں میں منفرد مقام حاصل ہے۔ اور اسے تغدار پرندوں کا سردار تسلیم کیا جاتا ہے۔

تغدار (INDIAN GREAT BUSTARD) کو گذشتہ سال جنوری کے مہینے میں کافی پبلسٹی ملی۔ اور کئی مہینوں تک یہ پرندہ ہمارے قومی اخبارات کا موضوع بحث بنا رہا۔ حتیٰ کہ ہماری پارلیمنٹ

بھی اس کا نام سنا گیا۔ اس غیر معمولی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ جنوری ۱۹۷۹ء کے اوائل میں سعودی عرب کے حکمراں شاہ خالد کے بھائی شہزادہ بدر کی اس خوبصورت نایاب پرندے تغدار کے شکار کی غرض سے ہندپاک سرحد عبور کرکے جیسلمیر میں آمد تھی۔ چنانچہ مرکزی سرکار کی طرف سے شہزادہ بدر کو اس پرندے کے شکار کی اجازت دیئے جانے کا مسئلہ ایک نزاعی صورت اختیار کر گیا چنانچہ ہماری قومی صحافت نے اس واقعہ کو بسٹرڈ ڈپلومیسی (BUSTARD DIPLOMACY) کا نام دے کر حکومت کو ہدفِ ملامت بنایا۔ یہ پہلا واقعہ نہیں تھا اس سے قبل ۱۹۶۹ء میں بھی ابوظہبی کے ایک شیخ چین میں سدھائے ہوئے اپنے چالیس شاہین شکاری پرندوں کو لیکر تغدار کا شکار کرنے کی غرض سے راجستھان میں وارد ہوئے تھے۔ اس وقت بھی ملک کے مختلف گوشوں سے صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ اور اس معاملے کو بسٹرڈ آفیر (BUSTARD AFFAIR) کے نام سے آج تک یاد کیا جاتا ہے اس وقت بھی حکومت پر شدید تنقیدیں کی گئیں۔ ان نقادوں کا خیال تھا کہ سرکار پٹرول کی خاطر بھارت کے اس نایاب پرندے کو قربان کر رہی ہے۔ پرندوں کے ماہرین نے بھی ان معصوم پرندوں کے بے رحمانہ قتل پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے اور پیش قیاسی کی کہ اگر مستقبل میں بھی یہ سلسلہ جاری رہے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ بھارت کی سرزمین سے اس پرندہ کا وجود ہی مٹ جائے گا۔ کیونکہ ان پرندوں کی بہت کم تعداد باقی بچ گئی ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں ہم آسانی سے دیکھ نہیں پاتے اور ان کی تلاش میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عام طور پر تغدار کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے۔ اس کے سر کا اوپری حصہ کالا اور گردن سفید اور بالائی حصہ گہرے بھورے رنگ کا ہوتا ہے۔ جس پر مہین سیاہ لکیریں پڑی رہتی ہیں۔ بغل کا حصہ سلیٹی اور نیچے کا حصہ سفید رہتا ہے۔ سینہ پر ایک سیاہ پٹی پڑی رہتی ہے اس کا سینہ اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔

تغدار جب کھڑا ہوتا ہے تو اس کا قد کوئی تین فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اس کے دونوں بازوؤں کا پھیلاؤ آٹھ ساڑھے آٹھ فٹ کے قریب ہوتا ہے۔ اس بھاری بھرکم پرندے کا وزن کوئی پندرہ بیس کیلو ہوتا ہے البتہ چھوٹے تغدار کا وزن پونڈ ... پونڈ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ تغدار بھارت چھوڑ کر باہر نہیں جاتا۔ اس کا گوشت بھی لذیذ ہوتا ہے۔

نر اور مادہ تغدار تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں البتہ مادہ قدو قامت میں نر سے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ مور کی طرح نر تغدار کی ایک سے زائد مادائیں ہوتی ہیں۔ نر تغدار بھی مور کی طرح رقص کرکے ماداؤں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ بھارت کے قومی پرندہ کے چناؤ کی دوڑ میں مور کے ساتھ تغدار بھی شامل تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے قومی پرندہ کا تاج مور کے سر پر رکھ دیا گیا۔ اس اعزاز سے محروم ہونے کے باوجود تغدار کی بھارت میں بڑی قدر ہے۔ اور دوسرے پرندوں میں اسے ایک منفرد و ممتاز مقام حاصل ہے۔ بھارت کا تغدار تو دنیا بھر میں پائے جانے والے تغدار پرندوں کا سردار مانا جاتا ہے۔

تغدار اپنا گھونسلہ زمین پر بناتا ہے جو ایک اتھلے گڑھے کی شکل میں ہوتا ہے البتہ خطرہ کے وقت تغدار جھاڑیوں میں روپوش ہو جاتا ہے۔ مادہ تغدار ان میں اتھلے گڑھوں میں سال میں صرف ایک انڈا دیتی ہے۔ اتھلے گڑھوں میں ہونے سے یہ انڈا مویشیوں کے پیروں تلے آکر کچلے جاتے ہیں اور اکثر ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس پرندے کی نسل میں خاص کمی آگئی ہے۔ مٹیالے رنگ کا یہ انڈا مرغی کے انڈے سے بڑا ہوتا ہے۔ انڈے سے بچہ جیسے ہی باہر آتا ہے تیتر اور مرغی کے چوزے کی طرح اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگتا ہے۔

تغدار کی اہم خوراک گھاس پھوس، کونپلیں، کیڑے مکوڑے، ٹڈے، غلہ اناج اور تخم ہیں۔ پھل، جڑی بوٹیاں بھی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے گرگٹ، چھپکلیاں، کنکھجورے اور چھوٹے چھوٹے سانپوں کو بھی چٹ کر جاتا ہے۔ کسان اس پرندے سے اسلئے خوش ہیں کہ وہ فصلوں کو تباہ و تاراج کرنے والے کیڑوں خصوصاً ٹڈیوں کا

صفایا کر کے فصلوں کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے۔

تغدار بھاری بھرکم پرندہ ہے۔ اس کے اڑنے کا طریقہ بھی خاصا دلچسپ ہوتا ہے۔ یہ طیارے کی طرح دس پندرہ قدم کے فاصلے تک تیز دوڑتا ہے پھر پنکھ کھولکر فضا میں اڑان بھرتا ہے۔ ایک اڑان میں زیادہ سے زیادہ دو تین کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرسکتا ہے۔

تغدار کبھی نچلا نہیں بیٹھتا۔ جھاڑیوں میں ادھر ادھر پھدکتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ دشمن کی نظر میں پڑجاتا ہے۔ تغدار کے دشمنوں کی فہرست میں حضرت انسان ہی کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہ حضرت شکار کے شوق میں اس معصوم پرندے کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے ہیں۔ اور اسکی نسل کو مٹانے کے درپے ہیں۔

تغدار کے گوشت کے بارے میں کہاجاتا ہے کہ وہ انتہائی گرم ہوتا ہے۔ کھانے کے لائق نہیں ہوتا۔ لیکن جن لوگوں نے اس پرندے کے گوشت کا مزہ چکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ گوشت سخت اور مزے میں ریتلا (SANDY) ہوتا ہے۔ پرندوں کے ایک ماہر اسٹورٹ بیکر کے مطابق تغدار کا گوشت بابر کو بہت پسند تھا۔ ۱۹۶۲ء میں جب کوئن الیزبتھ جے پور تشریف لائی تھیں تو ان کی آمد کے موقع پر جو شاندار ضیافت کیگئی تھی اس میں دیگر پرندوں کے گوشت کے ساتھ تغدار کا گوشت بھی شاہی دسترخوان کی زینت تھا۔

تغدار پرندہ متضاد فطرت کا مالک ہے۔ وہ انسان سے بہت گھبراتا اور ڈرتا ہے۔ برخلاف اس کے بیل گاڑیوں اونٹوں اور جیپ کاروں کا مطلق نوٹس نہیں لیتا۔ چنانچہ شکاری اس کی اس فطری کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اونٹوں اور جیپ کاروں اور بیل گاڑیوں میں سوار ہوکر اس کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس طرح آسانی سے اس چوکس و چوکنا پرندے کا شکار کرلیتے ہیں۔

تغدار قدرتی ماحول میں کوئی ۲۰ تا ۲۵ سال تک زندہ رہتا ہے۔ البتہ حالت قید میں وہ اپنی عمر طبعی کو نہیں پہنچ پاتا۔ بہت جلد مرجاتا ہے۔ میسور کے چڑیا ایک جوڑا رکھا گیا تھا لیکن تین ماہ بعد یہ جوڑا اللہ کو پیارا ہوگیا۔ آج بھارت کے کسی بھی چڑیا گھر میں تغدار پرندہ نظر نہیں آتا ہے۔ ●●

بچوں کیلئے نظم

حضور سمسوانی

دولت وہ ہو کہ جس کو نہ زنہار ہو زوال
کرنے پہ صرف اور ہو حاصل جسے کمال

دولت وہ علم کی ہے جسے کچھ نہیں زوال
ہوتا ہے صرف کرنے سے حاصل جسے کمال

دولت یہ وہ ہے جس کو چرا سکتا ہے نہ چور
تعریف اس کی یہ ہے اک اعلیٰ و بے مثال

دولت ملی یہ جس کو ملا اس کو جام جم
کیا ہو رہا ہے دہر میں دیکھے وہ باکمال

دولت یہ وہ ہے جس کی یہ ہے قدرومنزلت
مرکر بھی نام رہتا ہے روشن ہزار سال

افسر جہاں

تیسری آنکھ

بچے کی موت کے ساتھ ہی ساری کہانی ختم ہوگئی ہے، اس کا باپ جمال منوں مٹی کے بوجھ کے نیچے اسے دبا آیا ہے۔ لیکن اس کے چہرے پر دکھ یا ملال کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے۔

اس کی ماں میمونہ اپنی سونی گود دیکھ کر اس طرح چپ چاپ بیٹھی ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے چہرے پر کچھ اس انداز کی بے نیازی جھلک رہی ہے جو اطمینان یا خود اطمینانی کے جذبے سے بہت نزدیک ہے یوں لگتا ہے جیسے جمال کے چھوٹے سے گھر کو تین ماہ قبل آئے اس بھیانک عذاب سے سدا سدا کے لئے نجات مل گئی ہے۔ جس نے گھر بھر کی زندگی کو ایک اذیت ناک کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا۔

اب رات رات بھر اٹھنے والی میمونہ کی دبی دبی سسکیوں کی آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی ہے جمال کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے اداسی اور خوف کے آنسو خشک ہوگئے ہیں۔ گھر کے پورے ماحول پر ایک ایسا سکون طاری ہے جو طوفان کے بعد کی شانتی کا پتہ دے رہا ہے۔

اب رات کے گھپ اندھیرے میں میمونہ کی دکھ بھری آواز سنائی نہیں دے گی۔

"اے خدا اسے واپس بلا لے۔ اسے واپس بلا لے اے خدا۔ !"

سات آسمانوں کے اوپر کہیں چھپے قادر مطلق نے ان کی پکار سن لی ہے، اور بددعاؤں کے بیچ سانس لیتا ہوا میمونہ کا بچہ پنکھ لگا کر موت کی ان دیکھی گھاٹیوں کی طرف اتر گیا ہے۔

کم ہی لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی رات میں جب چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے موند کر بستروں میں دبک گئے تھے، گذشتہ رات اسکی ماں میمونہ نے برف سے بھیگے آنگن میں اسے جان بوجھ کر تنہا چھوڑ دیا تھا۔

تین ماہ کا پھول جیسا ننھا بچہ اور دسمبر کی کڑاکے کی سردی! نمونیہ کا حملہ ہوا۔ معصوم بچہ پسلی کے درد سے تین دن تین رات مسلسل تڑپتا رہا۔ لیکن جمال کے گھر نہ کوئی وید ڈاکٹر ہی آیا اور نہ کسی کو بچے کے لئے دوا دارو ہی لاتے دیکھا گیا۔

گھر کے سنسان ماحول میں بیمار بچے کی تھکی تھکی، ٹوٹی ٹوٹی بے بس چیخیں وقت ناوقت سنائی دیتی رہیں۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا جب یہ محسوس ہونے لگا،

جیسے طوفان تھم گیا ہو، اور ماحول پوری طرح پرسکون ہو گیا ہو۔

میں اس وقت میمونہ کے پاس موجود تھی، جب اس کے بچے نے تڑپ تڑپ کر دم توڑا تھا۔

بچہ درد سے کراہ رہا تھا، میمونہ اس کے پاس نہیں آئی، باہر دالان میں سر پہ ہاتھ رکھے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

انتظار کے پل، ایک ایک کر کے بیتتے گئے۔

اور پھر میں نے دیکھا، دھیرے دھیرے معصوم بچے کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی، جس وقت زندگی کی آخری چنگاری راکھ میں تبدیل ہوئی، میں نے اس کے چھوٹے سے بے جان جسم پر چادر کا ٹکڑا ڈال دیا۔

تین مہینے سے جس پل کا انتظار تھا، وہ آیا اور گذر گیا۔

دکھ بھرے لہجہ میں، میں نے اسکی ماں کو آواز دی۔

"لو میمونہ! مالک نے تمہاری فریاد سن لی۔ جس طرح یہ کھوٹا سکہ اس نے تمہاری جھولی میں ڈالا تھا اسی طرح تم سے اس نے واپس بھی لے لیا۔ اب تم خوش ہو؟"

میمونہ کچھ بولی نہیں۔ میں نے دیکھا اس کی آنکھیں نم تھیں، لیکن ان میں آنسو نہیں تھے۔ وہ پتھر کی طرح خاموش اور پُرسکون تھی۔

اس کا خاوند جمال آرام سے اپنے بستر پر لیٹا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ گویا گھر میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے ہاؤ بھاؤ سے یہ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ بچے کی موت کا اس پر کیا ردعمل ہوا ہے، وہ ملول ہے یا مطمئن۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس پورے واقعہ سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتا ہو۔

میں نے خدا جانے کس جذبے کے تحت ایکبار پھر میمونہ سے کہا۔

"چاہو تو اپنے دل کے ٹکڑے کے آخری دیدار کر لو۔"

لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔ ہاں چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھی اور بچے کی لاش کے سرہانے آکر اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور قرآن کی کچھ آیتیں تلاوت کرنے لگی۔ آخر میں اس نے صرف اتنا کہا۔

"اے مالکوں کے مالک .... !"

اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ جب وہ لوٹ کر آئی تو اس کے ہاتھ میں انگیٹھی تھی، جس میں لال لال کوئلے دہک رہے تھے۔

دیکھ کر ایک چوٹ سی دل پر لگی۔ پچھلے تین دن تک یہ کمرہ ٹھنڈا اور سیلن سے بھرا رہا تھا۔ اب سے پہلے کیا کسی کو سردی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کیا وہ اب بچے کے مردہ جسم کو گرم کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے پہلے کسی کو ایسی دانستہ موت سے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک سنسنی سی میرے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ مجھے محسوس ہوا، جیسے کمرے کے اندر ٹھنڈ اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور خون میری رگوں کے اندر جمتا جا رہا ہے۔

اب سوچتی ہوں تو لگتا ہے، جیسے یہ بھی میرا ایک وہم ہی تھا ورنہ میری حالت بھی میمونہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

کسی بھی آنکھ میں آنسو چھوڑے بغیر ایک زندگی ختم ہو گئی تھی۔ کھلنے سے پہلے ایک پھول مرجھا گیا تھا۔

تعجب اس بات پر تھا کہ اب تک یہ بچہ زندہ کیسے رہا۔ پورے تین مہینے تک!

میمونہ اسے دودھ نہیں پلاتی تھی، گود نہیں لیتی تھی، اسے پیار نہیں کرتی تھی، ہاں اسکی بوڑھی ساس خدا کے خوف سے جوں توں کر کے اس کا پیٹ بھر دیتی تھی اور باہیں پھیلا پھیلا کر خدا سے دعا مانگتی تھی۔

"اے خدا رحم کر، ہمیں اس عذاب سے چھٹکارا دے۔

جب تک بچہ زندہ رہا، ساس، بہو اور بیٹے کے درمیان سناٹے کی ایک دیوار کھینچی رہی۔ گھر میں کوئی کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ جیسے سب ایک دوسرے کو مجرم گردان رہے ہوں۔ ایک دوسرے کو پاپی تصور کر رہے ہوں۔

بچے کی پیدائش کے بہت دن بعد تک جمال کے گھر میں آنے جانے والوں کی بھیڑ لگی رہی، لیکن اب جمال نے اپنے گھر کے دروازے موند لئے تھے، اور کسی کو بچے کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔

جو بھی آتا، اسے باہر ہی سے رخصت کر دیا جاتا تھا۔

بس ایک میں تھی جو میمونہ کے پاس آ سکتی تھی۔ اس کا دکھ درد سن سکتی

تھی۔ اس کا دل بہلا سکتی تھی، لیکن بچے کے سلسلہ میں وہ کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ جیسے وہ اس کے ذکر سے ڈرتی ہو۔

میمونہ میرے بچپن کی سہیلی ہے، ہم ساتھ ساتھ کھیلے، ساتھ ساتھ پڑھے، ساتھ ساتھ جوان ہوئے ہیں۔ بچپن سے اسے جانتی ہوں۔ وہ شروع ہی سے ایک غیر معمولی لڑکی رہی ہے، بالکل ابنارمل ——— دوسری لڑکیوں سے بالکل الگ اور مختلف۔ سب سے الگ سب سے مختلف نظر آنا ہمیشہ اس کی زندگی کا مقصد رہا۔ یہی اسکی سب سے بڑی خصوصیت رہی ہے۔

برف باری کے موسم میں جب ساری لڑکیاں موٹی موٹی شالیں لپیٹے رہتیں، وہ تنہا ہوتی جسے ہلکی سوتی ساڑی میں دیکھا جا سکتا تھا۔ یا جون کی تپتی ہوئی دوپہر میں، جب پلاؤنز، پیٹی کوٹ بھی پہن نہ ہو رہا ہو، وہ گرم کپڑوں میں ہنستی، کھیلتی کہیں بھی دکھائی دے سکتی تھی۔

وہ خود کہا کرتی تھی ——— مجھے ایک جیسا بنے رہنا پسند نہیں، میں سبھی کی طرح ہوں، یہ سوچ کر میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ وہ کہتی، میں ایک ایسے مرد سے شادی کروں گی جو سب سے الگ، سب سے مختلف ہو، بچہ پیدا کروں گی تو ایسا جو عام بچوں سے بالکل الگ ہو، ایک دم غیر معمولی!

ہم لڑکیاں اسکو چھیڑتیں ——— "میمونے، اگر تمہارے خاوند کے سر پر سینگ ہوتے تو تمہیں کیسا لگے گا؟"

وہ بے پروائی سے جواب دیتی "بہت اچھا! بلکہ میں تو بنا سینگ والے ایک عام مرد کے مقابلے میں اسے زیادہ پسند کروں گی۔

میمونہ اپنے عمل سے اکثر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہتی کہ عام عورتوں کی طرح بنے رہنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے، اس لئے وہ اکثر ایسی حرکتیں کرتی جس سے سب کی توجہ اس کی طرف مرکوز رہتی۔

کالج کے زمانے میں، اس نے ایک ایسے لڑکے سے دوستی کر کے، جس سے عام طور پر سبھی لڑکیاں نفرت کرتی تھیں، سب کو حیرت میں ڈال دیا تھا، راجیش بدشکل اور بدہیت ہی نہیں تھا، عقل اور تعلیم کے معاملے میں بھی کورا تھا۔ ہم سب لڑکیاں اس کا مذاق اڑاتیں، لیکن وہ اس طرح خوش رہتی، جیسے اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔

وہ کہتی ـ "اگر اس کے پاس عقل کم ہے اسکی شکل اچھی نہیں تو اس میں اس کا کیا قصور ہے، کیا تم اس کمی کے لئے اس کے بنانے والے سے نفرت کرو گی؟"

ہم اس دلیل کے آگے چپ رہ جاتے۔

دھیرے دھیرے ہمیں احساس ہوا کہ یہ ڈراما بھی دراصل اس کی اسی فطرت کا ایک رخ تھا کہ وہ ہر معاملہ میں دوسروں سے مختلف اور نمایاں نظر آنا چاہتی ہے۔

سب لڑکیاں اس پر ہنستی رہیں لیکن وہ اس طرح گمبھیر بنی رہی جیسے اس کے علاوہ سب پاگل ہوں، سب بے وقوف ہوں۔

لیکن اس کی زندگی کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ جس شخص سے اسکی شادی ہوئی، وہ ایک بہت ہی عام آدمی تھا۔ معمولی شکل وصورت کا ایک عام آدمی!

شادی کے بہت دن بعد تک وہ اداس دکھائی دیتی رہی۔ لگتا تھا جیسے اس کے سارے سپنے ٹوٹ گئے ہوں اور ان ٹوٹے سپنوں کی کرچیاں اس کی روح کے اندر بہت دور تک بکھر گئی ہوں۔ ان کرچیوں کی چبھن سے وہ کتنی بے چین تھی، وہ خود ہی اس کا حال جانتی ہوگی۔

ان دنوں ایک بار اس نے بہت ہی اداس لہجے میں کہا تھا ـــ "عورت اور مرد! مجھے فطرت کی طرف سے کی گئی اس جسمانی تقسیم سے اکثر وحشت ہوتی ہے۔ ساخت کی اس تبدیلی نے اتنا ہم کو دیا نہیں ہے، جتنا ہم سے چھین لیا ہے"۔

"کتنا اچھا تھا ـــ" وہ دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی ـــ "اگر عورت اور مرد کے اعضاء بدستور ایک ہی جسم میں پوشیدہ ہوتے، جیسے آج بھی کچھ سمندری جانوروں میں ہوتے ہیں۔ تب کیا ہمیں اپنی جبلّی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اس طرح عام اور معمولی مردوں کا غلام بننے پر مجبور ہونا پڑتا۔ سوچو ایسے میں انسانی سماج کتنا سکھی، کتنا آزاد ہوتا۔

ہم لڑکیاں ہنسنے لگیں، وہ گھبرائی سی ہوگئی۔ بگڑ کر بولی ـــ "غلامی سچ مچ تمہارے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ تم نہیں جانتیں، اب بھی سمندر میں کچھ ایسے جانور پائے جاتے ہیں جن میں، نر و مادہ کی خصوصیتیں ایک ہی جسم میں

ہیں۔ ابھی فطرت نے ان کو جسمانی طور پر تقسیم نہیں کیا ہے۔ انہیں اپنی جسمانی ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسری جنس کی طرف کھینچنا نہیں پڑتا۔ سوچو ایسے جانور ہم لوگوں کے مقابلہ میں کتنے خوش، کتنے آزاد ہوں گے۔"

یہ سب سن کر ہمیں اسکی گھریلو زندگی، اسکا مستقبل خطرے میں دکھائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو۔

جن دنوں میمونہ ماں بننے والی تھی۔ میں تقریباً روز ہی اس سے ملنے جاتی تھی۔ مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے اسکی ذہنی حالت اور زیادہ گڑبڑا گئی ہو۔ جیسے اپنی ذات کو کنٹرول میں رکھ پانا اس کے لئے ممکن نہ رہا ہو۔

وہ اس بات سے خوف زدہ تھی کہ کہیں وہ ایک عام اور معمولی بچے کی ماں نہ بن جائے۔ وہ اس خیال کو برداشت ہی نہ کر پاتی تھی کہ ایک ہی جیسے بے شمار چہروں کی بھیڑ میں وہ ایک کا اور اضافہ کر دے۔ جوں جوں ولادت کا وقت نزدیک آ گیا، اسکی الجھنیں بڑھتی گئیں۔ اسکی بیتابی میں اضافہ ہوتا گیا۔

وہ اکثر آرزو بھرے لہجے میں کہتی "میرا بچہ یا تو اتنا سندر ہو کہ دیکھنے والے کہہ اٹھیں کہ یہ میمونہ کا بچہ ہے، یا پھر اتنا بدشکل کہ بھیانک لگے۔ درمیان کا کوئی راستہ مجھے قبول نہیں ہے۔"

اس رات جب میمونہ پہلن بچے کو جنم دے رہی تھی، اسے تشویشناک حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس وقت وہ تقریباً بے ہوش تھی۔

میں نہیں کہہ سکتی کہ اس رات اس نے جس بچے کو جنم دیا، وہ اسکی خواہش کے مطابق تھا یا نہیں، اتنا غیر معمولی تھا یا نہیں، جتنا وہ چاہتی تھی لیکن دیکھنے والے دم بخود تھے، میں بھی انگشت بدنداں تھی، کیونکہ اسکی آنکھوں کے اوپر، ٹھیک ماتھے کے بیچوں بیچ ایک تیسری آنکھ بھی تھی.....

ساری کہانی ختم ہو چکی ہے، بچہ منوں مٹی کے بوجھ تلے دبایا جا چکا ہے، کوئی آنکھ اسکو رونے والی نہیں ہے، لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو تیسری آنکھ والا یہ آدمی دنیا کا کتنا بڑا عجوبہ ہوتا۔

مجھے لگتا ہے، میمونہ ایک بہت ہی عام عورت تھی، بالکل معمولی! ماں ہو کر بھی وہ اپنے بچے کی تیسری آنکھ سہن نہ کر پائی ●●

اہل قلم حضرات کی خدمت میں

آندھرا پردیش کی معاشی، زرعی، صنعتی، تعلیمی اور سماجی ترقی پر اپنے موضوعاتی مضامین اور نظمیں ماہنامہ "آندھرا پردیش" اردو میں اشاعت کے لئے روانہ فرمائیے۔ ہم بخوشی شائع کریں گے۔ اپنی تخلیقات صاف و خوش خط کاغذ کے ایک رخ پر مناسب حاشیہ چھوڑتے ہوئے تحریر فرمائیں۔ ہمیشہ "غیر مطبوعہ" تخلیقات ہی روانہ کیجئے اور مضمون کے خاتمہ پر "غیر مطبوعہ" تحریر فرمائیے۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے۔

ایڈیٹر

اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

اردو مطبوعات کیلئے انعامات کا اعلان

اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جانب سے ریاست اور بیرون ریاست کے اردو کے مصنفین کی کتابوں پر انعامات کا اعلان کیا گیا ہے۔ اکیڈیمی کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۸ار اگست ۱۹۸۰ء میں جو صدر نشین عاملہ مولانا حافظ ابویوسف کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ ان انعامات کے بارے میں جس کے متفقہ فیصلوں کی توثیق کردی گئی۔ انعامات حاصل کرنے والے قلمکاروں کی فہرست درج ذیل ہے:

دو ہزار روپے کے سات انعامات

۱ غنچۂ لب بستہ (شاعری) اوج یعقوبی

۲ صدف تمام ریت ریت (شاعری) علی الدین نوید

۳ شاہ معظم (تنقید و تحقیق) ڈاکٹر حسینی شاہد

۴ مدراس میں اردو (تنقید و تحقیق) ڈاکٹر افضل الدین اقبال

۵ لہو آستین کا (ناول) محسن علی

٦ پنجرہ کا آدمی (ڈرامہ) قدیر زماں

۷ انڈین کاجو (انشائیہ) عاتق شاہ

ایک ایک ہزار روپے کے گیارہ انعامات

۱ موسم سنگ (شاعری) مضطر مجاز

۲ نئی رتوں کا سفر (شاعری) رؤف خلش

۳ ادبی مطالعہ (تنقید) ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

۴ مہاراجہ چندو لال شاداں (تحقیق) ڈاکٹر ثمینہ شوکت

۵ گونگے دریچے (افسانے) نعیم زبیری

٦ سیب کا درخت (") نجمہ نکہت

نمبر	کتاب	صنف	مصنف
	یوگ کا نظریۂ ٹائپ	(نفسیات)	ڈاکٹر اصغر خاتم
	سفر نامہ	(سفرنامہ)	فرید مرزا
	تجلیات رسالت	(سیرت)	علی افسر
	ڈالی ڈالی پھول	(بچوں کا ادب)	دنار خلیل
۱	دھر گھسیٹ	(طنز و مزاح)	سرپٹ حیدرآبادی

پانچ پانچ سو روپے کے چھبیس انعامات

نمبر	کتاب	صنف	مصنف
۱	اجنبی پرندے	(شاعری)	اسلم عمادی
۱	آئینۂ دل	"	رئیس اختر
۲	شکن در شکن	"	صلاح الدین نیّر
۴	نصاب دل	"	رشید عبدالسمیع جلیل
۵	نفس نفس	"	ناصر کرنولی
٦	الغاف	"	محسن جلگانوی
۷	انجمن در انجمن	"	صاحب حیدرآبادی
۸	مہاراجہ کشن پرشاد	(تنقید و تحقیق)	ڈاکٹر حبیب ضیاء
۹	مرزا علی لطف	(تحقیق)	ڈاکٹر اکبر علی بیگ
۱۰	ذکر سالک	"	میر سراج الدین علی خاں
۱۱	اردو ادب میں خاکہ نگاری	"	ڈاکٹر صابرہ سعید
۱۲	خوشۂ گندم	(افسانے)	بیگ احساس
۱۳	ہارا ہوا پرندہ	"	مظہر الزماں خاں
۱۴	لب گفتار	(ڈرامہ)	جمیل شیدائی
۱۵	نارنگی کی خوشبو	"	اظہر افسر
۱٦	سیاہ آنسو	"	شجاع احمد قاضی (مرحوم)
۱۷	سرِ مژگاں	(افسانے)	طیبہ خسرو
۱۸	ہندوستانی افسانے	"	عزیز احمد جیلی
۱۹	ظہور ترتیب	(سائنس)	ڈاکٹر سکندر حسین
۲۰	حیرت انگیز معلومات سائنس	"	عابد انصاری
۲۱	ٹرکش باتھ	(طب)	ڈاکٹر غوث الدین
۲۲	ہمارے بچے	(معلومات عامہ)	ڈاکٹر رضیہ اکبر
۲۳	پرندوں سے جانوروں تک	"	شاہد عظیم
۲۴	سات دوست	(بچوں کا ادب)	بانو طاہرہ سعید
۲۵	شوشے	(طنز و مزاح)	ارشد علی خاں
۲٦	چوں چوں کا مربہ	"	پاگل عادل آبادی

بیرون ریاست کے اہلِ قلم کی کتابیں

ایک ایک ہزار روپے کے پانچ انعامات

نمبر	کتاب	صنف	مصنف
۱	کرب خود کلامی	(شاعری)	اعجاز صدیقی مرحوم
۲	غزل اور غزل کی تعلیم	(تنقید)	اختر انصاری
۳	الف لام میم	(افسانے)	کلام حیدری
۴	سوانح عمری مولانا آزاد	(سوانح)	مشتاق احمد
۵	سپنے سلونے	(بچوں کا ادب)	ایس ایم آئی ساجد

پانچ پانچ سو روپے کے نو انعامات

نمبر	کتاب	صنف	مصنف
۱	یم بہ یم	(شاعری)	مظفر حنفی
۲	آثار خیر	(تنقید)	اختر قادری
۳	وجدان	"	ڈاکٹر عصمت جاوید
۴	یوں سوچا تھا	(ناول)	ظفر ادیب
۵	نقوش	(تذکرہ)	حفیظ مالیگانوی
٦	زمیندار کی حویلی	(بچوں کا ادب)	ریاض احمد خان
۷	نئی دھڑکنیں	(افسانے)	رضا الجبار
۸	تبسم	(طنز و مزاح)	رام لال نابھوی
۹	فلمیں کیسے بنتی ہیں	(معلومات)	پریم پال اشک

دستخط : چندر سریواستو
سکریٹری کار ڈائرکٹر اردو اکیڈمی آندھرا پردیش

عرفان پربھنوی

تعریف آندھرا کی ہو مجھ سے بیان کیا
میں کیا، اور میرا نطق کیا، میری زباں کیا

صد رشک ہے ترقی یقیناً یہ آندھرا کی
یہ اعلیٰ کارکردگی پچیس ۲۵ سال کی

قریہ بہ قریہ نہروں کا پھیلا ہوا یہ جال
"ناگ ارجن" "پوچم پاڈ" پراجکٹ یہ بے مثال

چاروں طرف ہیں فصلیں ہی فصلیں کھڑی ہوئی
گنّے، مکئی اور دھان کی فصلیں ہری ہری

ایک ایک اِنچ زمین ہے زرخیز اور سیراب
آیا ہے سارے آندھرا میں "سبز انقلاب"

کاغذ، سمنٹ، کھاد، شکر کی یہ فیکٹریاں
شہروں میں کارخانوں کا اڑتا ہوا دھواں

کپڑے کی یہ ملیں، اور یہ سوت گرنیاں
چاروں طرف ملوں کی یہ اونچی اونچی چمنیاں

گاؤں بہ گاؤں ہاسپٹل اور مدرسے
قریہ بہ قریہ برقی کے روشن یہ قمقمے

رہنے کے واسطے یہ مکانات یہ جھونپڑیاں
پانی کے واسطے یہ کنویں اور یہ ٹانکیاں

جنتا کے واسطے یہ سفر کی سہولتیں
چاروں طرف یہ ریلیں، یہ سڑکیں اور یہ بسیں

یہ یونیورسٹی اور کالج کا شاہراہیں
تعلیم کے یہ اعلیٰ مراکز یہ درس گاہیں

عثمانیہ کے جیسا نہیں کوئی جامعہ
مانا ہوا ہے دیش میں سارے یہ جامعہ

چاروں طرف امن ہی امن اور خوشحالی
ہوگی نہ اب یہاں پہ کبھی بھی قحط سالی

مزدور بھی ہے خوش، کسان بھی خوشحال ہے
محتاج کوئی اور نہ کوئی کنگال ہے

یہ سارے منصوبے یہ حکومت کی اسکیمیں
تکمیل پا رہی ہیں بخوبی یہ اسکیمیں

مانا ہوا ہے دیش میں یہ آندھرا پردیش
کرتا رہے ترقی سدا اور یہ پردیش

ہو اہلِ آندھرا کو مبارک یہ جوبلی
یارب کرے کہ اور ترقی ہو چوگنی

اے آندھرا تجھے ہے یہ عرفانؔ کا سلام
تیری اس بے مثال ترقی کو بھی سلام

عذرا محسن

آندھرا کیسری

آندھرا کیسری شری ٹنگوری پرکاشم پنتلو کا جنم آندھرا پردیش کے گنٹور ضلع کے ونودراج پاٹم نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں ۱۸۷۲ عیسوی میں ہوا تھا۔ ان کے والدین بہت مفلسی اور مفلوک الحالی تھے۔ دنیا کے نامور اور سرکردہ لوگ جیسے ہٹلر، مسولینی، اسٹالن وغیرہ بھی غریب خاندانوں ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ غریب خاندان میں جنم لینے سے کیا ہوتا ہے ضرورت تو اصل میں محنت اور جانفشانی ہے۔ متذکرہ افراد اپنی جد وجہد، جانفشانی اور محنت اور لگن ہی کی وجہ سے اپنے ملکوں کے سربراہ اور راہ بریا حکمراں بن سکے۔ غریبی ہمیشہ ہی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی رہی ہے لیکن جن لوگوں کے پاس عزم و حوصلہ ہوتا ہے ان کے راستوں سے مشکلیں اور رکاوٹیں کتراتی رہتی ہیں۔ پرکاشم پنتلو آندھرا کیسری بھی ایسے ہی بڑے لوگوں میں سے تھے۔

پرکاشم جی کے والد ٹنگوری نامی دیہات میں صرف آٹھ روپے مہینے پر ملازم تھے، پرکاشم بچپن ہی سے اپنی ذہانت کے ذریعے اپنے روشن مستقبل کی راہ ہموار کرتے آرہے تھے۔ ان کے والد کو ابتداء ہی سے انہیں اعلیٰ تعلیم دلوانے کی بڑی لگن تھی اس لئے ان کو سب سے پہلے انکے اس چھوٹے سے گاؤں کے اسکول میں انہوں نے داخلہ دلوایا۔ پرکاشم بچپن ہی سے لاابالی طبیعت رکھتے تھے اور انکے مزاج کا یہ اکھڑپن ان کے آخری دم تک رہا۔ ان کے لاابالی پن کی وجہ سے ان کو کئی بار اسکول

سے خارج کر دیا گیا۔ انکی شرارتیں ان کے والد کے لئے بڑی تکلیف دہ رہتی تھیں اور اکثر بڑی منت وسماجت کے بعد وہ انہیں مدرسے میں داخل کروا تے رہتے۔ لیکن پرکاشم جی کا زیادہ وقت گانے بجانے، آوارہ گردی کرنے اور کھیل کود میں گذرتا تھا اور وہ تعلیم میں کچھ کم ہی دلچسپی لیتے تھے۔ ابھی پرکاشم پنتلو طالب علم ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور پرکاشم پنتلو کی تدریسی ذمہ داری ان کی غریب ماں کے کاندھوں پر آپڑی اور انہوں نے بڑی تکلیف برداشت کرتے ہوئے پرکاشم پنتلو کی تعلیم کو جاری رکھنے کی کوششیں کیں۔ ان کی والدہ نے ان کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے ایک چھوٹا موٹا ہوٹل کھول لیا اور اسی کے ذریعے وہ اپنے خاندان اور بچوں کے اخراجات اور تعلیمی خرچ کا انتظام کرتی تھی۔ ان کے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے مقامی اسکول سے نکل کر ایک مشن اسکول میں داخلہ لیا، جہاں انہیں اسکالرشپ بھی ملنے لگی۔ اسکول کی تمام سرگرمیوں اور تقاریب میں پرکاشم پنتلو بڑے انہماک کے ساتھ حصہ لینے لگے تھے اور اسکول کی جانب سے کئے جانے والے ڈراموں کے مرکزی کردار میں بھی انہوں نے اپنا لوہا منوالیا تھا، ان کی صلاحیتوں نے راجمندری کے ایک بزرگ ہنت راؤ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ اسی بزرگ شخصیت نے پرکاشم پنتلو کی تعلیمی اور ثقافتی میدان میں سرپرستی کی اور پرکاشم جی کی آئندہ کی تعلیم کے اخراجات اور دیگر ضرورتوں کی تکمیل وہی کرتے رہے سنہ ۱۸۷۹ عیسوی میں انہوں نے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے کامیاب کیا۔ ہنت راؤ نائیڈو نے اس کے بعد پرکاشم پنتلو کا کالج کی تعلیم جاری رکھنے کے لئے ہمت افزائی کی اور تمام تر تعلیمی خرچ کو وہ برداشت کرتے رہے — پرکاشم پنتلو نے انٹرمیڈیٹ کی تکمیل کے بعد وکالت کا امتحان بھی دیا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے وکالت کی تکمیل کرلی اور ہنت راؤ نائیڈو کے شہر راجمندری ہی میں وہ پیشۂ وکالت سے وابستہ ہوگئے۔ انکی وکالت خوب چل نکلی اور اس پیشہ میں وہ کامیاب وکیل بھی ثابت ہوئے، انہوں نے وکالت کے ذریعے بہت دولت اور نام کمایا اور بہت سی معاشی اور گھریلو مشکلات سے انہیں رہائی مل گئی۔ ایک مقدمے کے سلسلے میں انکی ملاقات سوامی ناتھ ایر سے ہوئی۔ ایر ان کی ذہانت، بردباری اور اعلیٰ صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے پرکاشم پنتلو کو انگلینڈ جاکر بیرسٹری کی تکمیل کا مشورہ دیا۔ انگلینڈ جانے میں چند دشواریاں حائل تھیں لیکن ایر صاحب نے اپنی دلچسپیوں سے پرکاشم پنتلو کی ساری کٹھنائیوں کو دور کردیا اور انہیں انگلینڈ جانے کے لئے رضامند کرلیا۔

پرکاشم پنتلو انگلینڈ جاکر بیرسٹری کے امتحان کے لئے بڑی جانفشانی اور محنت کا ثبوت دیا اور بیرسٹری میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کرکے انہوں نے ہندستان کا سر اونچا کر دکھایا۔ ان کی ذہانت اور قابلیت اور انتھک محنت کے لئے ان کو ان دنوں پانچ سو پونڈ کا عطیہ دیا گیا اور اعزاز سے نوازا گیا۔ ہندستان لوٹنے پر انگریزی سرکار نے ان کو ایک بہت بڑی سرکاری جائداد پر تقرر کرنا چاہا لیکن وہ عہدہ اور کرسی کے لالچ اور ہوس سے بھاگتے تھے اور وہ سرکاری رحم وکرم پر جینا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے دل میں دیش بھگتی اور وطن کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اسلئے انہوں نے تمام عہدوں کو ٹھکراکر آزادانہ طور پر مدراس کورٹ میں وکالت کا آغاز کردیا۔ انہوں نے مدراس کے ہائی کورٹ میں کوئی چھ برس تک بیرسٹری کی۔ ان کے یہاں جو آمدنی بیرسٹری کے ذریعہ ہوتی تھی اسکو وہ غریب طبقے کی مدد کے لئے استعمال کرتے تھے، انہوں نے غریب اور نادار طلباء کو اپنے خرچ پر پڑھایا لکھایا اور کمزور طبقات کو تعلیمی اعانت دی۔ وکیلوں اور ججوں کی نگاہ میں پرکاشم پنتلو کے لئے بڑا احترام تھا اور وہ سبھی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ پرکاشم پنتلو کو سچائی سے محبت تھی وہ بہت ہی نڈر، بیباک اور خوش اخلاق انسان تھے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کوئی فرد تقریر میں مثالی حیثیت رکھتا ہے، کوئی شخص تحریر میں ماہر مانا جاتا ہے لیکن پرکاشم پنتلو کو تحریر وتقریر دونوں میں یکساں دسترس حاصل تھی۔ پرکاشم پنتلو جب کبھی اسٹیج پر تقریر کرنے لگتے تو عوام کو وہ اپنے حُسنِ خطاب سے مبہوت کر دیتے برٹش حکومت کے خلاف پرکاشم پنتلو کی تقاریر شیر کی گرج کی طرح ہوتی تھیں

پرکاشم پنتلو کی تقاریر سے انگریز سرکار بھی خوف زدہ رہتی تھی۔ ایکبار راؤنڈ ٹیبل کونسل لندن میں انکی ملاقات مہاتما گاندھی سے ہوئی، وہاں ڈیڑھ گھنٹہ کی گفت و شنید نے مہاتما گاندھی کو پرکاشم پنتلو کے تعلق سے صحیح اندازہ ہوا اور وہ پنتلو سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور پرکاشم پنتلو گاندھی جی سے متاثر ہوئے، اس کے بعد ان دونوں کا تعلق ہمیشہ ہمیشہ رہا۔ انگریز سرکار کے خلاف جو بھی تحریکیں مہاتما گاندھی نے شمالی ہند میں شروع کیں، پرکاشم پنتلو نے ان تحریکوں کی جنوبی ہند کی ریاستوں میں رہنمائی کی اور انہیں تکمیل تک پہنچایا۔ پرکاشم پنتلو ایک محب آزادی اور بہادر سپاہی کی طرح سیاست کے میدان میں ہمیشہ ڈٹے رہے۔

پرکاشم پنتلو نے ہندستانی قوم میں جذبۂ حب الوطنی پیدا کرنے کے لئے "سوراجیہ" نامی جریدے کی اشاعت کی، سوراجیہ نے ہندستانی قوم کو اتحاد، خود انحصاری، بہادری اور عزم و حوصلہ کا درس دیا اور آزادی کے جذبے کو پروان چڑھایا، پرکاشم پنتلو کی دیش بھگتی نے ان کو ریاستی کانگریس کے عہدے کو سنبھالنے پر مجبور کر دیا۔ ان کا قول تھا کہ آزادی زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں انہوں نے بدیشی دورے کئے برما، ملایا، سماترا، جاوہ اور لنکا وغیرہ کے عوام کو ہندستان کی آزادی کی حمایت کے لئے انہوں نے ہموار کیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ بھی کی سائمن کمیشن جب ہندستان میں آیا تو اسکی پر زور مخالفت کی گئی برٹش سرکار نے مخالفت کرنے والوں سے بہت سختی کے ساتھ نمٹنا چاہا، عوام پر گولیاں برسائی گئیں۔ ایکبار مدراس میں انگریز پولیس نے بڑی بے رحمی سے گولیاں چلائیں، ایک فرد جو مارا گیا تھا اسکی نعش، حکومت عوام کو دینا چاہتی تھی لیکن اس نعش کو پولیس کے نرغے میں سے لانے کی کسی میں ہمت نہ تھی، اس وقت پرکاشم پنتلو کی ہمت اور حوصلہ لائق ستائش تھا وہ بندوق بردار پولیس کے نرغے کو توڑ کر اس فرد کو اٹھا لائے اور انکو کوئی روک نہ سکا۔

پرکاشم پنتلو ہمیشہ دیش کے ہر ایک اندولن میں ہمیشہ آگے رہے سنہ ۱۹۳۷ء میں جب ملک کے مختلف حصوں میں سرکاریں بنائی گئیں تو انہوں نے گاؤں گاؤں جاکر لوگوں کو جوشیلی تقریروں سے گرما دیا ان کی گرم جوش اور گرجدار تقاریر اور انداز تخاطب کی وجہ سے لوگ انہیں "آندھرا کیسری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں بھارت چھوڑ دو تحریک میں دیگر سرکردہ رہنماؤں کے ساتھ پرکاشم پنتلو کو بھی جیل میں رہنا پڑا لیکن جیل میں بھی وہ خاموش نہیں رہے۔ وہاں انہوں نے بھگوت گیتا کی تفسیر لکھی اور اپنی سوانح حیات قلمبند کی۔ آخری عمر تک وہ خدمت قوم میں مصروف رہے۔ انکی اعلیٰ کارکردگی، خدمات کو قوم کبھی فراموش نہیں کریگی اور خصوصاً آندھرا قوم ان کے آدرشوں اور بتلائے ہوئے اصولوں کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھے گی۔ ●●

چیف منسٹر آندھرا پردیش

جناب ٹی انجیا کی نشری تقریر کے اقتباسات

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام میں ایک نئے جوش و جذبہ کے ساتھ موثر اور بامقصد عمل آوری کے لئے حکومتی سطح پر ایک خصوصی سل قائم کیا جائے گا، مختلف اضلاع میں خشک سالی کے امدادی کاموں کے لئے تین کروڑ روپے جاری کئے جائیں گے۔ عوام کو ایک صاف ستھرا اور کارکرد نظم و نسق دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی آندھرا پردیش وسائل کی دولت سے مالا مال ہے اور محکمۂ صنعت کو سمنٹ اور شکر کے "منی پلانٹس" شروع کرنے کے لئے فوری اقدامات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مرکزی حکومت سے رہنمایانہ خطوط کی روشنی میں دواخانوں، یتیم خانوں اور اداروں کی تعمیر کو اربن لینڈ سیلنگ ایکٹ سے مستثنیٰ قرار دینے کے بارے میں غور کیا جا رہا ہے۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی کی جانب سے اُن پر کئے گئے اعتماد کے مطابق بہتر سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے چیف منسٹر کی حیثیت سے ریاست کے عوام کی خدمت کا موقع دینے پر انہوں نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا (۱۱ راکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء)
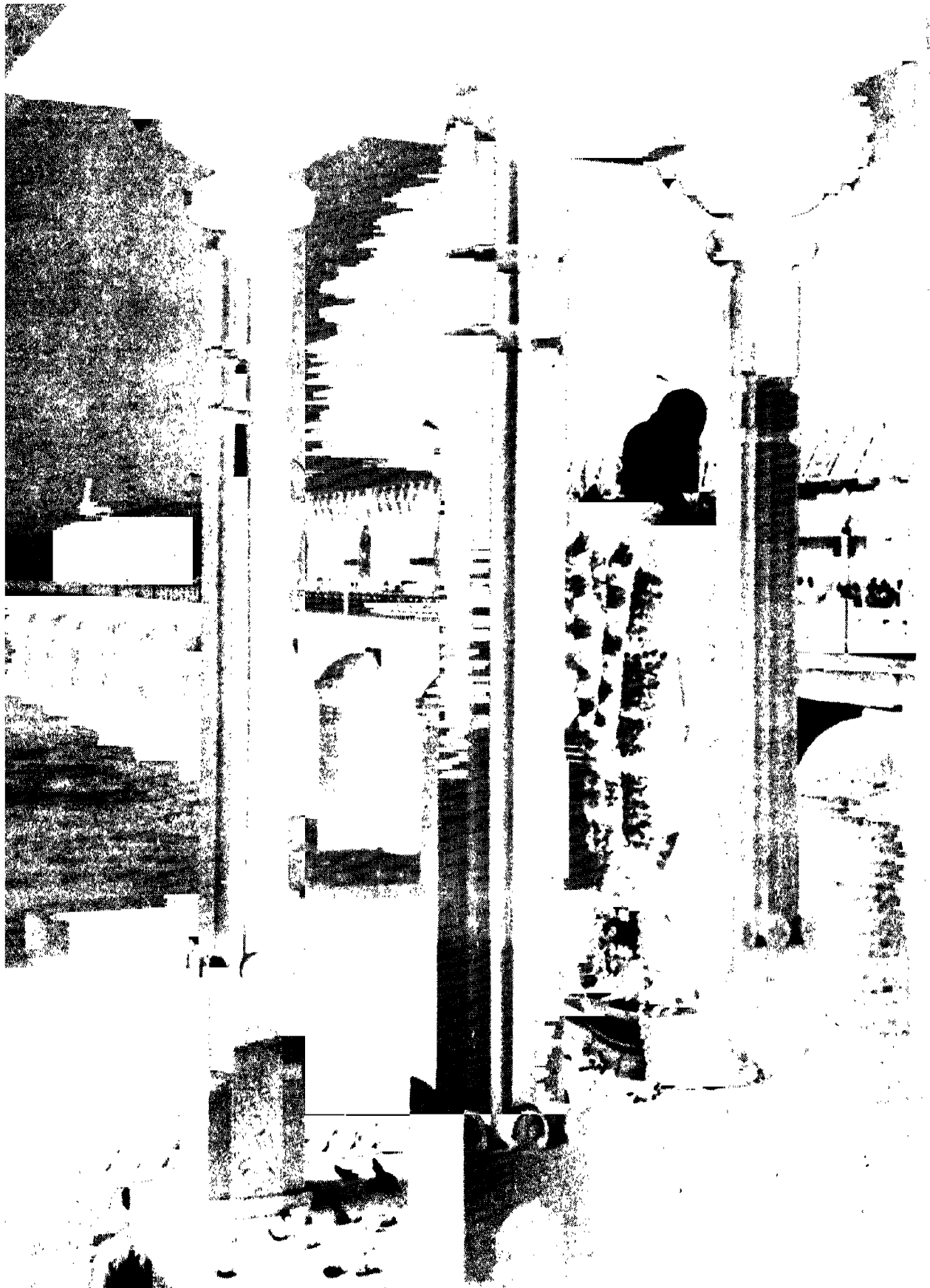
GOVT OF ANDHRA PRADESH
WATER SUPPLY SCHEME
RUDRARAM
FOUNDATION STONE LAID
BY
INDIRA GANDHI

چیف ایڈیٹر
وی۔ وی مانکیالاراؤ
ایڈیٹر
ملک محمد علی خان
دسمبر ۱۹۸۰
اگس اھاین - پادش سنہ ۱۹۰۲
جلد نمبر: ۲۵ ● شمارہ نمبر: ۹

● سرورق کا پہلا صفحہ
وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ۴ر نومبر کو ردرارم جلسہ عام سے خطاب کر رہی ہیں وزیر اعلیٰ جناب ٹی انجیا بیٹھے ہوئے ہیں۔

● سرورق کا دوسرا صفحہ
پسماندہ طبقات کے لیے ہاؤزنگ کالونی کا ایک منظر

● سرورق کا تیسرا صفحہ
تاسیس آندھرا پردیش کی سلور جوبلی تقاریب کے سلسلہ میں ۱۴ر نومبر کو منعقدہ یوم اطفال کے موقع پر بچوں کی ریالی

● سرورق کا چوتھا صفحہ
وزیر اعظم کے ہاتھوں پینے کے پانی کی سربراہی کی اسکیم کا افتتاح

ترتیب

● اِس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔
● زرسالانہ: ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے ۔ زرسالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔ منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے
● مضامین بھیجنے کا پتہ: ایڈیٹر اردو ماہنامہ "آندھرا پردیش" محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ، گرہا کلپا، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے۔ پی)
● ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ● طباعت: گورنمنٹ سنٹرل پریس، چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

اداریہ

یکم نومبر سے ۲۵ر نومبر تک تاسیس آندھرا پردیش سلور جوبلی تقاریب تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوتی رہیں اور
ہر تقریب میں عوام کی کثیر تعداد نے شرکت کی اور وزیر اعلیٰ، وزراء اور عہدہ داروں کی تقاریر، ریاست کی
ترقی سے متعلق اعلانات کا بھرپور خیر مقدم کیا گیا۔

۴ر نومبر کو وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا عوام نے شاندار خیر مقدم کیا اور اس دورے سے ہماری نئی سرکار کو نیا حوصلہ ملا ہے
وزیر اعلیٰ جناب ٹی انجیا جہاں بھی جاتے ہیں عوام انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور
اپنے مسائل و مشکلات سے واقف کرواتے ہیں۔ وزیر داخلہ جناب کے پربھاکر ریڈی، وزیر عمال و سیول سپلائز جناب جی وینکٹ سوامی
نے بھی عوامی مسائل و مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے غذائی اجناس شکر و روغن گیاس کی سربراہی،
امن و ضبط کے مسائل پر فوری توجہ کی ہے اور کئی اصلاحی اقدامات کا اعلان کیا ہے اور
ان اعلانات کا عوام نے پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے بیس نکاتی معاشی پروگرام اور آنجہانی سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کی عمل آوری کے لئے
حکومت پورے خلوص کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اور اس کا مقصد پچھڑے طبقات، پسماندہ طبقات
ہریجنوں اور معاشی طور پر کمزور طبقات کی بہبودی و ترقی ہے۔ اور توقع ہے کہ ریاست کی تعمیر و ترقی کے لئے
حکومت کو عوام کا بھرپور تعاون حاصل رہے گا۔

گذشتہ ماہ سے "آندھرا پردیش" (اردو) کے خریداروں میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوا ہے
اور اردو داں حلقوں میں آندھرا پردیش اردو کے نئے روپ کو کافی سراہا جارہا ہے
پھر ایک بار میں اپنے تمام قارئین اور قلمی معاونین سے اپیل کر رہا ہوں کہ وہ
"آندھرا پردیش" اردو کی خریداری مہم میں حصہ لیں
اور زیادہ سے زیادہ حضرات کو خریداری کے لئے متوجہ کریں۔

"آندھرا پردیش" آپ کا اپنا رسالہ ہے

ملک محمد علی خان

یکم نومبر ۱۹۸۰ء کو آندھرا پردیش اپنے کامیاب وجود کے ۲۴ سال مکمل کرچکا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں اپنی تاسیس کے بعد سے آندھرا پردیش نے شاندار ترقی کی ہے۔ علاقائی احتجاج جیسی مصنوعی رکاوٹیں طوفانوں اور خشک سالی کی شکل میں آنے والے آفات سماوی کے باوجود یہ ریاست ترقی کی سمت قدم بڑھاتی رہی۔ ریاست میں بسنے والے تقریباً ۵ کروڑ عوام کی آبادی میں یکجہتی اور اتحاد کے جذبات پہلے سے آج کہیں زیادہ ہیں۔ نئی ٹیم کی زیر قیادت اور انتظامی رہنمائی میں ریاست مستقبل میں مزید کامیابیوں کے حصول کی بھی تیاری کررہی ہے۔ اور اب وہ دن دور نہیں جبکہ آندھرا پردیش ملک کے ترقی یافتہ صوبوں کی صف میں شامل ہوجائے گا۔

آندھرا پردیش بنیادی طور پر زرعی ریاست ہے اور جنوبی ہند کے غلہ گودام کی حیثیت سے اپنی شہرت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ابتداء میں یہاں کی غذائی پیداوار ۲ء۵۶ لاکھ ٹن تھی جو ۱۹۷۹ء میں تقریباً دوگنی ۷ء۱۰۶ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی۔ اور سال رواں کے دوران میں بھی توقع ہے کہ یہ پیداوار ۱ ملین ٹن کے نشانے کو عبور کرلے گی۔ دوسری اور خاص طور پر تجارتی اہمیت کی فصلیں جیسے تیل کے بیج، کپاس، گنا، تمباکو، ہلدی وغیرہ کی پیداوار میں گذشتہ ۲۴ برسوں کے دوران میں اضافہ ہوا۔ زیادہ سے زیادہ آبپاشی سہولتیں، زیادہ فصل دینے والے بیج، کیمیائی کھاد کیڑے مار دوائیں اور کوآپریٹیو اداروں کی جانب سے بروقت قرضوں کی فراہمی کے نتیجے میں یہاں کے کسان زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

دیوہیکل ہمہ مقصدی پراجکٹ کا دور جنھیں آنجہانی جواہر لعل نہرو نے "دورِ جدید کے مندر" کے نام سے موسوم کیا تھا آندھرا پردیش بھی اسکی لپیٹ میں آیا۔ ناگرجونا ساگر، سری سیلم، تنگبھدرا، سری رام ساگر اور دوسرے کئی آبپاشی پراجکٹوں کی بدولت خشک اور بنجر اراضیات ہرے بھرے کھیتوں میں تبدیل ہوگئے۔ اس کے علاوہ دریائے کرشنا اور گوداوری پر پہلے سے موجود آبی کٹوں کے تحت زیر کاشت اراضیات کو استحکام ملا۔ ان پراجکٹوں کے نتیجے میں گذشتہ سال ریاست میں آبپاشی کے تحت مجموعی رقبہ ۷ء۴۰۶ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ گیا جبکہ ۱۹۵۶ میں ۹ء۳۳ ہیکٹر تھا۔ بڑے آبپاشی پراجکٹوں کے آیاکٹوں میں وارابندی نظام کے نفاذ سے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ نے یہ یقین حاصل کیا ہے کہ پراجکٹ کے تحت واقع سب سے آخری اراضیات کے کسانوں کو بھی انکے حصے کا پانی فراہم ہوجائے۔

برقی توانائی کو جو صنعتوں اور زراعت کے لئے اہمیت کی حامل ہے تمام موازنوں اور سالانہ منصوبوں میں ترجیح دی گئی جس کی بدولت برقی کی تنصیبی صلاحیت سال ۱۹۵۶ میں ۱۳۲ میگاواٹ سے بڑھ کر سال ۱۹۷۸-۷۹ء میں ۲۶۷۷ میگاواٹ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح

...تی توانائی کی پیداوار ۱۹۵۶ میں ۲۳۹۶٫۷ ملین کے ڈبلیو ایچ سے سال
... ۱۹۸۰-۸۱ء میں ۶۰۵۵٫۰۶ ملین کے ڈبلیو ایچ تک ہوگئی۔

آندھرا پردیش میں صنعتی ترقی کا تاخیر سے آغاز ہوا۔ ابتدائی
...ںوں میں ریاست کو زرعی ترقی اور اسکے وسیع وسائل کو قابو میں
...نے کے لئے آبپاشی پراجکٹوں کی تعمیر پر توجہ دینی پڑی۔ سال ۶۰
...ے صنعتوں پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ جس کی بدولت
...لک میں ریاست اس وقت صنعتی ترقی کے میدان میں پانچویں نمبر
...ر ہے۔ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۶ء کی درمیانی مدت میں ریاست کی
...نعتی ترقی نمایاں حیثیت کی حامل رہی، پیداواری سرمایہ ۴۶۰ کروڑ
...روپے سے بڑھکر ۱۰۴۵ کروڑ روپے ہوگیا اور پیداوار بر اعتبار مالیت
...۴ کروڑ روپے سے بڑھکر ۱۶۲۹ کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ ریاست
...یں بڑے پیمانے کی صنعتیں ۲۸۲ ہیں ان میں مشغول سرمایہ ۷۵۸
...کروڑ روپے ہے۔ اور صنعتوں میں ۲٫۶۴۰ لاکھ افراد کے لئے روزگار
...کے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔

اسمال اسکیل انڈسٹریز کو بھی گذشتہ ۲۴ برسوں کے دوران
...میں زبردست فروغ حاصل ہوا۔ سال ۱۹۵۶ء میں ریاست میں ۱۲۰۰
چھوٹے صنعتی یونٹ تھے جن کی تعداد اب ۲۲۰۰۰ ہزار ہے۔ اور ان
صنعتوں میں مشغول سرمایہ ۱۹۰ کروڑ روپے ہے اور ۲٫۳۵ لاکھ افراد
...کو روزگار مہیا ہوا ہے۔ ان یونٹوں میں تقریباً ۱۱۶۰ چیزیں تیار
کی جاتی ہیں۔

ریاست میں صنعتی فروغ کے لئے کی جانے والی کوششوں
کو سہارا دینے کے لئے مختلف کارپوریشن قائم کئے گئے جن میں اے
پی انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اے پی اسمال اسکیل انڈسٹریل
ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اے پی انڈسٹریل انفرا اسٹرکچر کارپوریشن
اور اسٹیٹ فینانشیل کارپوریشن شامل ہیں۔

آندھرا پردیش شاید ملک میں پہلی ریاست ہے جہاں
نہ صرف کمزور طبقات جیسے درج فہرست اقوام، درج فہرست قبائل
اور پسماندہ طبقات بلکہ خواتین کی معاشی بہتری کے لئے علحدہ کارپوریشن
قائم کئے گئے۔ ان کارپوریشنوں نے جو ۱۹۷۴-۷۶ء کے درمیان قائم
کئے گئے تھے کمزور طبقات اور خواتین کی معاشی سدھار کے لئے کئی اسکیمات
شروع کئے۔ ریاست کی تاسیس سے اب تک ۱۲۸ کروڑ روپے کی قابل
لحاظ رقم کمزور طبقات کی بھلائی کی اسکیمات کے لئے خرچ کی گئی اس رقم کا
۲/۳ سے زیادہ حصہ درج فہرست اقوام کی بھلائی کے لئے خرچ کیا گیا
جنکا سب سے غریب ترین طبقے میں شمار کیا جاتا ہے۔

تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی ہوئی۔ ۱۹۵۶ء میں ریاست
کی ابتداء سے یہاں صرف ۲ یونیورسٹیاں تھیں لیکن اب ۸ یونیورسٹیاں
موجود ہیں۔ ڈگری کالجوں، جونیر کالجوں سکنڈری میڈیم اور پرائمری اسکولوں
کی تعداد میں طالب علموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ کئی گنا اضافہ ہوا۔
مثال کے طور پر پرائمری اسکولوں کی تعداد ۱۹۵۶ میں ۲۹۰۷۶ سے
بڑھکر اب ۳۹۹۵۵ تک پہنچ گئی۔ سکنڈری اسکولوں کی تعداد میں غیر معمولی
اضافہ ہوا ہے یعنی ۱۹۵۶ء میں صرف ۷۳۳ سکنڈری اسکول تھے
اور طلباء کی تعداد ۲۰۹۹۵۸ تھی اور اب ان مدارس کی تعداد ۳۵۹۹
ہے اور طلباء کی تعداد ۷۲۱۳۰۶ ہے۔

عوام کی صحت اور طبی سہولتوں کی جانب بھی کافی توجہ دی گئی۔
آندھرا پردیش کی تاسیس کے موقع پر ریاست میں تمام سہولتوں سے
مزین بڑے دواخانوں کی تعداد ناقابل لحاظ تھی اور یہ سہولت صرف
ضلع مستقروں کی حد تک محدود تھی۔ لیکن گذشتہ ۲۴ برسوں کے دوران
میں ریاست میں پرائمری ہیلتھ سنٹروں کا جال بچھا دیا گیا۔ جس کی بدولت
طبی سہولتیں دیہی عوام کے دائرے حدود میں آگئیں۔ ریاست کے وجود
میں آتے وقت ریاستی دواخانوں میں بستروں کی جملہ تعداد ۱۲۰۰۰ تھی جو
اب تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔ الوپیتھی طریقہ علاج کے اداروں کی تعداد
۱۵۰۰ تک پہنچ گئی اور اس کے علاوہ ۳ ہزار ذیلی طبی مراکز وجود میں
آئے (دیہی اعزازی معالجین کا اسکیم) آنریری رورل میڈیکل پراکٹشنرس اسکیم
اور سہ مرحلاتی طریقہ علاج کی اسکیم اب طبی میدان کی جدید اختراع ہے۔

افزائش مویشیاں، مرغبانی اور ماہی گیری جیسے دوسرے میدانوں میں نہ صرف ان پیشوں سے وابستہ لوگوں کی معاشی حالت درست کرنے کے لئے بلکہ چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کی آمدنی میں اضافہ کرنے اور بے روزگار افراد کو روزگار مہیا کرنے کے لئے زبردست کوششیں کی گئیں۔ اور ان پیشوں کو ترقی دینے کے لئے مختلف کارپوریشنز جیسے اے۔ پی ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن، اے پی فیشریز کارپوریشن اے پی میٹ اینڈ پولٹری ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کئے گئے۔ جن کی بدولت اس قبیل کے پیشوں کو ترقی دینے میں زبردست مدد ملی۔

۱۹۷۳ء میں قانون تحدید اراضیات کے نفاذ کے بعد اصلاحات اراضی کے کام تیزی پیدا ہوئی جسکا مقصد دیہی علاقوں میں معاشی عدم مساوات میں کمی پیدا کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے مالکین اراضیات کی جانب سے داخل کردہ ۳۴ء۴ لاکھ افراد ناموں کی جانچ کے بعد ۸۴ء۱۲ لاکھ ایکر اراضیات فاضل قرار پائیں۔ قبضوں کی حوالگی کے لئے دستیاب ۴۹ء۴ لاکھ ایکر اراضی میں سے ۲۱ء۳ لاکھ ایکر زمینات کے قبضے حاصل کر لئے گئے۔ ۱۳۳۰۰۳ ایکر تری اور ۱۷۳۴۳۲۰ ایکر خشکی زمینات کی حد تک زرعی مقاصد کے لئے تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ مستفیضین کی جملہ تعداد ۱۲۷۹۴۷ ہے جن میں سے بیشتر کا تعلق کمزور طبقات سے ہے۔ اس کے علاوہ ۱۴۱۷ مکانات کی تعمیر کے لئے ۱۴۱۷ ایکر اراضی کی تقسیم عمل میں لائی گئی و نیز ۸۸ء۲۱ لاکھ ایکر سرکاری بنجر اراضیات بھی کاشتکاری کیلئے غریبوں میں تقسیم کئے گئے۔

پنچایت راج اداروں کے قیام میں آندھرا پردیش ملک کی سب سے پہلی ریاستوں میں سے ایک ہے، ریاست میں پنچایت راج تین اداروں پر مشتمل ہے ضلع پریشد پنچایت سمیتی اور گرام پنچایت ، ان اداروں میں عوام کا زیادہ سے زیادہ عمل دخل پیدا کرنے کے لئے حال ہی میں بڑی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ رائے دہی کی عمر کو ۲۱ سال سے ۱۸ سال کیا گیا۔ پنچایت سمیتی کے صدر اور ارکان عوام کے راست منتخبہ ہونگے اور درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے لئے کچھ عہدوں کی حد تک تحفظ دیا گیا ہے۔

ریاست آندھرا پردیش نے دیگر مختلف شعبوں میں بے شمار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اور آنے والے برسوں میں بہتر مستقبل کی توقع رکھنے میں حق بجانب ہے۔

خود مجھے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کیا کسی یاد کی صورت میں قضا آتی ہے

ہر سحر گوش بر آواز اسی امید پہ ہوں
ان کا پیغام لئے باد صبا آتی ہے

ہاتھ اٹھتے ہیں دعا کو تو لرز اٹھتے ہیں لب
ہاتھ کانپ اٹھتے ہیں جب لب پہ دعا آتی ہے

ہائے کس دور میں جینا ہے بہر حال ہمیں
لوگ ہنستے ہیں تو رونے کی صدا آتی ہے

بات لاکھوں نے کہی ہے جو کہی ہے میں نے
میرے گھر آتی ہے جو کوئی بلا آتی ہے

خوگر جور و جفا ہوتے ہیں عشاق کے دل
کس کو دلداریٔ ارباب وفا آتی ہے

کیا مٹائیں گی زمانے کی جفائیں ان کو
جن کو ہر حال میں جینے کی ادا آتی ہے

وہ سنے یا نہ سنے دل سے تو میرے تاباں
لذت کام و دہن بن کے دعا آتی ہے

آندھرا پردیش کی تعمیر و ترقی کیلئے

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا اور ارکان کابینہ کے عزائم

فوڈ اینڈ ڈرگس کنٹرول ڈپارٹمنٹ کے لئے تعمیر کردہ نئی عمارت کے افتتاح کے موقع پر چیف منسٹر جناب ٹی انجیا نے کہا کہ ایسے تاجروں کا سماجی مقاطعہ کیا جائے۔ جو ملاوٹ اور دیگر بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں انہوں نے کہا کہ محکمہ کے عملے کو ملاوٹ کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیئے۔

پولیس عہدہ داروں کو چاہیئے کہ وہ سیاست میں نہ الجھیں اور عوام کی خدمت و امن وضبط کی برقراری پر توجہ دیں۔ پولیس کے کاموں میں سیاسی مداخلت کو ختم کر دیا جائے گا۔

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

ریاستی حکومت نے شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

ریاستی حکومت درمیانی آدمی کو ختم کرکے صارفین کو جلانے کی لکڑی کی سربراہی کا انتظام کرے گی۔

وزیر داخلہ مسٹر کے پربھاکر ریڈی

ریاستی حکومت وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی پروگرام اور آنجہانی سنجے گاندھی کے ۵ نکاتی پروگرام کی عمل آوری کے ذریعہ سماجی و معاشی مساوات کی طرف بڑھ رہی ہے' بے زمین افراد میں بیکار سرکاری اراضی کی تقسیم، کمزور طبقات کے لئے مکانات کی تعمیر کی غرض سے اراضی کی فراہمی، مکفول محنت کی برخواستگی، اقل ترین زرعی اجرتوں کا نفاذ، زرعی اصلاحات کی عاجلانہ عمل آوری، ارزاں فروشی کی دوکانات کے ذریعہ ضروری اشیاء کی تقسیم، دیہی قرضہ جات کی بے باقی اور عوام کے لئے سستے داموں پر کپڑے کی فراہمی کے لئے خصوصی اقدامات کئے جارہے ہیں۔

(ریاستی حکومت کا عزم)

میری حکومت سابقہ حکومت سے زیادہ اردو کی ترقی کیلئے کام کرے گی۔

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

قومی یکجہتی کونسل کی شاخیں تمام اضلاع میں قائم کی جائیں گی اور ممتاز شخصیتوں و تجربہ کار افراد کو ان سے وابستہ کیا جائے گا جب تک میں چیف منسٹر برقرار رہوں گا فرقہ وارانہ کشیدگی کو پھیلنے

کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۸۰ء کو ریاستی کابینہ کے اجلاس میں حسب ذیل فیصلے کئے گئے۔

آندھرا پردیش کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ایسے تمام کاشتکاروں کو جن کے زرعی مقبوضے ۵ ایکر تری یا ۱۰ ایکر خشکی سے زائد نہ ہوں انہیں یکم جولائی سنہ ۱۹۸۰ء سے مالگذاری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے کابینہ کے اجلاس کے بعد اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے یہ اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ اشتمال اراضی کے تحت کی اراضی کے خشکی جزو کو مالگذاری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا ایسے کسان مالگذاری سس فی روپیہ ۵ پیسے کی رعایت سے ادا کرسکیں گے تلنگانہ علاقہ میں سس کی شرح ۲۵ پیسے فی روپیہ ہے جبکہ آندھرا میں یہ شرح ۳ پیسے فی روپیہ ہے۔ اس فیصلہ سے ریاست کے لاکھوں کسانوں کو فائدہ پہونچے گا۔ اور حکومت کے خزانہ کو سالانہ ۴ کروڑ کا بار برداشت کرنا پڑے گا۔

معذورین کے لئے تحفظات

چیف منسٹر نے اعلان کیا ہے کہ حکومت جسمانی معذورین کے لئے تحفظات کی مدت میں مزید ۱۰ سال کی توسیع کرتے ہوئے انہیں ۲۴ر ستمبر سنہ ۱۹۹۰ء تک جاری رکھنے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت نے اس سلسلہ میں قوانین و قواعد میں ضروری تبدیلیوں کے لئے ریاستی پبلک سرویس کمیشن کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپیل کی ہے۔

کڑپہ میں سمنٹ فیکٹری

چیف منسٹر نے بتایا کہ حکومت نے کلکٹر ضلع کڑپہ کو موضع چلما کور تعلقہ کملا پورم ضلع کڑپہ میں مجوزہ سمنٹ فیکٹری کے لئے اراضی حاصل کرنے کی ہدایت دیدی ہے جہاں کارومنڈل فرٹلائزرس سمنٹ فیکٹری قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کلکٹر کو حصول اراضی کے فوری بعد یہ اراضی کمپنی کے حوالے کر دینے کی بھی ہدایت دیدی گئی ہے تاکہ وہاں عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جا سکے۔ چیف منسٹر نے کہا کہ مجوزہ سمنٹ فیکٹری میں سالانہ دس لاکھ میٹرک ٹن سمنٹ تیار ہوگی۔ اس طرح یہ فیکٹری ہو ریاست اور ملک کی سب سے بڑی سمنٹ فیکٹری ہوگی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ کابینہ نے، کمزور طبقات پسماندہ طبقات درج فہرست ذاتوں و قبائل سے تعلق رکھنے والے یونیورسٹیز ہاسٹلوں میں مقیم طلباء کے بورڈنگ چارجس ادا کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

وظیفہ پیرانہ سالی

چیف منسٹر نے کہا کہ حکومت نے وظیفہ پیرانہ سالی کا احیاء کرنے کا فیصلہ کیا ہے یہ وظایف زائد از ۶۵ سالہ افراد اور نادار لوگوں کو ایصال کئے جائیں گے چنانچہ شہر میں مقیم پیرانہ سالوں کو ۳۰ روپے، قصبوں اور ایسے مقامات

پر رہنے والوں کو جہاں کی آبادی ایک لاکھ سے متجاوز ہو ۲۵ روپے اور دیگر مقامات پر رہنے والوں کو ۲۰ روپے ایصال کئے جائیں گے وظائف پیرانہ سالی کے لئے میڈیکل آفیسرس اور سرپنچوں کی تصدیق ضروری ہے

نیشکر کی قیمت میں اضافہ

حکومت آندھرا پردیش نے گنا پیلنے کے جاریہ موسم کے دوران تیسری مرتبہ نیشکر کی اقل ترین قیمت میں اضافہ کیا ہے۔ ایسے نیشکر کی قیمت جس سے ۸۔۶۵ فیصد شکر تیار کی جاسکتی ہے۔ ۱۸۵ روپے فی ٹن ہوگی۔ چیف منسٹر نے دیپاولی کے تحفہ کے طور پر اس میں اضافہ کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ نیشکر کے کاشتکاروں نے اس نرخ پر نیشکر شوگر ملز کو سربراہ کرنے سے اتفاق کرلیا تھا۔ کسانوں نے سربراہی روک دینے کا احتجاج شروع کیا تھا۔ حالانکہ نیشکر کی ملز کو سربراہی کے وہ قانونی طور پر پابند ہیں۔ گنا پیلنے کا موسم ۲۴ ر اکتوبر سے شروع ہوا ہے۔ حکومت نے جس قیمت کا اعلان کیا ہے وہ کرناٹک اور مہاراشٹرا کی مقررہ قیمت سے بھی زیادہ ہے حکومت اور کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں کو نقصان کے باوجود حکومت نے نیشکر کی قیمت میں اضافہ کیا ہے۔

کابینی سب کمیٹیوں کا قیام

چیف منسٹر نے اعلان کیا کہ مختلف مسائل کا تفصیلی جائزہ لینے کیلئے کابینی سب کمیٹیاں تشکیل دی جارہی ہیں یہ کمیٹیاں کابینہ کے آئندہ اجلاس تک اپنی اپنی رپورٹ پیش کردیں گی۔ وزراء تعلیم، فینانس، برقی روڈ اینڈ بلڈنگس اور سوشیل ویلفیر پر مشتمل ۵ رکنی کمیٹی معاشی اعتبار سے پسماندہ طبقات کے اسکالرشپس کو معقول بنانے کے بارے میں غور کرے گی۔ سکریٹری محکمہ سوشیل ویلفیر اس سب کمیٹی کے کنوینر ہوں گے۔ وزراء مال، امداد باہمی، فینانس، روڈس اینڈ بلڈنگس، انڈومنٹ، پنچایت راج پر مشتمل کمیٹی خشک سالی کے حالات اور امدادی کاموں کا جائزہ لے گی۔ ۷ رکنی کابینی سب کمیٹی سٹ ون کی سرگرمیوں کا جائزہ لے گی یہ کمیٹی سٹ ون کے دائرہ عمل کو وسعت دینے کے علاوہ اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن سے اس کے روابط کا جائزہ لے گی۔ کمیٹی خود آر ٹی سی کی سرگرمیوں کا بھی جائزہ لے گی۔ وزراء ٹرانسپورٹ، انیمل ہسبنڈری، فینانس، سیول سپلائز، ولیبر، داخلہ، میونسپل اڈمنسٹریشن اسمال اسکیل، انڈسٹریز (زیر بار) آبادکاری اسکے ارکان ہوں گے مسٹر کے آر دیو گوپال کمشنر فار اسپیشل ایمپلائمنٹ اسکیمس اس کمیٹی کے کنوینر ہوں گے۔ کوآپریٹیو شوگر فیکٹریوں کے کام کا جائزہ لینے کے لئے بھی ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔

میری حکومت امن و امان کی برقراری کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرے گی اور ساتھ ہی لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرے گی۔ وقت کا اہم ترین تقاضہ یہ ہے کہ تمام فرقوں کے مابین بھرپور ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا ہو اور وزیر اعظم کے ۲۰ نکاتی پروگرام و آنجہانی سنجے گاندھی کے ۵ نکاتی پروگرام کی عمل آوری میں تمام طبقات مدد کریں۔

چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

ریاستی حکومت نے چیف منسٹر ٹی انجیا کی قیادت میں چور بازاری ذخیرہ اندوزی، قیمتوں پر قابو پانے اور صاف ستھرا نظم و نسق مہیا کرنے کے لئے بھرپور اقدامات کرتے ہوئے عوام میں نئی امیدیں اور اعتماد پیدا کیا ہے۔

وزیر لیبر جناب جی وینکٹ سوامی

پیداوار میں اضافہ کے لئے ملک میں صنعتی امن کی ضرورت ہے اور ریاستی حکومت صنعتی امن کو درہم برہم کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور بات چیت کے ذریعہ تنازعات کو طے کرنے کی کوشش کرے گی۔ چیف منسٹر جناب ٹی انجیا

شہریان حیدرآباد کو فرقہ وارانہ اتحاد کی برقراری پر مبارکباد

تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر مشاعرہ ۔ مرکزی وزیر داخلہ کی تقریر

مرکزی وزیر داخلہ مسٹر گیانی ذیل سنگھ نے آندھرا پردیش بالعموم شہر حیدرآباد کے عوام کو اس بات پر مبارکباد دی کہ انہوں نے ملک کے بعض علاقوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ اس کے برخلاف انہوں نے اتحاد و یکجہتی کو برقرار رکھا ۔ مرکزی وزیر داخلہ ۱ر نومبر کو تاسیس آندھرا پردیش کے سلسلہ میں محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ اور اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کے مشترکہ زیر اہتمام جوبلی ہال میں قومی یکجہتی کے موضوع پر منعقدہ مشاعرہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ دنیا فرقہ پرستوں کی نہیں ۔ بلکہ خدا پرستوں کی ہے مسٹر ذیل سنگھ نے کہا کہ ان کا خون گندی گلیوں میں بہانے کے لئے نہیں ہے ۔ انہوں نے کہا کہ مراد آباد میں جو کچھ بھی ہوا وہ باعث شرم ہے بلا وجہ بے گناہ لوگ مارے گئے ۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ یہ زبان خالص ہندستانی زبان ہے حکومت اس زبان کی ترقی کے لئے ممکنہ کام کر رہی ہے اور کرے گی لیکن چاہے حکومت کچھ نہ کرے اس زبان کو کوئی ختم نہیں کر سکتا ۔ بلکہ اور اس میں زندگی آتی رہے گی ۔ مسٹر ذیل سنگھ نے شاعروں کو زمانے کی رفتار کے ساتھ خود کو بدلنے اور امیروں کی شان میں قصیدہ خوانی کی بجائے غریبوں اور محنت کش طبقات کو اوپر اٹھانے کے لئے اپنی شاعری سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا ۔ شاعروں کو اس ملک سے نفرت کو مٹانے اور محبت اور خلوص بھائی چارگی کو پروان چڑھانے کے لئے کمر بستہ ہو جانے کی ضرورت ہے ۔ چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے صدارتی تقریر میں ہر ماہ حکومت کی طرف سے مشاعرہ منعقد کرنے اور شاعروں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے ممکنہ اقدامات کا یقین دلایا ۔ چیف منسٹر نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ان کی حکومت سابق حکومت سے زیادہ اردو کی ترقی کے لئے کام کرے گی ۔ مسٹر ایم باگا ریڈی وزیر پنچایت راج و صدر نشین اردو اکیڈیمی، وزیر داخلہ مسٹر کے پربھاکر ریڈی نے بھی مخاطب کیا ۔ مسٹر ملک محمد علی خاں نے کارروائی چلائی ۔ چیف منسٹر نے تمام شعراء کو شال پیش کی، ابتداء میں مسٹر چندر سریواستو سکریٹری و ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی نے خیر مقدمی تقریر کی ۔

یوم برقی

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے اعلان کیا ہے کہ ریاستی حکومت برقی چوری کی کارروائیوں اور عدالتوں میں زیر دوراں مقدمات کی عاجلانہ یکسوئی کے لئے اقدامات کرے گی ۔

تاسیس آندھرا پردیش کی سلور جوبلی تقاریب کے سلسلہ میں انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرس میں "یوم برقی" کا افتتاح کرتے ہوئے چیف منسٹر نے برقی کی چوری اور سبوتاج کے خلاف ویجیلنس سل کو زیادہ مستحکم بنانے پر زور دیا ۔ چیف منسٹر نے اس بات کی ستائش کی کہ برقی کی پیداوار میں اضافہ کے سلسلہ میں برقی بورڈ نے نمایاں پیش رفت کی ہے ۔ انہوں نے صنعتی اور زرعی ترقی کے سلسلہ میں ۔ برقی کی اہمیت و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مختلف سمتوں میں برقی کے لئے ۔ برقی کی پیداوار میں اضافہ لازمی ہے چیف منسٹر نے برقی سے ناجائز استعمال اور چوری پر سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس کے انسداد کے لئے موثر اقدامات پر زور دیا ۔ مسٹر انجیا نے ہر سال دیپاولی کے موقع پر یوم برقی منانے اور تمام دیہی علاقوں کو برقانے کے سلسلہ میں برقی بورڈ سے تعاون کی اپیل کی ۔ وزیر برقی مسٹر اے ویربدا نے کہا ان کی دلی خواہش ہے کہ ریاست کے ہر موضع اور ہر جھونپڑے کو برقی روشنی سے منور کر دیا جائے انہوں نے تیقن دیتے ہوئے کہا کہ یہ سال جو کہ "خدمت صارفین سال" ہے صارفین کو درپیش تمام مسائل کو حل کرنے ممکنہ کوشش کی جائے گی ۔ مسٹر اینا دادھا کرشنامورتی سکریٹری الکٹرسٹی بورڈ نے کہا کہ ریاست کی برقی پیداوار جو سال ۱۹۵۶ء میں صرف ۹۸ میگاواٹ تھی اب بڑھ کر ۱۸۸۸ میگاواٹ ہو گئی ہے ۔

گذشتہ ۱۶ برسوں کے دوران برقی پیداوار میں ۳۰۰ گنا مثالی اضافہ ہوا ہے
صدر نشین ریاستی برقی بورڈ ڈاکٹر این تاتا راؤ نے کہا کہ اس سال برقی چوری کے
واقعات کا انسداد کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کسی خلل کے بغیر برقی سربراہی
کا عوام کو تیقن بھی دیا۔

"یوم اطفال"

آنجہانی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی یاد میں ۱۴ نومبر سنہ ۱۹۸۰ء
کو ریاست میں "یوم اطفال" رنگا رنگ انداز میں منایا گیا۔ اس سلسلہ میں
ایک مرکزی ریالی نظام کالج گراؤنڈ پر ہوئی جس میں شہر کے ۵۰ منتخب
مدارس کے دس ہزار طلباء و طالبات نے پرجوش انداز میں حصہ لیا۔
ریالی کے مہمان خصوصی ریاستی چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا تھے۔ ریاستی وزیر تعلیم
مسٹر بی وینکٹ رام ریڈی نے صدارت کی۔ معتمد تعلیم حکومت آندھرا پردیش
مسٹر گوپال کرشنیا نے خیر مقدمی تقریر کی۔ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن
مسٹر آدی نارائن اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسر حیدرآباد مسٹر محبوب علی نے
مہمانوں کی گلپوشی کی۔ چیف منسٹر نے انٹرمیڈیٹ امتحان سنہ ۱۹۸۰ء میں ریاست
بھر کے امیدواروں میں پہلے پندرہ طلباء کو اور چیف جسٹس آندھرا پردیش
ہائیکورٹ مسٹر جسٹس اللاڈی کپو سوامی نے ایس ایس سی امتحان مارچ سنہ ۱۹۸۰ء
کے اولین دس کامیاب طلباء کو اسٹیٹ میرٹ ایوارڈز دیئے۔ اسی
طرح ایس ایس سی امتحان سنہ ۱۹۸۰ء میں ریاست بھر میں اولین طلباء کو بھی
ایوارڈز دیئے گئے۔

ریالی میں سب سے پہلے مارچ پاسٹ ہوا۔ چیف منسٹر نے سلامی
لی۔ بعد میں جسمانی ورزش کے مظاہرے ہوئے۔ سینٹ اینس روزی
کانونٹ، ہنومان ویایام شالہ اور مدرسہ اعزہ کے طلباء و طالبات
کے مظاہروں کو بہت پسند کیا گیا اور بھانگڑا ڈانس کو پسندیدہ
قرار دیا گیا۔ ریاستی گورنر مسٹر کے سی ابراہام نے اس موقع پر گورنمنٹ
سنٹرل اسکول میں سالار جنگ میوزیم کی موبائیل نمائش کا افتتاح
کیا۔ وشاکھاپٹنم میں بھی یوم اطفال تقاریب جوش و خروش سے
منائی گئیں۔ مدارس کے پانچ ہزار سے زائد طلباء نے رقص اور ڈرل کا شاندار
مظاہرہ کیا اور آتشبازی پر یہ تقاریب اختتام کو پہنچیں۔

ڈنر کی بجائے خشک سالی امداد

چیف منسٹر نے کہا کہ ایسے وقت جبکہ ریاست کے اکثر حصوں
میں خشک سالی کا دور دورہ ہے اور عوام مشکلات و مسائل سے
دوچار ہیں ان کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ظہرانہ، ڈنر جیسی
دعوتیں اڑائیں اور نہ ہی تنظیمیں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ موجودہ حالات
میں ان کے اعزاز میں ظہرانہ اور ڈنر جیسی دعوتیں ترتیب دیں۔ انہوں نے ڈنر وغیرہ
کو امدادی فنڈ میں دینے کی اپیل کی۔

عوام سے احتجاج سے احتراز کی اپیل

چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر ٹی انجیا نے عوام کے تمام طبقوں
سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے مشکلات اور مسائل کے تصفیہ کے لئے ایجی ٹیشن
کا راستہ اختیار نہ کریں۔ چیف منسٹر نے کہا کہ ان کی حکومت عوام
کی حکومت ہے اور وہ ہر مسئلہ پر بات چیت کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں
بات چیت کے ذریعہ مسئلہ کا خوشگوار حل ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کریں گے
مسٹر انجیا نے کہا کہ ان کی حکومت ایڈمنسٹریشن اور عوام کے کسی بھی حلقے
جائز مطالبات کی تکمیل کے لئے ہمیشہ تیار ہے اس لئے بھی ایجی ٹیشن کرنے
کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیئے۔

آلوین واچ کیس پلانٹ کا افتتاح۔ چیف منسٹر کی تقر

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے کہا کہ وہ آندھرا پردیش میں
تیز رفتار صنعتی ترقی کے لئے ایک انجینئرنگ کامپلکس کے قیام کے
خواہاں ہیں۔ تاہم چیف منسٹر نے اس مجوزہ انجینئرنگ کامپلکس
کی مزید وضاحت نہیں کی۔ چیف منسٹر ۵ نومبر کو ایک کروڑ ۰۰
لاکھ روپے کے مصارف سے قائم کئے گئے آلوین واچ کیس پلانٹ

کا افتتاح کر رہے تھے ۔ مسٹر پرتاب ریڈی پرنسپال سکریٹری انڈسٹریز نے صدارت کی مسٹر انجیا نے ریاست میں بیروزگاری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ۲۶ لاکھ افراد بے روزگار ہیں انہیں روزگار سے لگانے کے لئے حکومت کی ساری مشنری مزدوروں اور انجینیروں کو سرگرم کام کرنا ہوگا ۔ انہوں نے مزدوروں کو ہڑتال سے اجتناب کرنے اور سخت محنت سے کام کرنے کا مشورہ دیا۔ مسٹر انجیا نے اس موقع پر تالیوں کی گونج میں کہا کہ جب تک وہ اس ریاست کے چیف منسٹر ہیں۔ مزدوروں کی فلاح و بہبود کا ہر وقت خیال رکھیں گے ۔ انہوں نے کہا کہ مزدوروں کا لیڈر اس ریاست کا چیف منسٹر بنا ہے اور وہ مزدوروں کو کس طرح ہڑتال کرنے کا موقع دیں گے۔ چیف منسٹر نے آلوین کو تیز رفتار ترقی کے لئے مسٹر اجیت سنگھ کی خدمات کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ وہ آرٹی سی کو نقصانات سے بچانے کے لئے پھر ایک بار مسٹر اجیت سنگھ کی خدمات سے استفادہ کرنے کے خواہاں تھے لیکن آلوین میں ان کی بہترین کارکردگی کی وجہ سے وہ انہیں یہاں سے ہٹانا نہیں چاہتے ۔ انہوں نے مسٹر اجیت سنگھ کو کنٹراکٹ کا طریقہ ختم کرتے ہوئے تمام عارضی مزدوروں کو مستقل کرنے کا مشورہ دیا۔ چیف منسٹر نے آلوین کی ترقی کے لئے ہر ممکنہ تعاون کا یقین دلاتے ہوئے امید ظاہر کی کہ ایک وقت آئے گا جبکہ آلوین کے مزدوروں کی تعداد جو اس وقت چار ہزار ہے بڑھ کر ایک لاکھ ہو جائے گی ۔

مسٹر سنجے گاندھی کے ۵ نکاتی پروگرام کی عمل آوری کیلئے چیف منسٹر کی اپیل

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ مسٹر سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کی موثر عمل آوری کے ۱۴ ر دسمبر سے آغاز کے لئے پروگرام مدون کریں ۔ ۱۴ ر دسمبر کو سنجے گاندھی کا یوم پیدائش ہے۔ مسٹر انجیا نے کہا کہ ملک کی بھلائی کیلئے مسٹر سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام کی عمل آوری ہر ایک کا رضاکارانہ فرض ہے۔

ایک دفعہ کی بات ہے

کچھ اندھوں نے یہ جاننا چاہا کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے
ایک نے اس کی سونڈ ٹٹولی' دوسرے نے اس کا کان' کسی نے
اس کی ٹانگوں پر ہاتھ پھیرے
تو کسی نے اس کے پیٹ پر۔
ہر ایک کے دماغ میں اس کی الگ الگ تصویر آئی۔
ہاتھی کی صحیح شکل تبھی ان کے ذہن میں آئی جب انھوں نے
اپنے اپنے خیال ایک دوسرے کو بتائے۔

اگر آپ اپنی ریاست' اپنی ذات یا مذہب
کے بارے میں ہی سوچتے رہے تو آپ بھارت
کی اصلی صورت نہ دیکھ پائیں گے۔
چونکہ مختلف پہلوؤں پر مشتمل ایک واحد ہمارا ملک ہے۔
جو بھی اسے ایک مرکب قوم کی شکل میں نہ دیکھ پائے گا
وہ ایک متحد قوم کی عظمت کے احساس سے عاری رہے گا

پورے ملک کے بارے میں
سوچیا اور تمام
بھارتیوں کو اپنے بھائی
سمجھنا سیکھئے۔

قلمی معاونین

سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ' پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں ۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف خوشخط لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر فرمادیں

"ایڈیٹر"

ہندوستان کی تحریک آزادی کے ہر مرحلہ پر ہندو اور مسلمانوں کا برابر حصہ رہا ہے۔ اس دور کے جتنے ہی کانگریسی قائدین گذرے وہ ہندو مسلم یکجہتی کے قائل تھے۔

کانگریس کا نصب العین

کانگریس ہندوستان کے تمام بسنے والوں کی بلا تفریق مذہب و نسل، رنگ و زبان و وطن ایک جماعت رہی۔ جو اہل ہند کے فطری اور ملکی حقوق سلب شدہ کو واپس لانا فریضہ سمجھتی۔ ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرنا اسکا نصب العین تھا ہر ہندوستانی اسکا ممبر ہو سکتا ہے۔ ۷ مسلمان، ۶ عیسائی، ۴ پارسی، باقی ہندو اس عظیم جماعت کے صدر ہو چکے ہیں۔

سلسلہ	نام صدر	سنہ
۱۔	رحمت علی محمد سایانی	۱۸۹۶ء
۲۔	نواب سید محمد بہادر	۱۹۱۳ء
۳۔	حسن امام	۱۹۱۸ء
۴۔	حکیم اجمل خاں	۱۹۲۱ء
۵۔	مولانا محمد علی	۱۹۲۳ء
۶۔	ڈاکٹر ایم اے انصاری	۱۹۲۷ء
۷۔	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۹۲۳ء
		۱۹۳۹ء اور ۴۰-۴۶ء

خلافت اور ترک مواصلات

سنہ ۱۹۲۰ء میں میرٹھ میں خلافت کانفرنس چل رہی تھی۔ گاندھی جی نے اپنا مشہور ترک مواصلات کا نعرہ خلافت اجلاس میں ہی دیا۔ بدیشی کپڑوں کا بائیکاٹ، برٹش سرکار کے دیئے ہوئے خطابوں کو اور اسناد کی واپسی، برٹش حکومت کی ملازمتوں کو استعفیٰ دے دینا اور قومی مدارس قائم کرنا۔ یہہ چار اصول تحریک مواصلت کے اہم فریضے تھے۔

مولانا محمد علی جو اس کانفرنس میں شرکت کر رہے تھے گاندھی جی کے حسب منشاء اپنا ٹائی پھینک کر سودیشی کپڑوں کے استعمال کا اعلان کر دیئے۔

اُن دنوں علی گڈھ یونیورسٹی تحریک خلافت کا مرکز تھا چونکہ تحریک خلافت کانگریس کا اہم جز بنکر رہ گیا تھا۔ اسلئے علی گڈھ سودیشی اندولن میں بھی اپنا اہم حصہ ادا کرنے لگا۔

دوران آزادی تحریک میں جیل جانے والے مسلم قائدین میں تصدق احمد شیروانی پہلے قائد تھے۔ انکے بھائی اُن کے شیروانی سرکاری نوکری ترک کرنے والوں کے صف میں اول تھے۔

مظہر الحق

مظہر الحق بیرسٹر تھے، انکی کمائی خوب تھی۔ ایک نواب کی طرح، ایک راجا کے مانند بڑی خوش و خرم زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر وقت اعلیٰ قیمتی کپڑے پہنتے تھے۔ جب ان پر گاندھی جی کا اثر پڑا۔ بدیشی کپڑے سب خاکستر کر دیئے۔ معمولی کرتا اور پاجامہ پہننے لگے۔ وسکی تو پہلے خوب پیتے تھے وہ بھی بند کر دیئے۔ پٹنہ کا مشہور صداقت آشرم اُن ہی کا قائم شدہ ہے۔

مولانا محمد علی - کہاں شیر کہاں بلّی !

مولانا محمد علی جب علی گڈھ یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ انگریزی میں کافی ہوشیار تھے۔ انکے انگریزی استاد مسٹر ٹپنگ TIPPING محمد علی پر بہت اعلیٰ منصوبے باندھ لئے تھے لیکن محمد علی اپنے استاد کے منصوبوں پر پانی پھیر کر خلافت میں اور کانگریس میں شریک ہو گئے۔

سنہ ۱۹۲۱ء میں مہاتما گاندھی اور علی برادران پٹنہ کے دورہ پر آئے۔ مہاتما جی مظہر الحق کے مہمان رہے۔ اور علی برادران سید محمد کے۔ محمد علی صاحب کے علیگڈھ کے انگریزی استاد اب پٹنہ کالج کے پرنسپل بنکر آئے۔ محمد علی صاحب کا خیال ہوا کہ وہ اپنے پرانے استاد سے مل لیں۔ جب وہ اپنے استاد کے گھر پہنچے تو محمد علی کو دیکھتے ہی مسٹر ٹپنگ آگ بگولہ ہو گئے۔ اور گالی گلوج تک کر دی۔ محمد علی نہایت اطمینان کے ساتھ یہہ سب سنتے رہے اور ہنستے بھی رہے۔ جب استاد بات تک نہ کی تو محمد علی صاحب رخصت چاہی۔

طالب علمی کے زمانہ میں محمد علی شیر کے مانند ہر ایک سے لڑتے جھگڑتے تھے کود پڑتے تھے۔ جب پرنسپل صاحب اپنے طالب علم میں یہہ غیر معمولی فرق پایا تو بہت متاثر ہوئے اور دوسرے ہی دن محمد علی سے ملنے سید محمد کے گھر پہنچے۔

استاد نے یکایک پوچھ ہی لئے "اے محمد تم شیر تھے اب کیسے بلّی ہو کر رہ گئے" محمد علی نے کہا "یہہ گاندھی جی کی تربیت کا اثر ہے"۔

جب تم کل میرے پاس آئے تو میں غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا تھا کیونکہ میں تمہاری ترقی چاہتا تھا۔ تم نے میرے امیدوں کے برخلاف "پرجا سیوا" کی زندگی اختیار کرلی۔ اس غصہ میں میں نے تمہیں چائے تک نہیں دی۔ کل مجھ سے جو غلطی ہو چکی ہے اسکا معافی دینے کے لئے میں اور لیڈی ٹپنگ اب حاضر ہوئے ہیں، تم ہمکو معاف کردو"

اپنے استاد کے یہہ غیر معمولی رویہ سے مولانا صاحب کے آنکھوں سے خوشی کے بوند ٹپکنے لگے۔

"گاندھی کیسے تمہارے لیڈر ؟"

ایک مرتبہ لارڈ نارتھ کلف NORTH CLIFF نے سید محمد (نہرو وزارت میں امور خارجہ کے اسٹیٹ منسٹر) سے پوچھے "مسٹر گاندھی سے تمہارا کیا رشتہ ہے"۔ "وہ ہمارے لیڈر ہیں" سید محمد نے جواب دیا۔

یہہ کیسے ہوسکتا ہے؟ گاندھی تو ہندو ہیں اور تم مسلمان ہو؟"
"یور لارڈ شپ! یہہ آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ ہم دونوں ہندوستانی ہیں" وہ تمہیں نقصان پہنچائینگے، نقصان پہنچائینگے اور نقصان پہنچائیں گے' لارڈ نارتھ کلف نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے تاکہ اسکا اثر کچھ پڑے۔

"میں یقین نہیں کرتا ایسی بڑی زبردست غلطی ہندو بھائی ہم سے کرینگے۔ اگر وہ ہر کیف کر بھی دینگے تو میں یہہ سمجھوں گا کہ ایک بڑا بھائی تقسیم جائیداد میں اپنے چھوٹے بھائی کی حق تلفی کر رہا ہے' یہہ سنکر لارڈ نارتھ کلف بیزار ہوگئے۔

نیتاجی

نیتاجی سبھاش چندر بوس نے اپنی ایک وار کونسل بنائی جیکے سپریم کمانڈر وہ خود تھے۔ انہوں نے گیارہ فوجی افسروں کا ایک وار کونسل بنائی تھی جسمیں پانچ مسلمان آفیسر تھے جنکے نام یہہ ہیں:۔

کرنل ایم زیڈ احمد، کیانی، لفٹننٹ کرنل احسان قادر، کرنل عزیز احمد اور کرنل حبیب الرحمان خاں۔

۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء کو سبھاش بابو نے رنگون میں ہند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے مزار پر ایک جلسہ کو خطاب کیا۔ انہوں نے کہا عجیب اتفاق ہے۔ بلکہ یہہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ ہندوستان کا آخری تاجدار برما میں اور آزاد برما کا آخری تاجدار ہندوستان میں دفن ہیں۔ ہم یہاں کھڑے ہوکر ناقابل تسخیر عزم کا اعادہ کرتے ہیں۔ ہماری آزادی کا آخری پروانہ انسانوں کا شہنشاہ تھا۔ شہنشاہوں میں ایک انسان۔ لہذا ہم انسان کے مرقد کے کھڑے ہوکر آزاد ہند کی آواز بلند کرتے ہیں۔ اور ہم جلد اس سرزمین کو آزاد کرائیں گے۔ میں اپنے عزم کو دوبالا کرنے کے لئے بہادر شاہ ظفر کے شعر پر اختتام کرتا ہوں۔

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی
تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

یہہ بھی عجیب اتفاق کی بات ہے جس جہاز میں سبھاش ... کررہے تھے جسکو حادثہ ہوا تھا اور سبھاش بابو مر گئے اس جہاز پر بریگیڈیر حبیب الرحمان سبھاش بابو کے ساتھ تھے اور سخت زخمی ہو ... سبھاش بابو جب رنگون میں اپنا ایک پھول مالا ہراج کر ... تھے تو بولی ہوئی۔ ایک۔ لاکھ۔ دو لاکھ اور پھر سے ایکدم پانچ لاکھ پانچ لاکھ روپے بولنے والے رنگون کے کمسٹ (حبیب کمیچر) ... حبیب تھے۔ یہہ حبیب آخر دم تک سبھاش بابو کے ساتھی رہے ا ... ایک کروڑ ملکیت کی تمام کمائی جو زندگی بھر کی کوشش تھی سبھاش ... کے قدموں پر ڈالدیئے۔

یہہ مسلمانوں کے چند کلمے ہیں جو تحریک آزادی کے داستان ...

غزل

کسی نے دل کے عوض دے کے اختیار مجھے
یہ کائنات کا سونپا ہے کاروبار مجھے
غم حیات سے گھبراؤں یہ نہیں ممکن
مزاج وقت پہ حاصل ہے اختیار مجھے
ہر ایک چہرہ پہ دھوکہ تمہارے چہرے کا
یہ کس مقام پہ لایا ہے اعتبار مجھے
ہزار جلوے زمانے نے مجھکو دکھلائے
مگر رہا ہے ہمیشہ تمہیں سے پیار مجھے
ہر ایک آنسو میں پوشیدہ اک کہانی ہے
کسی کے غم نے کیا ایسا اشکبار مجھے
میں حال ترک تعلق کا کیا بیاں کردوں
قدم قدم پہ ستاتا یا خیال یار مجھے
زمانہ سمجھے گنہگار تو کیا ہوتا ہے
سراج انکے کرم پہ ہے اعتبار مجھے

سراج قادری

محمد رضی الدین معظّم

آندھرا پردیش

ہر ذی شعور اور ذی علم پر سفر کے فوائد واضح ہیں بغیر سفر کے شعور پختہ نہیں ہوتا اور نہ علم کامل۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ بے حس ہوتا ہے اور اس کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ بتدریج اپنے ادراک سے تجربہ حاصل کرتا ہے۔ غالباً حس پہلا ادراک ہے جو اس کو نصیب ہوتا ہے بعد میں ذائقہ اور بصارت اور قوت شامہ - ان سے وہ تجربات حاصل کرتا ہے پہلے پہل تو ماں کی گود میں پرورش پاتا ہے بعد میں جب رینگنے لگتا ہے تو مکان کے اندر کا تجربہ اسے حاصل ہوتا ہے جب چلنے لگتا ہے تو مکان کے باہر کی حالت معلوم کرتا ہے اور جب بڑا ہوجاتا ہے اور اس میں قدرت ہوتی ہے تو سفر کرتا ہے یہ جتنا سفر کرتا ہے اتنا ہی طاق ہوتا جاتا ہے

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

سفر سے صرف دوسرے مقامات کا معائنہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے افراد اور اقوام کے عادات و اطوار معلوم ہوتے ہیں۔ سفر سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں جاؤ وہاں ہم جیسے انسان ہی بستے ہیں کھانے پہننے میں محبت میں سب یکساں ہیں صرف ظاہری فرق پایا جاتا ہے تو رنگ، زبان، نسل اور رہن سہن کا - اگر انسان سفر کرے اور مختلف لوگوں سے ملے اور انکو سمجھنے لگے تو باہمی نزاع کا خاتمہ اور اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔ دنیا میں جو آئے دن جنگ ہوا کرتی ہے وہ موقوف ہوجائے اور بین الاقوامی صلح جس کے لئے بنی نوع انسان کوشاں ہے قائم ہوجائے۔

قیام آندھرا پردیش : سابق ریاست مدراس کے تلگو بولنے والے علاقوں کو ملاکر سنہ ۱۹۵۳ء میں آندھرا اسٹیٹ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا اور یہ ہندوستان کی پہلی لسانی ریاست تھی لیکن تین برس بعد ریاستوں کی لسانی تنظیم جدید ہوئی تلنگانہ کے (۹) اضلاع کو ملاکر اسے آندھرا پردیش میں تبدیل کردیا گیا۔

ریاست آندھرا پردیش اب (۲۳) اضلاعوں پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ ریاست ہندوستان کی چوتھی بڑی ریاست اور لحاظ رقبہ پانچویں بڑی ریاست ہے، اسکی سرحدات شمال میں مدھیہ پردیش واڑیسہ سے، مشرق میں خلیج بنگال سے جنوب میں مدراس و میسور سے اور مغرب میں مہاراشٹرا و میسور سے ملتی ہیں۔ اس کا رقبہ ۱۰۶۰۲۱ مربع میل پر اور آبادی تقریباً پانچ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ ریاست کا رقبہ ہندوستان کے مجموعی رقبہ کے ۸ء۶ فیصد کے مساوی ہے۔ جہاں تک مواصلاتی نظام کا تعلق ہے یہ ریاست بڑی کلیدی اہمیت کے حامل ہے۔ کیونکہ دہلی سے ٹریونڈرم تک اور بمبئی سے مدراس تک تمام اہم ٹرینیں ریلیں اور ہوائی جہاز اسی راستہ سے ہو کر گزرتے ہیں۔ آندھرا پردیش کو طبعی خصوصیات کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا حصہ پہاڑی خطہ یعنی رائلسیما کے تلا طائی اور ایرا طائی علاقہ اور اضلاع سرکار یہ دوسرا حصہ سطح مرتفع یا بلند حصہ یعنی پورے علاقہ تلنگانہ اور مابقی رائلسیما اور تیسرا حصہ ڈیلٹائی خطے اور ضلع نیلور پر مشتمل ہے۔ آندھرا پردیش کی بلند ترین چوٹی چندراگری ہے جو سطح سمندر سے ۴۹۲۰ فٹ بلند اور بالکل شمالی حصہ میں ہے اس ریاست کے اہم دریا گوداوری کرشنا اور پنیار ہیں جن کی لمبائی علی الترتیب (۹۰۰) (۸۰۰) (۳۷۰) میل ہے اس ریاست کا جنگلاتی علاقہ ایک کروڑ ۴۰ لاکھ ایکڑ پر مشتمل ہے۔

تلگو زبان اس ریاست کے عوام کی غالب اکثریت کی زبان ہے اور ہندوستان کی اس زبان کو اسکی شیرینی اور لطافت کے اعتبار سے مشرق کی اطالوی زبان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ایک قریبی اندازہ کے مطابق تلگو بولنے والے تقریباً زائد از چار کروڑ ہیں۔ وہیں شہر حیدرآباد اور تلنگانہ کے اضلاع میں اردو دوسری سب سے بڑی زبان ہے شہر حیدرآباد تو اردو زبان کے لئے ایک عظیم مرکز ہے۔ آندھرا پردیش کا صدر مقام حیدرآباد ہے۔ یہ ریاست اپنے خوبصورت قدرتی مناظر شاندار آثار قدیمہ اور قدیم و جدید تہذیب کے حسین امتزاج کی بدولت سیاحوں کے لئے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے۔ اب ہم سب سے پہلے شہر حیدرآباد چلیں گے۔

شہر حیدرآباد : شہر حیدرآباد کی تاریخ اس پرکشش تہذیب کے عوامل و عناصر کی ایک داستان ہے۔ اسکے مکینوں کی اس سے محبت تو فطری ہے لیکن ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والے او بیرونی سیاح بھی اعتراف کرتے ہیں کہ حیدرآباد بڑے ہی سکون کی جگہ یہاں کے پانی میں فرحت بخش مٹھاس ہے۔ شہر حیدرآباد کی عمر دنیا کے قدیم شہروں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں تاہم اس نے (۳۹۰) برس ختم کر لئے ہیں۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ پنجم نے ۱۵۹۰ء میں شہر حیدرآباد کی سنگ بنیاد رکھی جہاں اب چارمینار واقع ہے پہلے یہاں موضع چچلم آباد تھ جس میں ممتاز روایات کے مطابق بھاگ متی رہتی تھی اور محمد قلی قطب شا والئ گولکنڈہ اسکی محبت میں گرفتار ہوا تو اسکی محبت کی یادگار کے طور پر بھاگ نگر کو بسایا اور بعد کو اس کو حیدر محل کا خطاب عطا کیا تو شہر کا نام بھ کر حیدرآباد رکھدیا گیا۔ محمد قلی قطب شاہ نے سب سے پہلے شہر کے وسط م چارمینار کا سنگ بنیاد رکھا۔

چارمینار : سیاحوں کے لئے سب سے اولین پرکشش شے چارمینار ہے جس وقت شہر کی بنیاد پڑی تو محمد قلی نے ۱۵۹۰ء ہی میں پہلے چارمینار کی تعمیر کرائی جو مسجد اور تعزیہ (تابوت) کے شبیہ ہے۔ یہ مربع عما شہر کے عین وسط میں پتھر اور گچ سے بنائی گئی اس کے چاروں رخ چاروں اسم کے موافق قائم کئے گئے ہیں اس کی ہر سمت ۶۰ فٹ عریض اور ۴۲ فٹ بلند ہے وسطی عمارت چار عظیم الشان محراب دار دالانوں پر مشتمل ہے۔ جنکا ارتفاع ۴۲ فٹ اور عرض ۳۰ فٹ ہے ان دروں کے بالمقابل چار بڑی شاہراہیں ہیں اوپر آمد و رفت کے لئے کئی زینے بنے ہیں اور بالائی عمارت دو منزلہ ہے جنکا بیرونی رخ خوشنما محرابوں سے معمور ہے اوپر کے چاروں گوشوں پر چار بلند مینار چار درجوں پر منقسم ہیں اور ہر مینار کا ارتفاع ۸۰ فٹ ہے چاروں میناروں کی بلندی سطح زمین سے ۱۶۰ فٹ ہے۔ عہد قطب شاہی میں اس کی پہلی منزل پر مدرسہ اور دار العلوم تھا دوسری منزل پر مسجد اور خزانۂ آب تھا ۱۸۸۹ء میں اسکی دوسری منزل پر چاروں جانب گھڑیاں نصب کی گئیں خاص تقاریب کے موقعہ پر یہ عمارت بقعہ نور بن جاتی ہے۔ چارمینار کی مغربی سمت رخ

کرتے ہی سہاگ کا عجیب و غریب دلکش حسین و جمیل منظر نظر آتا ہے اس سمت پر واقع روڈ "لاڈ بازار" کہلاتی ہے جہاں ان گنت چوڑی فروش خاتون سیاحوں کا دل موہ لیتے ہیں اور سیاح یہاں آکر چوڑیاں خریدتے ہیں اسکے علاوہ زری ایمبرائڈری ورکس کی بیشتر دکانیں اپنا ایک نیا ڈھنگ پیش کرتی ہیں۔ اسی روڈ سے کچھ دور آگے بڑھنے کے بعد شہر حیدرآباد کی مشہور و معروف "مسجد چوک" نظر آتی ہے جو محلہ شاہ گنج میں واقع ہے اسکو خواجہ عبداللہ خاں نامی شخص نے ذاتی صرفہ سے سنہ ۱۸۱۷ء میں تعمیر کروایا تھا اس مسجد کا نظارہ رمضان المبارک میں ایک خاص منظر پیش کرتا ہے جو لائق دید ہے۔

مکہ مسجد : مکہ مسجد چارمینار کے جنوبی سمت پر واقع ہے اس عظیم الشان مسجد کی تعمیر سلطان محمد قطب شاہ سادس نے سنہ ۱۶۱۷ء میں کرائی اور اسکی تعمیر شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ میں اختتام کو پہنچی۔ اس مسجد کی آغاز تعمیر کی نسبت مشہور ہے کہ سلطان محمد قطب شاہ نے علماء کو دعوت عام دے کر فرمایا کہ جس شخص کی نماز قضا نہ ہوئی ہو وہ اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھے لیکن ہزارہا حاضرین میں سے کوئی سامنے نہ آیا اس پر بادشاہ خود یہ کہکر کہ بارہ سال کی عمر سے اس وقت تک میری نماز تہجد بھی کبھی قضا نہ ہوئی ہے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا بلحاظ رفعت و شان دکن میں یہ اس قدر عظیم التربت مسجد ہے کہ بوقت واحد دس ہزار مصلی نماز ادا کر سکتے ہیں مسجد کی عمارت (۲۲۵) فٹ طویل (۱۸۰) فٹ عریض اور (۷۵) فٹ بلند ہے بیرونی احاطہ مستطیل وضع کا ہے جس کا چبوترہ (۳۶۰) فٹ مربع ہے چھت کے نیچے تین قطاریں پندرہ پندرہ کمانوں کی ہیں اور ہر قطار کے آخر میں شمالی جنوبی گوشوں پر سو سو فٹ کے دو گنبد ہیں مسجد تین دالان در دالان پر مشتمل ہے جن کے اندر (۱۵) اور باہر (۵) کمانیں ہیں۔ سامنے کے رخ کے دو مینار اور صدر دروازہ عہد عالمگیری کی یادگار ہے مسجد کے صحن میں کنارہ پر ایک حوض ہے جس پر بوقت واحد میں ایک سو سے زائد افراد وضو کر سکتے ہیں اس مسجد کے بلند ستون ایک ڈال پتھر کے تراشیدہ ہیں صحن کے ایک حجرے میں موئے مبارک اور دوسرے میں تبرکات محفوظ ہیں، بادشاہ نے اس مسجد کا تاریخی نام بیت العتیق $\frac{1023ھ}{1614ء}$ رکھا تھا لیکن اورنگ زیب کے زمانہ میں اس کا نام مکہ مسجد مشہور ہوگیا بادشاہ نے مکہ معظمہ سے مٹی منگوا کر اس کی اینٹیں بنا کر نصب کرائے تھے چنانچہ وسطی کمان کے اوپر یہ اینٹیں آج بھی ہیں۔

چارکمان : چارمینار کے محاذی چار کمانیں واقع ہیں جسے سلطان قطب شاہ ششم نے بنوایا ہے۔ عام طور پر چاروں کمانیں جلوخانہ شاہی کے نام سے موسوم تھیں آج ان تمام سے پکاری جاتی ہیں۔ شمالی جانب کی مچھلی کمان ، جنوبی جانب کی چارکمان، مشرقی جانب کالی کمان جہاں جہاں مشہور و معروف گورنمنٹ ہائی اسکول دارالعلوم واقع ہے۔ اور مغربی جانب کمان کے اندر سے شہر کے چاروں طرف چار شاہراہیں ان کمانوں کی بلندی کا یہ حال ہے کہ ایک بلند ترین ہاتھی عماری کے ساتھ بآسانی ان میں سے گذر جاتا ہے ۔ چارکمانوں کے عین وسط میں ایک حوض ہے جس کا نظارہ چاروں سمتوں سے ہوتا ہے اس لئے اس کا نام چارسو (طرف) کا حوض تھا کثرت استعمال سے سوکھا حوض مشہور ہوگیا۔ اب یہ گلزار حوض کے نام سے موسوم ہے یہی وجہ ہے کہ آج اسکے اطراف سونے چاندی کا زبردست کاروباری مرکز قائم ہے۔

سالار جنگ میوزیم : موسیٰ ندی کے کنارے سالار جنگ میوزیم عجائبات عالم کا وہ مجموعہ ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے سارے ایشیاء میں بے نظیر ہے۔ اور اس نظر سے کہ یہ ایک تنفس کا جمع کردہ عجائب خانہ ہے نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ سوم نے ساری زندگی اپنی دولت نوادرات کے فراہم کرنے میں صرف کردی اور انکی تنہا کوششوں نے ملک کے لئے ایک ایسا سرمایہ مہیا کردیا جس پر تاریخ ناز کرتی ہے۔ میوزیم کے ہر شعبہ میں نوادرات کی کثرت انوکھا پن اور دلچسپی دیکھنے والوں کو محو حیرت کردیتی ہے۔ سالار جنگ میوزیم آندھرا پردیش کے لئے سرمایۂ افتخار ہے اور ملک کے لئے عظمت و وقار کا سرمایہ ۔ اگر کوئی بھی تحقیق و جستجو سے کام لے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جتنے بھی میوزیم یا

عجائب گھر ہیں وہ سب اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہیں جیسیں حکومت
دسربراہان ملکوں کا نمایاں ہاتھ رہا ہے لیکن سالار جنگ میوزیم اس
خصوصیت کا حامل ہے جو صرف ایک شخص واحد کے بے نظیر جسارت
لیکی دعظیم شوق کے باعث ممتاز و معظم ہے۔

قلعہ گولکنڈہ : کوہ نور کی شہرت کا حامل پرانے
پل سے مغربی سمت میں دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ گولکنڈہ حقیقت
میں نہایت قدیم قلعہ کا نام ہے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی پر بنا ہوا ہے۔
جو (۴۰۰) فٹ بلند ہے سلطان محمد قلی نے صوبہ دار ہونے کے بعد پھر
چونے سے حصار اور قلعہ سے نیچے حصار کے باہر پہاڑی کے اطراف مکانات
اور بازار بنوائے اور ایک مسجد جامع بھی تعمیر کی جو مسجد صفا کے نام سے
مشہور ہے اسی مسجد میں سنہ ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء میں میر محمود بخشی نے سلطان قلی قطب
شاہ کو بحالت نماز شہید کر دیا۔ پہاڑی پر قلعہ کے اندر شاہی محلات
انبار خانے اور اسلحہ خانے کی عمارات اور بارود گولی کے کوٹھے بنے ہوئے تھے
جیکے شکستہ آثار اس وقت بھی موجود ہیں۔ محلات کے پہلو میں ایک زمین دوز
دروازہ ہے۔ یہاں سے حیدرآباد تک زمین کے نیچے سرنگ کے ذریعہ گوشہ محل تک
جانے کے راستے تھے اور ان ہی راستوں سے قطب شاہی بادشاہوں نے
حیدرآباد سے گولکنڈہ آیا جایا کرتے تھے۔ قلعہ تاریخی پر فضا اور قابل دید مقام ہے۔

قطب شاہی گنبدیں : پٹن چرو
دروازہ سے ایک ہزار قدم کے فاصلہ پر محصور احاطہ میں شاہان گولکنڈہ
کے گنبدیں واقع ہیں۔ فی الحال یہ مقام قطب شاہی گنبدوں کے نام سے مشہور
ہے۔ سلطان قلی قطب شاہ نے گنبد کو جس میں وہ مدفون ہیں اپنی زندگی
میں ہی تعمیر کرایا تھا یہ مقبرہ ایک مربع چبوترہ پر بنا ہوا ہے۔ اس گنبد کے اندر
تین قبور اور بیرونی چبوترہ پر ۲۱ قبور سنگ سیاہ کی ہیں۔ شاہان گولکنڈہ
کے ان مقبروں کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل تھا کہ تمام مقبرے اس
قدر متبرک متصور تھے کہ جب کوئی مجرم ان میں داخل ہوتا تو خواہ اس سے کیسا
ہی جرم سرزد ہو معاف کر دیا جاتا تھا۔ قطب شاہی زمانے میں یہ گنبد فرش
و فانوس سے آراستہ رہتے تھے۔ بادشاہوں کی گنبدوں کے کلس پر بطور
نشان امتیاز کے طلائی نصب ہوتا تھا اس زمانہ میں ان گنبدوں کے اندر
دنا کس کا گذر مشکل تھا، جب ان کی حالت ابتر ہوگئی تو سالار جنگ اول
نے ان کے اطراف حصار بنوا کر گنبدوں کی صفائی اور مرمت کرادی آج کل
محکمہ آثار قدیمہ اس کی حفاظت تن دہی سے کرتا ہے، سیاحوں کے لئے یہ مقام
محو حیرت ہے جب انکو یہ دیکھتے ہیں تو انکی نظریں خیرہ ہوجاتی ہیں۔

نہرو زوالوجیکل پارک : پرانے پل کی
سمت حیدرآباد کے نہرو زوالوجیکل پارک کا شمار دنیا کے سب سے عظیم
و جمیل چڑیا گھروں میں شمار ہوتا ہے جو تین سو ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا ہے
یہاں خندقوں کے ذریعہ حصار بندی کے طریقہ کو اپنا کر جانوروں و پرندوں
کو قدرتی ماحول میں رکھا گیا ہے اور مزہ تو یہ ہے ہر دیکھنے والا
بلا جھجک قریب سے دیکھکر لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کی ایک اور خوبی
یہ ہے کہ اسمیں ایک "پری ہسٹری پارک" کے شعبہ میں دیو ہیکل جانوروں
کے ڈھانچے ہیں جو اب بھی اپنی اصلیت ظاہر کرتے ہیں۔ عنقریب
میں ایک "لائن سفری پارک" کا اضافہ عمل میں آیا ہے جسمیں شائقین
ایک پنجرہ نما گاڑی میں سوار ہوکر ببر کے قریب جاکر اسکا قدرتی
ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو ہندوستان اور جنوبی مشرقی ایشیا میں
سب سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اسکے علاوہ یہاں حیات قدیم کا میوزیم، قدرتی
تاریخی میوزیم، بچوں کی ریل گاڑی سیاحوں کے لئے پرکشش ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی : ۱۹۱۷ء میں نظام
آف حیدرآباد کے فرمان کے ذریعہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ایک عہد آفرین اقدام
ہے اور اسکی عالیشان عمارت پہلی ہی نظر میں سیاحوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی
ہے۔ کیونکہ جدید ہندوستان میں پہلی بار ایک ہندوستانی زبان "اردو" کو
اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ بعد میں اردو ذریعہ تعلیم ہونے کا لزوم
برخاست ہوگیا۔ اور آج صرف انگریزی میں جوابات دینے کا لزوم ہے

فلک نما : دور آصفیہ کی یہ عمارت بھی تاریخی
اہمیت کی حامل ہے سلطان قلی قطب شاہ نے محل "کوہ نور" کے نام سے
سہ منزلہ عمارت اس مقام پر تعمیر کی تھی جہاں اب فلک نما ہے جسکو

[illegible] ۔ اس محل کا ہر ایک چیز تفریح [illegible] کا عمدہ ذریعہ ہے اور صناعی کا ایک بیش بہا نمونہ ہے فلک نما پر سے بائیں طرف کو ایک ٹیلے پر کے [illegible] کا خوبصورت تالاب نظر آتا ہے اور یہاں سے پورا شہر حیدرآباد دکھائی دیتا ہے۔ گولکنڈہ سے بلارم تک کوئی جگہ نظروں سے [illegible] نہیں رہتی اسکے علاوہ محل کی شاندار بلند خوبصورت عمارت ہے جو حیدرآباد کی دوسری تمام عمارتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے اس کے [illegible] اور وسیع کمرے طویل اور عریض شہ نشین اور خوبصورت برج تعمیراتی [illegible] خصوصیت کی حامل ہے ایک اور خصوصیت خوشنما حسین آراستگی ہے۔ آراستگی میں فرنیچر شیشہ کے آلات فوٹو مصوری اور آرٹ کے نمونے وغیرہ سیاح کا دل موہ لیتے ہیں بلکہ اس محل کو دیکھنے والا اپنی بھوک پیاس تک بھول جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اک پرشاہ مرداں کی تجلی ہے۔

آندھرا پردیش میں سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات صرف حیدرآباد ہی تک محدود نہیں بلکہ ساری ریاست میں پھیلے ہوئے ہیں بخوف طوالت ذیل میں کچھ مشہور و معروف مقامات کا تذکرہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

بھدرا چلم : سری رام چندرجی کے نام کا مندر بھدراچلم گوداوری کے کنارے رام داس جی نے ابوالحسن تاناشاہ کے زمانہ میں بنوایا تھا مشہور ہے کہ سیتا جی کے ہدست ہونے کے بعد رام چندرجی یہاں بھدرا نامی سادھو سے بھینٹ کئے اسی یاد میں یہ مندر تعمیر ہوا اور ہزار ہا یاتری اسکے درشن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

ھنمکنڈہ : تاریخ میں ہنمکنڈہ کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہاں کا ہزار ستون کا دیول ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اس دیول کا بانی راجہ پرولے راج تھا - اس مندر کے ستون نہایت سڈول ہونے کے ساتھ ساتھ اس عظیم الشان مندر کی چھت کے ساتھ متناسب ہیں۔ عام منادر کے مقابلہ میں اس مندر کا اندرونی حصہ کافی وسیع ہے۔ اس کے نقش و نگار سے آراستہ ستون منقش سنگی [illegible] دروازے خوشنما جالدار سنگی اوٹ اور ایک ڈالی پتھر کے تراشیدہ "نندی" قابل دید ہیں سنہ ۱۱۶۲ء میں اسکی تکمیل ہوئی اس مندر کی تعمیر شیو، وشنو اور سوریہ کی پرستش کے لئے ہوئی تھی۔

قلعہ ورنگل : راجہ گنپتی دیوا نے یہاں قلعہ کی تعمیر کی قلعہ کے اندر دو بڑی باؤلیاں ہیں اندرونی باولی سنگی اور بیرونی مٹی کی ہے اسکے چار دروازے ہیں شمالی و جنوبی دروازے بند رہتے ہیں اور مشرقی و مغربی دروازے کھلے ہیں جن کے دونوں طرف ببر کے مجسمے کندہ ہیں اور دروازوں کے دونوں طرف کئی سو گز کی لمبی سیڑھیاں برجوں پر جانے کے لئے بنی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے وسط میں ایک نامکمل دیول ہے جو سنگی ستونوں اور تراشیدہ چار دروازوں پر مشتمل ہے۔ قلعہ کے اندر کئی چھوٹے دیول پھیلے ہوئے ہیں یہاں سیاحوں کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

رامپّا تالاب : ورنگل میں رامپّا کا تالاب خاص طور پر قابل دید ہے اس کا مندر بھی ہے جو دیول رامپا کہلاتا ہے اس میں ایک حجرہ ہے جس میں دیوی رکھی ہے اسکے سامنے ان گنت ستونوں کا وسیع دالان ہے اسکی خصوصیت یہ ہے کہ ستونوں کے بالائی گوشوں سے مورتیاں نکل کر مندر کی چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ دیکھنے والے محو حیرت بن جاتے ہیں۔

لکشمی نرسمہواں سوامی بھونگیر کا مندر ۔ یہ بھونگیر کے موضع یادگار پلی میں ایک مرتفع پہاڑ پر واقع ہے جہاں کئی دھرم شالے ہیں یہاں ایک مدرسہ بھی ہے اسکے سالانہ جاترا کے موقع پر زائرین کے لئے مندر کی جانب سے مفت کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔

مندر جوتکور : شنکر پلی ۱۲ میل شمالی جانب ایک تراشا ہوا خوبصورت مندر ہے جس کے تعمیر کی خوبی یہ ہے کہ اوپر کے پتھر کے سل میں ایک چھوٹا سا موسل بنا کر نیچے کے پتھر میں اسی کے برابر اوکھلی میں موسل بٹھا کر پوری عمارت کی تعمیر چونے کی بندش کے بغیر کی گئی ہے، جو دیکھنے کے قابل ہے۔

مندر گھنپور : میدک سے ۹ میل جنوب

مغربی سمت لگایت فرقہ کے دو مندر ہیں آہیں ندی کا مجسمہ ہے یہ راجیشور مندر اور انگیشور سوامی مندر کے نام سے منسوب ہیں۔ قابل دید ہے۔

مسجد کوماٹور: میدک سے ۲ میل کے فاصلہ پر ایک نفیس مسجد مصفا پتھر کی چونا کی بندش کے بغیر پتھر کی سل پر سل رکھکر تعمیر کی گئی ہے قابلِ دید ہے۔

مندر ناگ سال پلی: میدک سے سات میل دو مانجرا ندی کے کنارے چٹان کے پہلو میں ایک غار ہے جسمیں ڈرگما دیوی کی مورتی ہے شیوراتری کے موقع پر ہزار ہا یاتری اس کے درشن کرتے ہیں۔

کلیگور: ضلع میدک کے اس قصبہ میں چھ مندر ہیں جسمیں ایک کاشی ناتھ کا مندر ہے جو سنگتراشی و گلکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک چبوترہ ہے جسکی سنگی چھت آٹھ ستونوں پر کھڑی ہے۔

سری سیلم: یہ ضلع کرنول میں دریائے کرشنا کے جنوبی ساحل پر رشیا نامی پہاڑی پر ایک مشہور مندر ہے جو شیوا جی سے منسوب ہے یہ ویدوں کے زمانہ سے پہلے قائم تھے اس میں ملک ارجن سوامی کا تب خود ساختہ تصور کیا جاتا ہے اس کی تعمیر کا کتبہ خاندان کے عظیم حکمرانوں کی سرپرستی سے ہوئی تھی۔

تروپتی: ضلع چتور کے چندراگری تعلقہ میں تروپتی ایک اور مشہور مندر ہے کہا جاتا ہے کہ تروپتی کا یہ مندر ہندوستان کے قدیم مندروں میں سے ایک ہے ہندوؤں کے پرانوں اور شاستروں میں اس مندر کی تعریف ملتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس مندر کے دیوتا شری وینکٹشورا سوامی کی پوجا ہی کسی زائر کو مکمل نجات ملتی ہے عہد عتیق میں ساوتھ انڈیا کے پلوا چولہ اور پانڈیا راجاؤں کی سرپرستی حاصل تھی یہ مندر دراصل سات چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا مجموعہ ہے یہ پہاڑیاں پرانوں کی روایت کے مطابق ناگ دیوتا آدی شیش کا جسم کہلاتی ہیں جس پر محافظ عالم دیوتا وشنو جی نے آرام کیا تھا ان پہاڑیوں کی چوٹیاں ناگ دیوتا شری آدی شیش کے سات پھن تصور ہیں جن پر وینکٹ چلپتی محو رقص ہیں۔ یہ پہاڑ سیاحوں کا زبردست توجہ کا مرکز ہے زائرین کا عقیدہ ہے کہ ان کے درشن کے بعد دلی مرادیں بر آتی ہیں اور خطرات و آفات سے محفوظ رہتے ہیں۔

لیپاکشی: ہندوپور ریلوے اسٹیشن سے ۱۰ میل کے فاصلے پر لیپاکشی ایک چھوٹا سا خوبصورت مندر ہے وجیا نگر دور کا یہ خوبصورت مندر اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ یہاں شیو اور وشنو ایک جگہ ہیں اسکی تراش خراش دیدہ زیب ہے یہاں ایک عظیم الشان بیل کا مجسمہ ہے جو بیس فٹ اونچا اور ۲۷ فٹ لمبا ہے۔

وجئے واڑہ: یہاں بھی سیاحوں کے لئے دلچسپی کا نیا مرکز قائم ہوگیا ہے جو گاندھی کا حسین مجسمہ نصب ہے اور جہاں آواز اور روشنی کے پروگرام پیش ہوتے ہیں۔ یہاں کا کنکا درگا مندر بھی سیاحوں کے لئے توجہ کا مرکز ہے اسکے علاوہ کرشنا بیاریج دیکھنے کے قابل ہے۔

بندرگاہ وشاکھاپٹنم: یہ بندرگاہ بھی بھارت کی قدرتی بندرگاہ ہے جو ریل و ہوائی جہاز کے ذریعہ دوسرے شہروں سے مربوط ہے آج کل یہ اہم اور صنعتی مرکز بنتا جا رہا ہے اور برآمداتی تجارت کے لئے کافی پیش رفت ہو رہی ہے ہندوستان شپ یارڈ آئیل ریفائنری اور آندھرا یونیورسٹی کے باعث اسکی رونق اور چہل پہل خوب بڑھ گئی ہے اور سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اس کا ساحل بہت ہی خوبصورت ہے اس سے ۱۶ کلو میٹر دور اراکو وادی اپنے حسین و جمیل مناظر کے لئے خوب شہرت رکھتی ہے۔

ھارسلی ھل اسٹیشن: آندھرا پردیش میں ایک چھوٹا سا لیکن نہایت ہی دیدہ زیب فرحت بخش حسین و جمیل ہل اسٹیشن ہارسلی ہلز واقع ہے جسکی وادیاں پُر فضا اور خوش منظر ہیں جو مدن پلی سے ۵۱ کلو میٹر پر واقع ہے یہاں سیاح گرمیاں گذارتے آتے ہیں اور جنت کے تصور میں کھو جاتے ہیں۔

الغرض آندھرا پردیش اتنی وسیع تاریخی ریاست ہے کہ اس میں بے پناہ تاریخی مقامات مشہور قلعہ جات، فن تعمیر کے نادر نمونے

غزل

ڈاکٹر نریش

آئینوں کو نہ کوسیئے صاحب
اپنا چہرہ تو دیکھئے صاحب

دیر تک ہونٹ آپ نہ سی دیں گے
تلخ ہے سچ نہ بولیئے صاحب

حسرت کو بہت ہے دیدۂ تر
یوں نہ دامن بھگوئیے صاحب

دل اب ایسا جنوں پسند نہیں
بے سبب اب نہ روٹھیئے صاحب

آج تازہ ہوا کا خدشہ ہے
آج کھڑکی نہ کھولیئے صاحب

دورِ حاضر میں خدو خال کی نریش
خودکشی کی نہ سوچیئے صاحب

عجائب گھر قدیمی مناظر بڑے بڑے دریا خوبصورت آبشار ہر مذہب کی عبادت گاہوں سے مالا مال ہے اپنے اس مختصر سے مضمون میں ہر ایک کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں سیاحت یا سیاحت ایک اہم صنعت ہے جسکے ذریعہ کافی زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے اس طرح آندھرا پردیش واقعی سیاحوں کے لئے ایک جنت ہے جسکو دیکھکر دل ہرگز نہیں بھرتا اور سیاح اس جنت کو چھوڑنے پر ہمیشہ ملول رہتے ہیں۔

حکومت آندھرا پردیش عموماً اور محکمۂ سیاحت و محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ خصوصاً سیاحوں کو ہر ممکنہ امداد و سہولتیں پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ●●

قومی یکجہتی

معین فیاضی

یہ ہے میرا وطن
میرا ہندوستان
اس میں مسجد بھی ہے
کلیسا کے مینار بھی ظوفشاں
اس میں مندر بھی ہے
گردوارہ بھی ہے
اس میں ناقوس بھی ہے
اذاں کی صدائیں بھی ہیں
لوگ مائل بہ رب ہو رہے ہیں
اس میں گھنٹے کی آواز بھی ہے
گردوارہ بھی وحدت کے گن گا رہا ہے
سب کا مقصد ہے اک
سب کی منزل بھی یکساں ۔ یہاں
سب کے سب پر خدا کی محبت کا یکساں اثر
ایسے ماحول میں
سب ہیں پیارے مجھے
ان کی انسانیت سے عبارت رہا
یہ معینؔ کی دعا ہے
یہ وطن میرا ہندوستان
شاد آباد رہے
اور یہ ہم وطن
سراپا نشانی رہے
امن کی
پیار کی

اردو ادب میں آج بھی ادبی لطائف خصوصی توجہ کے محتاج ہیں یوں تو ادبی لطائف کا آغاز بیسویں صدی کی ابتداء ہی سے شروع ہوچکا تھا، ضمنی طور پر خواجہ الطاف حسین حالی اور محمد حسین آزاد نے اپنی شاہکار تصانیف "آب حیات" اور "یادگار حالی" میں کچھ لطائف جمع کئے تھے اس کے بعد عبدالباری آسی نے اپنی تصنیف "خندۂ گل" میں کچھ ظریف شعراء کے لطائف کو یکجا کر کے شائع کیا تھا۔ نریش کمار شاد مرحوم ایک عرصہ تک ہند و پاک کے مقتدر رسائل میں مختلف شعراء اور ادبا کے لطائف جب تک وہ بقید حیات تھے لطائف شائع کراتے رہے۔

علامہ اقبال کا جشن صد سالہ سالگرہ پوری دنیا میں دھوم دھام سے منایا گیا۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور اب علامہ کے فن کو نئے نئے زاویوں سے پرکھا جا رہا ہے۔ میں اب ذیل میں علامہ اقبال کے کچھ لطائف درج کر رہی ہوں۔

وطن کی بہنیں

علامہ اقبال کے ہاں مولوی انشاء اللہ خاں مدیر "اخبار وطن" آیا جایا کرتے تھے ان دنوں ڈاکٹر صاحب انارکلی میں قیام فرما تھے۔ انار کلی میں کشمیری طوائفیں بھی رہتی تھیں۔ میونسپلٹی نے طوائفوں کے لئے دوسری جگہ تجویز کی اور انہیں وہاں سے اٹھوا دیا گیا اس زمانے میں مولوی انشاء اللہ صاحب کئی مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئے آئے لیکن ہر مرتبہ یہی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن جب مولوی صاحب آئے تب ڈاکٹر صاحب گھر پر موجود تھے مولوی صاحب نے پوچھا

جب سے طوائفیں انارکلی سے اٹھوا دی گئی ہیں آپ کا دل بھی یہاں نہیں لگتا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا

"مولوی صاحب آخر وہ بھی تو وطن کی بہنیں ہیں"۔

میموں کا سایہ

شیخ محمد حبیب اللہ سیدن پور ضلع بارہ بنکی یو، پی کے معروف و مشہور تعلقہ دار تھے اور اودھ کے دوسرے تعلقہ داروں کی طرح زیادہ تر لکھنؤ میں رہا کرتے تھے۔ ان دنوں بچوں کی ولایت بھیج کر تعلیم حاصل کرانا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی چنانچہ علی بہادر بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ عالم کم سنی میں لندن بھیج دئے گئے، آٹھ سال کی عمر میں لندن جانا اور پورے پندرہ سال بعد وہاں سے وطن واپس ہوئے۔ اس زمانے میں پندرہ سال کا عرصہ بڑی غیر معمولی بات تھی، سوجھ بوجھ کے ساتھ سیاسیات میں حصہ لینا بھی شروع کیا جب وہ مسلم لیگ کے کارکن کی حیثیت سے لاہور آئے اور ڈاکٹر اقبال سے بطور خاص ملاقات کی

تو ڈاکٹر صاحب نے ان سے دریافت کیا

"کیوں بھئی ولایت ہو آئے"

اس کے جواب میں وہ فخریہ انداز میں بولے۔

"جی ہاں میں تو آٹھ سال کی عمر ہی میں انگلینڈ چلا گیا تھا"

اس جواب کو سن کر ڈاکٹر صاحب کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی اور وہ یک لخت یوں بول اٹھے۔

"پھر آپ کو یوں کہنا چاہیئے۔

"میموں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں"۔

تہذیب کا پیمانہ

ایک مرتبہ تہذیب و تمدن کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک شخص نے کہا تہذیب بڑی نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ذرا مجھے بھی تو بتائیے کہ آپ نے تہذیب کو کس پیمانے سے ناپ کے یہ معلوم کیا ہے کہ وہ برابر ترقی کرتی جا رہی ہے۔ اگر آپ کے پاس تہذیب کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ دورِ حاضر میں تہذیب روبہ تنزل ہے۔

شاعر کی آنکھیں

ایک مرتبہ فقیر وحید الدین نے زمانہ کی قدر شناسی کا ذکر کیا اور کہا کہ لوگ اپنے ملک کے بڑے بڑے شاعروں قومی رہنماؤں اور عظیم المرتبت انسانوں کی زندگی میں ان کی قدر نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب اس سوال سے بہت متاثر ہوئے اور کسی قدر تامل کے بعد فرمایا تم غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوئی ہوتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور جب شاعر کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور وہ صدیوں تک اسکی تعریف و توصیف کے گیت گاتی رہتی ہے۔

کُتّے

سید واجد علی کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا ایک مرتبہ فقیر وحید الدین صاحب سید واجد علی کے ساتھ علامہ اقبال سے ملنے انکی کار میں آئے۔ کار میں واجد علی صاحب کے کُتّے بھی تھے۔ اور

وہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے اندر چلے گئے اور کتوں کو کار ہی میں چھوڑ آئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد علامہ اقبال کی بیٹی منیرہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی

"ابا جان موٹر میں کتے آئے ہیں"

ڈاکٹر اقبال واجد علی صاحب اور فقیر وحید الدین صاحب کو دیکھ کر کہنے لگے

"نہیں بیٹا یہ تو آدمی ہیں"

کاڈلیور آئل

لارڈ کچنر جو ایک زمانہ میں ہند کا کمانڈر ان چیف تھا وہ بڑے مشہور برطانوی جرنیلوں میں سے تھا۔ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران وہ ڈوب چکا تھا جس طرح آج ہٹلر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے اور دنیا کے سامنے آنے کے لئے مناسب موقع کا منتظر ہے اسی طرح کچنر کے متعلق بھی یہ افسانہ تراشا گیا تھا کہ وہ ڈوبا نہیں زندہ ہے۔

ڈاکٹر اقبال ایک روز والد بزرگوار کے ساتھ محوِ گفتگو تھے اتنے میں ایک خوش فکر بزرگوار نے کہا۔

"سنا ہے کچنر زندہ ہوگیا ہے"

تب ڈاکٹر اقبال نے یک لخت جواب دیا، ممکن ہے کاڈلیور آئل کی صورت میں آگیا ہو۔

بیاڈ پوئٹری

۱۹۱۸ء کا ذکر ہے کہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک مزاحیہ مشاعرہ ہوا ڈاکٹر محمد اقبال صدر مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ سنجیدہ اور فکر آمیز شاعری کی بجائے بے تکلفانہ انداز میں ظرافت آمیز شاعری سے سامعین کی تواضع کی جائے ریاض قریشی صاحب اس وقت ایف اے کے طالب علم تھے۔ وہ مہری چند اختر مرحوم کی ایک نظم پر پیروڈی کہہ لائے۔ اور انہوں نے اسٹیج پر اس انداز کے شعر پڑھے۔

کہا تھوڑی سی ہے پی لوں کہا تھوڑی سی جیسے پی لو
کہا قرآن کا ڈر ہے کہا قرآن تو ہوگا
کہا میں جھوٹ بھی بولوں کہا تم جھوٹ بھی بولو
کہا ایمان کا ڈر ہے کہا ایمان تو ہوگا

ان اشعار نے مشاعرہ گاہ کو دیوار قہقہہ بنا دیا لوگ ہنسی کے مارے لوٹے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ریاض قریشی کو BAD POETRY کا پہلا انعام مرحمت فرمایا۔ ●●

غزل

فاروق شکیل

وقت بے وقت آزمانا کیا
ہم کو سمجھا نہیں زمانا کیا

برق کچھ تو رکھے وقار اپنا
چار تنکوں کا آشیانا کیا

ذکر رخسار کے مقابل میں
پھول کیا پھول کا فسانا کیا

آنکھ والوں کے سامنے آؤ
آنکھ سے چھپ کے آزمانا کیا

ضبطِ غم کے طریقے اور بھی ہیں
یہ ضروری ہے مسکرانا کیا

چشمِ گل میں ہیں شبنمی آنسو
سن لیا ہے مرا فسانہ کیا

جاگ اٹھا ہے شعورِ سجدہ شکیل
آگیا ان کا آستانا کیا

لیلیٰ لکھنوی

آج بڑے بڑے انکشافات ہو رہے تھے۔ وہ راز جو اندھیرے اور بند کمروں اور گرمیوں کی تپتی چھتوں پر پوری پوری ہوتے تھے ایک ایک کر کے روز روشن کی طرح عیاں ہو رہے تھے۔ گھر بھر میں کھلبلی سی مچ گئی ـــــ لیکن شیداں کی نگاہوں میں اس لمحے بھی کسی قسم کی شرمندگی یا ندامت کا دور دور تک کہیں گذر نہ تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے حیائی سے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھر بھر کے سامنے کھڑی تھی جیسے جو کچھ ہوا تھا وہ آج بھی وہی سب کچھ تھا جو موقع ملنے پر آئے دن چھپ چھپ کر ہوا کرتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے گھر والوں کی لاعلمی میں یہ سب ہوتا تھا اور آج وہ اُن کے علم میں تھا۔ ورنہ واقعہ کی نوعیت میں کوئی خصوصیت یا اہمیت نہ تھی۔

شادی کا نیا سرخ جوڑا جگہ جگہ سے مسکا ہوا تھا اور اس کے اندر سے اس کا صبر و قرار لوٹ لینے والا حسن اور پتلی کمر کی دلربائی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ ڈھٹائی کے ساتھ سینہ تانے کھڑی تھی جیسے کوئی بڑا معرکہ فتح کر کے آئی تھی۔ رات کے بچھڑوں اور عطر کی مہک سے اس کا سارا بدن اور فضا بوجھل ہو رہی تھی۔ گہرے سانولے چہرے پر روپہلی و سنہری افشاں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھی جس کو رات میں بڑی فن کاری کے ساتھ اس کی مانگ، پیشانی اور آنکھوں کے پپوٹوں پر لگایا گیا تھا۔

سسرال سے شیداں کی اچانک آمد اور اس کی ساس کی مختصر سی تحریر نے گھر کے ماحول میں عجب سنسنی سی پیدا کر دی تھی۔ ہر ایک کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بیگم رضا نے لرزتے ہاتھوں اور ڈبڈبائی آنکھوں سے وہ خط پڑھا۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے سخت شرمندگی اور ندامت ہے کہ جس لڑکی کو ہم بڑے ارمانوں سے اپنے گھر کی زینت اور عزت سمجھ کر اپنی بیٹی کی طرح لائے تھے وہ اس گھر میں قدم رکھنے سے قبل اپنی عصمت اور آبرو کھو چکی تھی ہم لوگ غریب مزدور ہیں مگر اس بے عزتی اور ذلت کو ہمارا بیٹا اور ہم برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ لہٰذا شیداں کو واپس بھیج رہی ہوں۔ طلاق نامہ مع جہیز کے شام تک آپ کے یہاں پہنچ جائے گا۔

بیگم رضا سکتے کے عالم میں خط کی عبارت کو بار بار پڑھ رہی

تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا انہیں یہ کبھی وہم وگمان بھی نہ تھا کہ جس یتیم و اسیر لڑکی انہوں نے اس قدر محبت وخلوص سے پالا وپرورش کیا اور تعلیم دلائی وہ لڑکی ان کی اور ان کے خاندان کی رسوائی اور بدنامی کا باعث ثابت ہوگی۔ پاس حیرت سے کھڑی شمی بوا نے فقرہ کسا۔ آج وہ شیداں سے جنم جنم کے بدلے لینا چاہتی تھیں اور یہ موقع تو بہترین تھا۔

" ارے بیگم صاحب! مجھے تو پہلے ہی اس کے طور طریق دیکھکر شک تھا کہ یہ ایک نہ ایک دن کوئی گل ضرور کھلائے گی۔ ہائے ایسی بے عزتی کرنے سے پہلے یہ نامراد مر کیوں نہ گئی؟ ایسی عبادت گزار اور نیک ماں کی ایسی بدکار اولاد! جب دیکھو جب آئینے کے سامنے کھڑی بن سنور رہی ہے۔ کالے منہ پر پاوڈر اور کریم تھوپ رہی ہے۔ صبح سے شام تک فلمی عاشقیہ گانے گا رہی ہے۔ بھلا یہ شریف لڑکیوں کے چلن ہیں؟ جب بڑے سرکار کے کانوں تک یہ خبر جائے گی تو اس کی ہڈی پسلی کا سرمہ بنادیں گے۔ اتنے ذی مرتبہ گھر پر کلنک کا ٹیکا لگادیا حرافہ نے۔"

یہ حقیقت تھی کتنے چاہ و پیار سے بیگم رضا نے شیداں کی شادی کے موقع پر دینے کے لئے ایک سے ایک کپڑے سلوائے تھے' اس کی پسند کے زیورات خریدے تھے جن کو دیکھ کر وہ کھل اُٹھی تھی۔ بار بار وہ ایک ایک زیور کو اٹھا اٹھا کر دیکھتی اور کہتی " ہائے اللہ کتنے پیارے ہیں" پھر اس کی التجائیں اس کی آنکھوں میں سمٹ آتیں۔ " اللہ بی بی.... جھمکے ابھی پہننے کے لئے دیدیجئے۔" بیگم رضا کا دل پسیج جاتا " تیری شادی پر دینے کے لئے بنوائے ہیں ابھی سے پہنکر خراب کردے گی۔" اور وہ اُن کے قدموں سے چمٹ جاتی —— " بی بی سچ کہتی ہوں اپنی جان سے زیادہ خیال رکھوں گی کیا ممکن جو خراب ہوں" اور اس نے ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر جھٹ جھمکے سرخ کیس میں سے نکال کر کانوں میں پہن لیے اس دن وہ جڑاؤ چمکتے جھمکے پہنے بڑی شان اور عشوہ ادائی کے ساتھ گھر بھر میں اتراتی پھری۔ باربار آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی جس کو دیکھ کر شمی بوا نے جل کر کہا تھا " یہ لڑکی کچھ کرکے رہے گی بھلا یہ شریفوں کے چلن ہیں" —— اور اس نے ان کا فقرہ سن کر تپ کر تڑاخ سے جواب دیا تھا۔

" اے شمی بوا ذرا اپنی زبان کو لگام دو ورنہ پھر میں بھی ایسی کھری کھری سناؤں گی کہ تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا بہت زبان نہ چلاؤ" اگر درمیان میں بیگم رضا بیچ بچاؤ نہ کرتیں تو لڑائی بہت طول پکڑ لیتی وہ گھر بھر کی چہیتی اور منہ چڑھی تھی۔ کیا بڑے سرکار اور کیا شاہد بھیا۔ اس میں اثر انداز ہونے کی بڑی قدرت تھی۔ اپنی نفاست پسندی' سلیقہ مندی اور پھرتیلے پن سے اس نے سب کا دل جیت لیا تھا۔ جیسے وہ ایک سحر تھی جو ہر فرد پر مسلّط تھا —— کیا اپنے کیا غیر سبھی اس کی زلف کے اسیر تھے۔

اسکول کی واپسی پر وہ ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی پھرتی کبھی بیگم رضا کے کمرے کی صفائی کرتی' کبھی بڑے سرکار کے اور کبھی شاہد بھیا کے۔ کیا ممکن تھا کسی شے پر گرد نظر آجائے' کسی کمرے میں کوئی چیز اِدھر اُدھر پڑی ہو یا پھول دان خالی ہوں۔ گھر میں جب دعوتیں ہوتی تھیں تو ان کا سارا انتظام شیداں کے سپرد ہوتا۔ ایک سے ایک وہ مختلف کھانے بنانے میں ماہر تھی۔ ایک بار جب بیگم رضا کو ٹائیفائیڈ ہوگیا تھا تو شیداں نے ساری رات جاگ جاگ کر سحر کردی تھی۔ وہ بت کی طرح اُن کے سرہانے بیٹھی ان کی صحت کی دعائیں کیا کرتی تھیں لیکن اسی دوران ایک رات وہ خود ایسی پڑی کہ دو دن تک پلنگ سے اٹھ نہ سکی' نہ بخار تھا نہ کوئی مرض بس پڑے پڑے کراہتی رہتی۔ صبح بیگم رضا کو شیداں کے اچانک بیمار ہوجانے کی خبر ملی لیکن خود اُن میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اس کے کمرے میں جاکر اس کا حال پوچھیں بس ہر ایک سے کہتی تھیں " کیا ہوگیا ہے شیداں کو ادلیں شام تو اچھی بھلی تھی۔ شاید میری تیمار داری کی مسلسل جاگ نے اسے بیمار کردیا " اُن کے بے حد اصرار سے بڑے سرکار اس کے کمرے میں اُسے دیکھنے گئے تھے —— شاہد تو ہر وقت اس کے کمرے کے چکر لگاتے تھے۔

کچھ دن بعد بیگم رضا روبصحت ہوگئیں اور شیداں حسب معمول گھر کا کام کاج کرنے لگی لیکن اب اس میں ایک زبردست تغیر آگیا تھا —— اس

کا سر سے ڈوپٹہ سرک کر گلے کا ہار بن گیا، اس کے جسم کے مخصوص حصے بڑی بے حیائی سے دعوتِ نظارہ دینے لگے۔ اسے اب کسی کا نہ لحاظ تھا اور نہ پاس خواہ وہ بڑے سرکار ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ اُن سب کے سامنے بید مجنوں کی طرح چلتی، ہنسی مذاق کرتی، گنگناتی اور اٹھلاتی پھرتی ——

شرم و حیا کے بجائے اس کے چہرے پر شادمانی اور خوشی کی چمک دمک ہوتی۔ وہ شاہد کی بات بات پر قہقہے لگاتی۔ وہ اُن کے صرف ایک اشارے کی منتظر رہتی کہ وہ کب اس کو کسی کام کے لئے آواز دیں اور وہ وہاں پہنچ جائے اور پھر وہی بے فکری کے قہقہے! لیکن یہ شوخ و شریر قہقہے بڑے سرکار کے کمرے میں نہیں سنائی دیتے تھے وہاں صرف سرگوشیاں ہوتی تھیں

ان حالات سے مجبور ہو کر بیگم رضا جلد از جلد شیداں کی شادی کر دینا چاہتی تھیں لیکن وہ جب بھی بڑے سرکار سے کسی پیغام کے بارے میں ذکر کرتیں تو وہ اس لڑکے میں پچاسوں عیب نکال دیتے اور کہتے "آخر بیٹھے بٹھائے تمہیں اس کی شادی کی اس قدر کیوں فکر لاحق ہو گئی ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ اور پھر مجھے تمہارا بھی خیال ہے شیداں کی شادی کے بعد تمہیں اس کے بغیر بہت تکلیف ہو جائے گی۔"

تو کیا میں اپنی راحت کے لئے اسے زندگی بھر بٹھائے رکھوں گی مجھے شاید کے ساتھ اس کا اس طرح ہنسنا بولنا پسند نہیں۔" جس کو سن کر بڑے سرکار کے چہرے پر فکر و پریشانی چھا جاتی۔

آخر ایک دن بیگم رضا نے بیشمار پیغامات میں سے حامد کو شیداں کے لئے منتخب کر ہی لیا۔ لڑکا تعلیم یافتہ تھا، برسرِ روزگار تھا اور خاندانی تھا۔ رخصتی کے وقت بیگم رضا شیداں کے ساتھ ساتھ روئیں بھی لیکن پھر بھی انہیں خوشی تھی کہ ایک یتیم لڑکی کے فرض سے وہ ادا ہو گئی تھیں۔ یتیموں کے ساتھ سلوک کرنا بہت عظیم کارِ خیر ہے۔ لیکن دوسرے دن صبح شیداں کی اچانک آمد اور اس کی ساس کے خطوط نے ان کی ساری خوشی خاک میں ملا دی۔ انہوں نے کانپتی آواز میں شیداں سے پوچھا "کون تھا وہ جس نے تمہاری آبرو لوٹی تھی؟" لیکن وہ پتھر کی طرح ساکت اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی رہی۔

بولتی کیوں نہیں؟ کیا اسی دن کے لئے میں نے تیری پرورش کی تھی بیٹیوں جیسا پیار دیا تھا۔ کبھی تجھے یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا کبھی تیرا دل نہ دکھایا۔ کیا یہی میرا صلہ تھا؟ جس کے جواب میں وہ بچوں کی طرح چیخیں مار کر رو پڑی۔ زندگی میں پہلی بار بیگم رضا کا ہاتھ اٹھا اور شیداں کے چہرے کو گلنار کر گیا۔

"شیداں تجھے اپنی مرحومہ ماں کی قسم بتا وہ لٹیرا کون تھا؟" زمین پر سسکتی شیداں نے گھٹی گھٹی آواز میں رک رک کر کہا ——

"بڑے سرکار" ——

بیگم رضا کے چہرے پر مردنی چھا گئی، سر جھک گیا۔ ایک لمحے کے لئے انہیں اپنا دل رکتے ہوئے محسوس ہوا جیسے اب غم سہنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ سارا ماحول بجھا بجھا سا سوگوار سا لگنے لگا۔ شیداں کے الفاظ کھولتے ہوئے لاوے کی طرح آتش فشاں دہانے سے بہہ نکلے جنہوں نے آن کی آن میں اُن کے وقار کے نام و نشان کو جلا کر راکھ کر دیا۔ عہدِ رفتہ کی یادوں نے سر اٹھایا انہیں اپنے دل میں کسک سی محسوس ہوئی۔ بڑے سرکار جو فراغتِ ذہنی و جسمانی راحت کی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ اپنی ساری عمر دنیا جہاں کی عورتوں کو دادِ عیش دیتے رہے تھے، وہ اُن مردوں میں سے نہیں تھے جو ایک عورت پر صبر و قناعت کرتے ہیں۔ بڑے سرکار دل، دل لگی کے لئے لگاتے تھے ساتھ دینے کے لئے نہیں —— لیکن بیگم رضا کا خیال تھا کہ عمر کے ساتھ ان کا ہرجائی پن جاتا رہا تھا اور وہ اب بے حد پرہیزگار اور عبادت گزار ہو گئے تھے لیکن آج کے انکشاف سے اُن کے اوسان خطا ہو گئے، مگر انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "شیداں میں کلام پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیری آبرو کی قیمت بڑے سرکار کو ادا کرنی ہی پڑے گی اور انہیں تجھ سے نکاح کرنا ہی ہوگا ورنہ اب میں اس دہلیز کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گی۔"

●●

اختر شاہجہاں پوری

۲۰ نکاتی پروگرام

نورِ سحر ہے بیس نکاتی پروگرام
خلدِ نظر ہے بیس نکاتی پروگرام

منزل اسی طرف نظر آتی ہے دوستو
یعنی جدھر ہے بیس نکاتی پروگرام

سمجھیں نہ اسکو کس لئے سرمایۂ حیات
لعل و گہر ہے بیس نکاتی پروگرام

اب تو ہر ایک فردِ بشر کی زبان پر
شام و سحر ہے بیس نکاتی پروگرام

آؤ بلا رہی ہے ہمیں راہِ زندگی
اذنِ سفر ہے بیس نکاتی پروگرام

جس میں چھپی ہوئی ہے مسرت کی داستاں
ایسی خبر ہے بیس نکاتی پروگرام

تخریب کے جو دار تھے بیکار ہو گئے
یعنی سپر ہے بیس نکاتی پروگرام

جس کے جلو میں روشنیاں تابناکیاں
وہ رہگزر ہے بیس نکاتی پروگرام

ایوانِ دشمنانِ وطن کے جلا دیئے
اِک وہ شرر ہے بیس نکاتی پروگرام

کیوں جان و دِل سے اندرا جی پر نہ ہوں نثار
کیا باثمر ہے بیس نکاتی پروگرام

اختر اسے بنانا ہے مِل جُل کے کامیاب
جب معتبر ہے بیس نکاتی پروگرام

ساغر مظہری

حیدرآباد دکن میرا نگر بھی ہے تو ہی
یاں کے ہر باشی کا منظورِ نظر بھی ہے تو ہی

کتنی صدیوں سے ہے تو گہوارۂ امن و امان
ثبت ہے قلب و جگر پر تیری انمٹ داستاں

نور چشموں میں ترے بھرپور ہے الفت کا رنگ
وہ کشن پرشاد ہوں چاہے وہ ہوں سالار جنگ

ذات پات اور دین و مذہب قسمتوں کا کھیل ہے
گھر کے باہر دیکھئے شیر و شکر کا میل ہے

راکھیاں بہنوں نے باندھی ہیں یہاں ہر بھائی کو
باہیں تھامے سب چلے ہیں انجمن آرائی کو

عید دیوالی کرسمس اور بیساکھی کے دِن
نا منائی عید کوئی بھائی نے بھائی کے بِن

فرض ہے ہم پر سدا تیری روایت کا قیام
تاکہ الفت میں پروئے پھول خوشبو دیں مدام

بھائی بھائی میں بھی آجاتا ہے گاہے اختلاف
چشم پوشی درگزر سے دِل ہوا کرتے ہیں صاف

ہے لبوں پر ساغرِ مخلص کے ہر دم یہ دعا
رودِ موسیٰ کے کنارے یہ چمن پھولے سدا

غزلیں

جمیل نظام آبادی

یہ کیسے کہیں کوئی خیالوں میں نہیں ہے
یہ بات الگ ہے کہ نگاہوں میں نہیں ہے

وہ شے کہ زمانے میں خوشی نام ہے جس کا
شاید مرے ہاتھوں کی لکیروں میں نہیں ہے

نہ چاند نہ تارے نہ چراغاں نہ تو جگنو
تاریکی مگر پیار کی راہوں میں نہیں ہے

جو پیار مرے گاؤں کے لوگوں میں ہے پیارے
وہ پیار ترے شہر کے لوگوں میں نہیں ہے

دل غم سے جو بھر آتا ہے بھر لیتا ہوں آہیں
شکوہ تو کسی کا مری آہوں میں نہیں ہے

آتے ہیں جمیلؔ میری طرف دور سے پتھر
دشمن تو کوئی چاہنے والوں میں نہیں ہے

رؤف رحیم
ایم اے

جگر، دل خون میں تر، دیدۂ تر خون میں تر ہے
کروں میں کیا کہ دامانِ مقدر خون میں تر ہے

کوئی دیوانہ شاید آج تیری راہ سے گزرا
ستم گر! آج تیرے در کا پتھر خون میں تر ہے

جہاں سایے سے اپنے ڈر کے ناحق چونک جاتا تھا
اسی معصوم کے ہاتھوں میں خنجر خون میں تر ہے

جو بعد قتل میرے اس نے میری آرزو سمجھی
گلے لپٹا لیا ہے گو ستم گر خون میں تر ہے

مسیحا بن کے ایسے وقت آئے ہیں عیادت کو
جگر چھلنی ہے میرا قلبِ مضطر خون میں تر ہے

جمالِ لالہ و گل میں نہ پاؤ گے یہ رنگینی
ذرا دیکھو ادھر بھی چشمِ احقر خون میں تر ہے

بہ فیضِ عشق میں ہوں رازدارِ جرمِ "انا الحق" کا
جہاں منصور کا بھی دار پہ سر خون میں تر ہے

شہیدانِ وفا کو اس نے مارا اور یوں مارا
نہ دامن خون میں تر ہے نہ خنجر خون میں تر ہے

غزل میں بے تکلف سرخیٔ مضموں سے ہے ظاہر
رحیمؔ خستہ دل! فکرِ سخن ور خون میں تر ہے

محمود عشقی

اجڑے گلشن کو بہر حال سنوارا جائے
بڑھ کے ناراض بہاروں کو پکارا جائے

حادثے راہ میں پیروں سے لپٹ جاتے ہیں
ایسے ناوانوں کو کس طرح سدھارا جائے

بند کمرے کی طرح کیوں ہے فضاؤں میں گھٹن
گوشِ گل سے مرا پیغام گزارا جائے

اب تو ناقابلِ برداشت ہے ساحل کا سکوت
کیوں نہ غرقاب سفینوں کو ابھارا جائے

سنگ و آہن سے مماثل بھی ہیں کچھ تُند مزاج
ایسے افراد کو پھولوں سے نہ مارا جائے

گرتی چھت کو تو سہارا دیا شہتیروں نے
بے سہاروں کو مگر کیسے سہارا جائے

سب خطا کار ہی سُولی پہ چڑھے ہیں عشقی
کس خطا کار کو سُولی سے اتارا جائے

زبیدہ تحسین

مرنے کا مجھے غم ہے نہ جینے کی خوشی ہے
یہ زندگی کس موڑ پہ اب آکے رکی ہے

اک فرق سا دامن میں گریباں میں ابھی ہے
شاید کہ ابھی جذبِ محبت میں کمی ہے

کیفیت شعلہ بھی ہے شبنم بھی ہے دل میں
ہونٹوں پہ تبسم ہے نہ آنکھوں میں نمی ہے

آباد ہے اک درد کی دنیا مرے دل میں
کھلتا نہیں کب اور کہاں چوٹ لگی ہے

دیوانے کا تم نے جو مجھے نام دیا ہے
اس نام سے دنیا مجھے پہچان رہی ہے

وہ نقش وفا ہم سے مٹائے نہیں مٹتے
آئینہ اور اک یہ کچھ گرد جمی ہے

تھا درد کا رشتہ جو کسی دل سے ہے باقی
ٹوٹی ہوئی یہ شاخ ابھی تک بھی ہری ہے

وہ رت ہے نہ برسات نہ ساون نہ نشیمن
تحسین دلِ دیوانہ کا انداز وہی ہے

خواجہ شوق

ایک بے حاصل طلب بے نام اک منزل بنا
ٹوٹنے کے بعد ہی دل درحقیقت دل بنا

منزلیں ہی کیا نیا ہر جادۂ منزل بنا
لیکن اپنے آپ کو پہلے کسی قابل بنا

ہم فریب رنگ و بو کھا کر بھی آگے بڑھ گئے
کم نگاہوں کیلئے ہر مرحلہ مشکل بنا

ہر مقام زندگی پر تھا میرا عالم جُدا
میں کہیں طوفاں کہیں کشتی کہیں ساحل بنا

غم سے نامانوس رہنے تک تھیں ساری تلخیاں
رفتہ رفتہ غم ہی اپنی عمر کا حاصل بنا

کسقدر عہد آفریں عالم ہے تیری ذات کا
جو تیری محفل میں آیا وہ خود اک محفل بنا

پی گئے کتنے ہی آنسو ہم بنام زندگی
ایک مدت میں کہیں دل دردِ ساحل بنا

جذبۂ منزل سلامت، راستوں کی کیا کمی
ہم جدھر نکلے نیا اک جادۂ منزل بنا

تبصرے کرنے لگے ہیں لوگ حسب حوصلہ
شوق آسانی سے میں کچھ اور بھی مشکل بنا

تنقید و تبصرہ

تبصرہ نگار: یوسف ندیم

ماہنامہ شاعر

خلیل الرحمن اعظمی نمبر

ایسے میں جبکہ دو سو صفحات پر مشتمل (۱۶/۱ کراؤن) کلاس روم لیکچرر کی تنقید کے نام پر ۳۲ روپے قیمت رکھنے کی وبا عام ہو اور اس طرح عام ہو اور اس طرح عام قاری تو کجا ادب کو سلکٹیڈ قاری کی دسترس سے بھی پرے کرنے کا سلسلہ دراز ہو اگر ایک اردو ادارہ (ماہنامہ "شاعر" بمبئی) ۸/۱ کراؤن سائز کے ۲۸۰ صفحات کا ایک ضخیم و مبسوط نمبر پیش کرتا ہے اور اس کی قیمت "صرف" سات (۷) روپے رکھتا ہے تو میرے خیال میں اس سے بڑی خدمت اردو ادب اور کوئی نہیں ہو سکتی "خلیل الرحمن اعظمی نمبر" کو ماہنامہ "شاعر" بمبئی کا ایک دستاویزی کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی ماہنامہ شاعر جس کے بانی علامہ سیماب اکبرآبادی تھے اور جسے ماضی قریب تک علامہ سیماب مرحوم کے صاحبزادے جناب اعجاز صدیقی مرحوم کی عظیم مدیرانہ نگرانی حاصل تھی کے ۵۰ سالہ دورِ حیات میں بے شمار نمبر (کرشن چندر نمبر غالب نمبر ہمعصر اردو ادب نمبر اور ناولٹ نمبر وغیرہ) منصۂ شہود پہ آئے اور لاکھوں قارئین سے ادارہ سے خراج تحسین حاصل کیا۔

زیرِ نظر نمبر کو سال رواں کے اپریل مئی اور جون کا شمارہ قرار دیا گیا ہے۔ اور افتخار امام صدیقی اور تاجدار احتشام صدیقی کے زیرِ ادارت یہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا ہے۔ اس نمبر میں عصمت چغتائی، ڈاکٹر حامدی کاشمیری، شاذ تمکنت، وقار خلیل، مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر وزیر آغا، علی سردار جعفری، باقر مہدی، ظ انصاری اور کمار پاشی جیسے کئی مشاہیر اساطینِ اردو ادب نے بلند پایہ نقاد شاعر صحافی اور ادیب خلیل الرحمن اعظمی مرحوم کی فکر و فن اور ذات کے بے شمار گوشوں پر منظوم و منثور تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ یوں تو خلیل الرحمن اعظمی کے فن و شخصیت پر لکھا ہر نثر پارہ اور نظم اپنی جگہ منفرد اور اہم ہے لیکن حامدی مسعود کا بیگم خلیل الرحمن محترمہ راشدہ سے لیا گیا انٹرویو میری نظر میں نمبر کا ماحصل ہے۔ اس نمبر کی کتابت اور طباعت ماہنامہ "شاعر" کے مخصوص ڈھنگ کی ہے اور عمدہ و نظر افروز ہے۔ مدیران شاعر بجا طور پر قارئین کے ہزاروں شکریوں کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کساد بازاری میں بھی خدمتِ ادب کے معتبر جذبوں کا بڑا اظہار کیا۔ یہ نمبر ماہنامہ "شاعر" مکتبہ قصر الادب، پوسٹ بکس ۴۵۲۶ بمبئی ۸ کے علاوہ ہر بڑے کتب فروش کے ہاں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ھندوستانی گاؤں

۲۱×۱۴ سنٹی میٹر کے ۲۶۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ترقی

اردو بیورو ویسٹ بلاک ۸ آر کے پورم نئی دہلی ۲۲ ۱۱۰۰ سے شائع ہوتی ہے انتہائی نظر نواز کتابت اور شاندار فوٹو آفسیٹ طباعت کے باوجود اتنی ضخیم اور جامع کتاب کی قیمت صرف دس روپے ۵۰ پیسے ہے اس ریڈی ریفرنس کتاب کے مصنف ڈاکٹر شیام چرن دوبے ہیں۔ جبکہ انوار العلوم کالج کے ایک فاضل لکچرر ڈاکٹر محمد عبدالقادر عمادی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس لائق مطالعہ کتاب کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ ترقی اردو بیورو دہلی نے اردو والوں کو اس کی اشاعت کے ذریعہ سالِ رواں کی ایک دستاویزی علمی سوغات دی ہے تو غلط نہ ہوگا ڈاکٹر عمادی کے ترجمہ کا کمال یہ ہے کہ اس کتاب میں جو مانوس سلیس اور رواں زبان استعمال کی گئی ہے اس سے یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ یہ ترجمہ ہے بلکہ پڑھتے وقت تصنیف کا سا لطف ملتا ہے۔

اصل میں یہ کتاب تلنگانہ کے ایک گاؤں حیدرآباد وسکندرآباد سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع شاہ میر پیٹھ کے بارے میں اسٹڈی اور ریسرچ ورک کی مفصل اور تحقیقاتی رپورٹ ہے اور اس لحاظ سے بظاہر ایک خشک موضوع پر خامہ فرسائی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعد مطالعہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی بھی طرح ایک دلچسپ ترین ناول سے کم نہیں ہے۔ اس کا سہرا بلاشبہ ڈاکٹر شیام چرن دوبے اور مترجم ڈاکٹر عمادی کے سر جاتا ہے اس کتاب کا مقدمہ اتھاکا نیویارک کی کارنل یونیورسٹی کے پروفیسر موریس اینڈ ورڈ اوپلر نے لکھا ہے۔

۱۹۵۱ - ۵۲ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کی ایک تحقیقاتی ٹیم نے جس میں بیشتر شعبوں کے ریسرچ اسکالرز تھے مصنف کے زیر قیادت شاہ میر پیٹھ میں قیام کیا اور اس گاؤں کے کلیاتی اور جزیاتی پیرامر پر اسٹڈی اور ریسرچ کی اور بعد ازاں رپورٹ تیار کی۔ اس کتاب کی پیشکشی کا کمال یہ ہے کہ ڈاکٹر دوبے کی قیادت میں ہر شعبہ کے ماہرین نے جو کچھ دیکھا سنا اسے بے کم وکاست قلمبند کیا ہے۔ اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کتاب کے ذریعہ متذکرہ موضع کی ہو بہو مکمل اور واضح تصویر دیکھ سکتے ہیں۔

ہندستان ۴ لاکھ ۵۷ ہزار گاؤں پر مشتمل ہے اور ہر گاؤں قدرے فرق سے پورے ہندستان کی نمائندگی کرتا ہے۔ خوشی کا مقام ہے کہ یونیورسٹی کے ارباب مجاز نے تحقیقاتی مقاصد کے لئے جنوبی ہند کے اس غیر معروف موضع کو منتخب کیا اور جس کے تحقیقاتی نتائج نے ہر قاری کے آگے ہندستان کے ماضی حال اور مستقبل کو تمام مسائل کے ساتھ واقف کروا دیا ہے۔ دو صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اور ترقی اردو بیورو بھی کہ اردو میں ایک اچھوتے موضوع پر شاندار اضافہ ہوا۔ یہ کتاب حیدرآباد میں اردو اکیڈیمی آندھراپردیش ۱۳۷ - ۴ - ۱۱ اے سی گارڈز حیدرآباد ۴ کے بک [illegible] سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

کب کا ہوا تمام، وہ دستک کی آس میں
یاروں کا صبح تک، پسِ دیوار جاگنا

آشفتگی میں ہوش کا دامن نہ چھوڑنا
آنکھوں کو آبلوں کی تہہ خار جاگنا

کل تک طویل نیند تھی اور رات مختصر
اب مختصر سی رات میں سو بار جاگنا

کب جانے چل بسے کوئی بیمار رات کا
سورج طلوع ہونے تک اے یار جاگنا

یوں دیکھتے ہیں خواب کہ آنکھیں کھلی رہیں
سوتے ہوئے بھی ہمکو لگاتار جاگنا

آخر کو ہم نے موند لیں آنکھیں یہ سوچ کر
شب بھر ترے خیال میں بیکار جاگنا

خبریں تصویروں میں

لال بہادر اسٹیڈیم فتح میدان پر ریاستی گورنر مسٹر کے۔ سی ابراہام آندھرا پردیش کی سلور جوبلی تقاریب کا افتتاح کرتے ہوئے مخاطب کر رہے ہیں۔ تصویر میں مسٹر ا ے۔ [illegible] رقی، مرکزی وزیر مملکتی داخلہ مسٹر وینکٹ سبیا۔ چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر ٹی۔ انجیا وزیر لیبر مسٹر جی۔ وینکٹ سوامی وزیر اطلاعات و نشریات سروجنی بلا ریڈی اور وزیر داخلہ مسٹر کے پربھاکر ریڈی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔
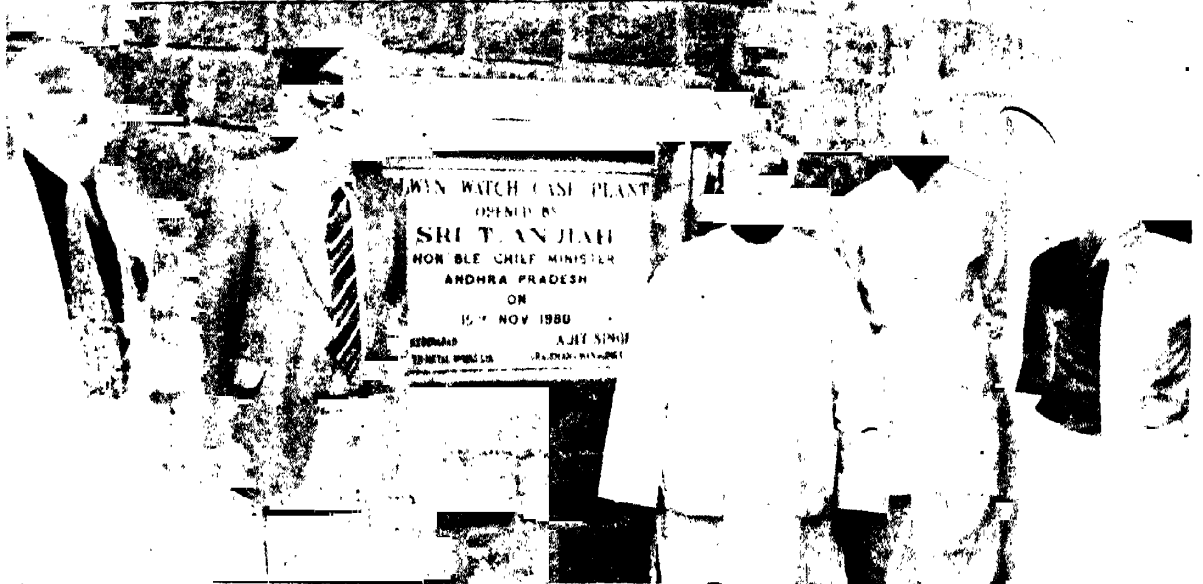
چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے صنعت نگر میں آلوین واچ کیس پلانٹ کا افتتاح کیا۔ تصویر میں صدر نشین و منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر اجیت سنگھ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا نے بی بی کے علم پر ڈھئی چڑھائی۔ تصویر میں مسٹر ایم اے عزیز
مسٹر ایم آر شیام راؤ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔
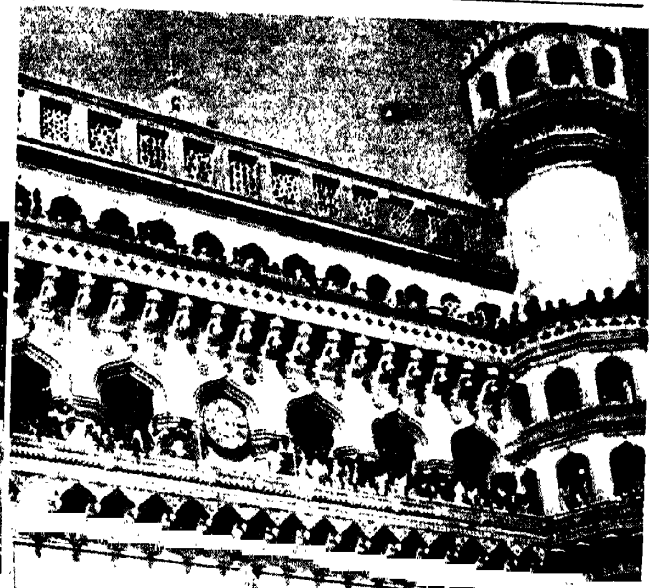
راجم پیٹ ضلع میدک میں وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی
کمزور طبقات کی ہاؤزنگ کالونی کا افتتاح کر رہی ہیں۔ تصویر میں
وزیر فینانس مسٹر راجہ رام بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

بی بی کے علم کا ایک منظر

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے فتح پور سیکری، آگرہ (یوپی) میں مزار شریف حضرت سلیم چشتیؒ پر چادر گل پیش کی۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل نیشنل پولیس اکیڈیمی میں سردار پٹیل کے مجسمہ کی نقاب کشائی کے بعد وزیر اعلیٰ جناب ٹی۔ انجیا عہدداران پولیس سے خطاب کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ۲ نومبر کو راجم پیٹ ضلع میدک میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے

چیف منسٹر ٹی انجیا تلنگانہ کلکٹرس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے تصویر میں وزیر لیبر دیول سپلائز مسٹر جی وینکٹ سوامی بھی دیکھے جاسکتے ہیں

۴ر نومبر کو پٹن چیرو میں آلوین سیکو واچ کمپنی کے سنگ بنیاد کی تقریب۔ وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی مخاطب کر رہی ہیں۔ شہ نشین پر چیف منسٹر ٹی انجیا، جاپانی سفیر مسٹر ایم کانا زوا اور سیکو کے مینجنگ ڈائریکٹر مسٹر ٹی اُدنوما اور صدر نشین آلوین مسٹر اجیت سنگھ

۵ر نومبر ۱۹۸۰ء کو قومی یکجہتی کونسل کے افتتاحی اجلاس سے مرکزی وزیر داخلہ جناب گیانی ذیل سنگھ خطاب کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری ٹی انجیا اور وزیر داخلہ شری کے۔ برہما کر ریڈی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا ملک پیٹ میں گونگوں اور بہروں کے اسکول میں یوم جسمانی معذورین کے موقع پر معذور افراد میں رکشا کی تقسیم۔ مسٹر کے رنگا راؤ وزیر جسمانی بھلائی دیکھے جا سکتے ہیں

جوبلی ہال میں دیپاولی عید ملاپ کے جلسہ میں نواب میر اکبر علی خاں تقریر کر رہے ہیں
چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا اور سلطان صلاح الدین اویسی ایم ایل اے کے علاوہ دوسرے معززین دیکھے جاسکتے ہیں

مبر کو جوبلی ہال میں سلور جوبلی تقاریب، تاسیس آندھرا پردیش کے سلسلہ میں منعقدہ مقصدی مشاعرہ میں جناب گیانی ذیل سنگھ
وزیر داخلہ مخاطب کر رہے ہیں یہ مشاعرہ محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ اور اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا تھا۔

3.11.81

نظام کالج گراونڈ میں یوم اطفال کے موقع پر ڈرل ڈسپلے کا ایک منظر۔ تصویر میں چیف منسٹر مسٹر ٹی انجیا بھی دیکھے جاسکتے ہیں
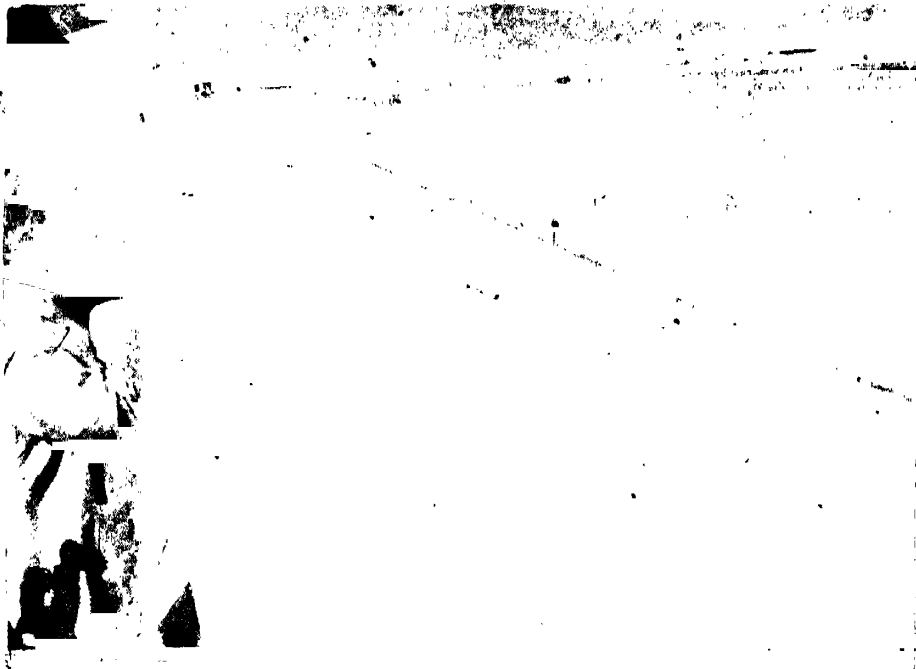
چیف منسٹر
مسٹر ٹی۔ انجیا
این سی سی
پریڈ کی سلامی
لیتے ہوئے